اور تلوار ٹوٹ گئی

حصہ اول

نسیم حجازی

فہرست

انتساب

محمد بہادر خاں

نواب بہادر یار جنگ مرحومؒ

کے نام

پیش لفظ

معظم علی اور اس کے بعد۔۔۔اور تلوار ٹوٹ گئی،، لکھتے وقت میرے دل و دماغ پر یہ احساس ہمیشہ غالب رہا کہ سلطان شہیدؒ کی شخصیت کو کسی ناول کا موضوع بنانا ایک بہت بڑی جسارت تھی۔

ابتداً میں ایک ایسے اولعزم مجاہد کے کردار سے متاثر ہوا تھا جس نے ہندی مسلمانوں کے دور انحطاط میں محمد بن قاسم کی غیرت، محمود غزنوی کے جاہ وجلال اور احمد شاہ ابدالی کے عزم و استقلال کی یاد تازہ کر دی تھی، لیکن سلطنت خداداد کی تاریخ کے اوراق الٹتے وقت میں یہ محسوس کرتا ہوں، کہ سلطان فتح علی خان ٹیپو کی زندگی کے کئی اور حسین پہلو ابھی تک میری نظروں سے پوشیدہ تھے۔شیر میسور کی فتوحات صرف جنگ کے میدانوں تک محدود نہ تھیں، بلکہ وہ بیک وقت ایسا حکمران، عالم، مفکر و مصلح تھا۔جس کے دل و دماغ کی وسعتوں میں اسلامیان ہند کے ماضی کی عظمتیں، حال کے ولولے، اور مستقبل کی آرزوئیں سماگئی تھیں۔وہ ہمیں زندگی کی ہر دوڑ میں اپنے وقت سے کئی منزلیں آگے دکھائی دیتا ہے۔اس نے ایک ایسے دور میں فلاحی ریاست کا نمونہ پیش کیا تھا۔جب کہ باقی ہندوستان کے نواب اور راجے اپنی رعایا کی ہڈیوں پر عشرت کدے تعمیر کر رہے تھے۔اس نے اس زمانے میں بین الاسلامی اتحاد کے لیے جدوجہد کی تھی، جب کہ اہل اسلام اپنے نا اہل حکمرانوں کی تنگ نظری، کمزوری، بے حسی اور باہمی رقابتوں کے باعث مغرب کے سامراجی بھیڑیوں کے لئے ایک عظیم شکارگاہ بن چکا تھا۔اس نے ہندوستان کے ایک ایسے پس ماندہ علاقے میں عدل وانصاف کے جھنڈے گاڑھے تھے، جہاں صدیوں سے جہالت اور افلاس کی تاریکیاں مسلط تھیں۔حیدر علی اور سلطان ٹیپو سے قبل میسور کے

عوام کی کوئی تاریخ نہیں تھی، لیکن ان کی حکمرانی کے چند برس پورے ہندوستان کی تاریخ پر چھائے ہوئے ہیں۔

جب ہندوستان کے عوام اپنے حال اور مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے، تو میسور میں حوصلوں اور ولولوں کی ایک نئی دنیا آباد ہو رہی تھی۔ جب مشرقی ہندوستان کے قلعوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے جھنڈے نصب ہو رہے تھے، تو سلطنت خدا داد کے یہ معمار سرنگا پٹم، منگلور، اور چیتل ڈرگ میں قوم کی آزادی کے نئے حصار تعمیر کر رہے تھے۔

حیدر علی کے حکومت کے آخری ایام میں میسور کی ریاست ایک عظیم سلطنت بن چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ طاقتیں جو جنوبی ہندوستان میں ایک اسلامی سلطنت کے قیام کو اپنے لیے ایک مستقل خطرہ سمجھتی تھی۔اس کے خلاف متحد اور منظم ہو چکی تھی۔۔

انگریز میسور کو دلی کے راستے کی آخری دیوار سمجھتے تھے، میر نظام علی نہ صرف میسور بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی عزت اور آزادی کو اپنی ذلیل سودا بازیوں کا مسئلہ سمجھتا تھا۔

اور مرہٹے سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر برہمنی استبداد کی عمارت کھڑی کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ شیر میسور نے اس وقت سلطنت خداداد کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لی تھی، جب بھیڑیوں، گیدڑوں اور گدھوں کے لشکر اس کے کچھار کا محاصرہ کر رہے تھے۔ اور وہ اس وقت تک ان کے سامنے سینہ سپر رہا، جب تک اس کی رگوں کا سارا خون میسور کی خاک میں جذب نہیں ہو چکا تھا۔

اس ناول کے بیشتر کردار وہ مجاہد ہیں۔ جو ایک عظیم فوجی رہنما کے جلو میں

ہمارے سامنے آتے ہیں۔اور یہی وجہ ہے کہ میسور کی جنگیں اس داستان کا اہم ترین حصہ بن گئی ہیں۔ان طویل اور صبر آزما جنگوں کا معمولی جائزہ ہمیں یہ اعتراف کر نے پر مجبور کر دیتا ہے۔کہ انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط جمانے کے لیے جو جنگیں لڑی تھیں۔وہ اپنی شدت اور وسعت کے اعتبار سے میسور کے معرکوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔بلکہ ہندوستان کی پوری تاریخ میسور کے مجاہدوں کے صبر واستقلال اور ایثار وخلوص کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عام طور پر یہی دیکھا جاتا ہے، کہ ایک فوج حملہ کرتی ہے، اور دوسری اس کے مقابلے کے لیے نکلتی ہے۔پھر مختلف محاذوں پر اکا دکا جھڑپوں کے بعد کسی میدان مین فیصلہ کن معرکہ ہوتا ہے، اور جو فریق شکست کھا جاتا ہے۔وہ برسوں تک اپنے طاقتور حریف کے سامنے سر اٹھانے کا نام نہیں لیتا۔

ازمنہ قدیم میں آرین وسط ایشیا سے نکلتے ہیں۔اور چند لڑائیوں کے بعد ہندوستان کی قدیم اقوام کو مغلوب کر لیتے ہیں۔سکندر اعظم یونان سے نکلتا ہے۔دریائے جہلم کے کنارے راجہ پورس کو شکست دیتا ہے۔اور اس کے بعد یونان کے لشکر کو اپنے سامنے پانچ دریاؤں کی سرزمین خالی نظر آتی ہے۔محمد بن قاسم، ایک سترہ سالہ نوجوان کے ساتھ آنے والے مٹھی بھر مجاہدین دیبل اور برہمن آباد کے میدانوں میں راجہ دہر کو شکست دینے کے بعد ہمیشہ کے لیے سندھ سے برہمنی اقتدار کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔محمود غزنوی اپنے ابتدائی چند حملوں میں پورے شمالی ہندوستان سے راجپوتوں کا اقتدار ختم کر دیتا ہے، اور اس کے بعد قنوج اور سومنات میں عبرت ناک شکست کھانے والے راجوں کو صدیوں تک مسلمانوں کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی۔پھر بابر مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔اور

اس ملک کی تاریخ کا رخ بدل دیتا ہے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد مرہٹے ہر ہر مہادیو کے نعرے لگاتے ہوئے اٹک تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں ایک بار پٹنے کے بعد دوبارہ شمالی ہندوستان کی طرف دیکھنے کی بھی جرات نیں کرتے، پھر ایسٹ انڈیا کمپنی پلاسی اور بکسر کی نمائشی جنگوں کے بعد کلکتہ سے لے کر لکھنو تک اپنی فتوحات کے جھنڈے نصب کر دیتی ہے۔ لیکن میسور میں سلطان ٹیپو کی تلوار کے سامنے انگریزی جارحیت کا سیلاب رک جاتا ہے۔ اور مسلسل سولہ برس تک ایسٹ انڈیا کمپنی جنوب سے دلی کی طرف کوچ کرنے کا خواب نہیں دیکھ سکتی۔

میسور کی دفاعی قوت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ میسور کے بعد جب مرہٹوں کی باری آئی تو سندھیا، بھونسلے، اور ملکر جن کی افواج کی مجموعی تعداد میسور سے کہیں زیادہ تھی، چند ماہ سے زیادہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ سن ۱۸۰۳ء میں سندھیا اور بھونسلہ کو پے در پے شکستیں دینے کے بعد دستے دہلی میں داخل ہو چکے تھے۔ اور شاہ عالم مرہٹوں کی بجائے کمپنی کی سرپرستی قبول کر چکا تھا۔ سن ۱۸۰۴ء میں فرخ آباد کے مقام پر ملکر شکست کھا چکا تھا۔ چند سال بعد مرہٹوں نے فرنگی جارحیت سے نجات حاصل کرنے کی ایک اور کوشش کی، لیکن انگریزوں کی سنگینوں کے سامنے ان کے لاکھوں سپاہی بھیڑوں کے ریوڑ ثابت ہوئے۔ اس کے بعد سارا ہندوستان انگریزوں کے رحم و کرم پر تھا۔

یہاں پر ہمیں ایک اور حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ یہ کہ سلطان شہید کے وہ پیش رو جنھوں نے اپنی نوک شمشیر سے ہندوستان کی تاریخ کو نئے عنوان عطا کیے تھے۔ اپنے زمانے کے عظیم جرنیل ہی نہیں تھے، بلکہ ان زندہ اور

متحرک اقوام کے جذبہ تسخیر کی نمود تھے۔ جن کی ماضی کی تاریخ شکست، پسپائی، مایوسی اور ناکامی کے الفاظ سے ناآشنا تھی محمد بن قاسم اس قوم کی غیرت کا مظہر تھا۔ جس کے مجاہد مشرق میں چین اور مغرب میں اندلس کے دروازوں کو دستک دے رہے تھے۔ محمود غزنوی کی سلطنت وسط ایشیا سے لے کر خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ احمد شاہ ابدالی بھی ایک عظیم سلطنت کا مالک تھا۔ اور اس کے جھنڈے تلے افغانوں، مغلوں، روہیلوں اور بلوچوں کا بہترین عنصر جمع ہو گیا تھا۔ لیکن سلطان ٹیپو نے جن لوگوں کو آزادی کی تڑپ عطا کی تھی۔ ان کا ماضی صرف پس ماندگی غربت، اور جہالت کے تذکروں تک محدود تھا، میسور کی بیشتر آبادی غیر مسلم تھی۔ ہندو سماج میں ان فرومایہ لوگوں کو ان بہادر راجپوتوں یا جنگجو مرہٹوں کی برابری کا دعویٰ نہ تھا۔ جو اپنے اسلاف کے کسی کارنامے پر فخر کر سکتے۔ ان لوگوں کو مسلمانوں کے دوش بدوش کھڑا کر کے کئی برس انگریزوں، مرہٹوں اور حیدر آباد کی سلطنت کا مقابلہ کرنا ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ آخر وہ کون سے حالات تھے، جنھوں نے ان لوگوں کے دل و دماغ پر اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا؟۔

اس اہم سوال کا جواب تلاش کرتے وقت سلطان شہید کی سیرت و کردار کے کئی اور حسین پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور ایک ضخیم ناول لکھنے کے بعد بھی مین یہ محسوس کرتا ہوں کہ سلطان شہیدؒ کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے ایک ناول نگار سے زیادہ جب مورخ اور سیرت نگار اپنی متاع گم گشتہ کی تلاش مین نکلیں گے تو سرنگاپٹم ان کے راستے کی اہم ترین منزل ہو گی۔

میسور کی جنگ آزادی صرف ایک اولوالعزم حکمران کی جنگ نہ تھی، بلکہ صدیوں کے ان پس ماندہ مظلوموں اور بے بس انسانوں کے ذوق نمود کا مظاہرہ

تھا۔ جنھیں سلطان شہیدؒ نے جہالت اور افلاس کے دلدل سے نکال کر تہذیب واخلاق کی منزل پر بٹھا دیا تھا۔ یہ داستان ان سرفروشوں کی ہمت، شجاعت اور ایثار کی داستان ہے، جنھیں ایک صحیح الخیال مسلمان حکمران نے زندگی کے آداب سکھائے تھے۔ لیکن کاش یہ روح پرور اور ولولہ انگیز داستان ان حریص قسمت آزماؤں کے تذکرے سے خالی ہوتی، جن کی ابن الوقتی، وطن فروشی، اور غداری کے باعث سرنگاپٹم کے شہیدوں کی بے مثال قربانیاں ایک بدنصیب قوم کی تقدیر نہ بدل سکیں، کاش ہمیں اپنے ماضی کی تاریخ کے روشن ترین صفحات میں میر صادق، قمر الدین، پورنیا، میر نظام علی، اور میر عالم جیسے لوگوں کے نام دکھائی نہ دیتے!۔

میں یہ داستان اس ملت کے جوانوں کو پیش کر رہا ہوں۔ جس کی سطوت کے پرچم سلطان ٹیپو کی شہادت کے دن سرنگوں ہو گئے تھے۔ اور جسے قدرت نے ایک طویل غلامی کے بعد پاکستان کو اپنا حصار بنانے کا موقع دیا ہے۔ آج ڈیڑھ سو سال بعد سلطان شہیدؒ کی روح سرنگاپٹم کے کھنڈروں کی طرف اشارہ کر کے ہمین یہ پیغام دے رہی ہے۔ کہ جو قوم اپنی صفوں میں کسی میر صادق کو جگہ دیتی ہے۔ اس کا کوئی قلعہ محفوظ نہیں ہوتا۔ جس جہاز کا کوئی مسافر اس کے پیندے میں سوراخ کر رہا ہو، اسے دنیا کے بہترین ملاح بھی ڈوبنے سے نہیں بچا سکتے۔ ملت کے عظیم ترین رہنماؤں کے خون، پسینے اور آنسوؤں سے صرف اس خاک پر آزادی کے نخلستان سیراب ہوتے ہیں، جو غداروں کے وجود سے پاک ہو۔

راولپنڈی نسیم حجازی

۶ مارچ ۱۹۵۸ء

آں شہیدانِ محبت را امام

آبروے ہند وچین و روم وشام

نامش از خورشید ومہ تابندہ تر

خاک قبرش از من و تو زندہ تر

از نگاہ خواجہ بدرو حنین

فقر سلطان، وارثِ جذبِ حُسینؓ

---------اقبالؒ---------

پہلا باب

معاہدہ منگلور کی رو سے میسور اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی دوسری جنگ کا خاتمہ، فوجی اور سیاسی لحاظ سے سلطان ٹیپو کی بہت بڑی فتح تھی انگریزوں نے میر نظام علی اور مرہٹوں کے بھروسے پر جنگ شروع کی تھی۔اور ابتدا میں ان کی کامیابیاں حوصلہ افزا تھیں، تاہم نظام اور مرہٹے جنگ کے نتائج کے متعلق پورا اطمینان حاصل کیے بغیر میدان میں کودنے کے لیے تیار نہ تھے۔بدنور کی فتح کے بعد انگریزوں کو یہ امید ہوگئی تھی کہ اب ان کے مذبذب حلیف مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لیے میسور پر اچانک یلغار کردیں گے۔لیکن جنگ کی دوسرے دور میں میسور کا زخمی شیر اپنے فولادی پنجے انگریزوں کے سینے میں گاڑھ چکا تھا۔اور وہ گدھ جنھیں گھرے ہوئے شکار پر جھپٹنے کی دعوت دی جارہی تھی، اپنے اپنے نشیمن سے ایک بدلی ہوئی صورت حال کا مشاہدہ کررہے تھے۔

انگریزوں نے اس وقت صلح کا جھنڈا بلند کیا تھا۔جب منگلور میں ان کے محصور لشکر کو کسی فوری اعانت کی امید نہ تھی۔سلطان کے توپ خانے کی بے پناہ گولہ باری کے باعث قلعے کی دیواریں ایک ایک کرکے منہدم ہورہی تھیں۔رسد اور بارود کے ذخیرے ختم ہوچکے تھے۔انگریز قلعے کے باہر نگاہ دوڑاتے، تو انھیں آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل دکھائی دیتے۔وہ قلعے کے اندر دیکھتے تو انھیں زخموں، وبائی امراض اور بھوک سے دم توڑتے ہوئے ساتھیون کی قابل رحم صورتیں دکھائی دیتیں۔منگلور کی طرح وہ دوسرے محاذوں پر بھی بری طرح مار کھارہے تھے۔کڈلور میں ان کی بہترین فوج فرانسیسی لشکر کے ہاتھوں مکمل تباہی کا سامنا کررہی تھی۔

جنوبی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جارحانہ عزائم کو ہمیشہ کے لیے

خاک میں ملانے کا یہ بہترین موقع تھا۔ لیکن اچانک یورپ سے یہ خبر پہنچی کہ برطانیہ اور فرانس کے درمیان صلح ہوگئی ہے۔ اور وہ ہندوستان میں بھی لڑائی بند کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ فرانسیسی سپہ سالار نے یہ خبر سنتے ہی انگریزوں کے ساتھ جنگ بند کردی۔

فرانس کے تعاون سے محروم ہو جانے کے باوجود سلطان ٹیپو کے پاس اتنی طاقت تھی کہ وہ انگریزوں پر ایک فیصلہ کن ضرب لگا سکتا تھا، لیکن جنگ جاری رکھنے کی صورت میں سلطان کو ایک طرف نظام اور مرہٹوں کے حملے کا اندیشہ تھا اور دوسری طرف اس کے لیے ان باج گزار، راجوں اور پالی گاروں کی سرگرمیاں ایک عظیم خطرہ بن چکی تھی، جنھوں نے انگریزوں، مرہٹوں اور میر نظام کی شہ پر بغاوت کے جھنڈے بلند کردیے تھے۔

اس کے علاوہ سلطان ٹیپو محض ایک اولوالعزم سپاہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک ان تھک معمار بھی تھا۔ رعایا کی فلاح و ترقی کے ساتھ اس کی دل چسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ جنگ کے میدان میں بھی دریاؤں پر بند باندھنے، نہریں کھودنے، بنجر زمینیں آباد کرنے، سڑکیں تعمیر کرنے اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے علاوہ عوام کی تعلیمی اور معاشرتی حالت سدھارنے کے عظیم منصوبے تیار کرتا تھا، میسور کے عوام کی ترقی و خوش حالی کے متعلق اپنے سپنوں کی تعبیر کے لیے اسے امن کی ضرورت تھی۔ لیکن اس کے دشمن یہ سمجھ چکے تھے کہ سلطان ٹیپو ان کے راستے کا آخری پتھر ہے، اور اگر اسے امن کے چند سال مل گئے تو سلطنت خداداد ہندوستان کی عظیم ترین طاقت بن جائے گی۔ چنانچہ صلح نامہ منگلور کے بعد انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کی یہ کوشش تھی کہ سلطان کو کسی نہ کسی محاذ پر مصروف رکھا جائے۔

جنگ سے فارغ ہوتے ہی سلطان کو سب سے پہلے نرگنڈا اور کورگ کی طرف توجہ دینی پڑی، یہ ریاستیں میسور کی باج گزار تھیں، لیکن گذشتہ جنگ سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے راجے سلطان کے خلاف بغاوت کر چکے تھے، سلطان نے مصالحت کے لیے نرگنڈ کی برہمن راجا ونکٹ راؤ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا، لیکن وہ مرہٹوں کی شہ پا کر مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ سلطان نے مرہٹوں کو میسور کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رکھنے کے لیے ایک سفارت پونا روانہ کیا، لیکن نانا فرنویس ایک مدت سے میسور کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اور پیشوا کے علاوہ تقریباً تمام مرہٹہ راجے اس کے قبضے میں تھے۔ اس لئے سلطان کی مصالحانہ کوشش کامیاب نہ ہوئیں۔

سلطان نے مجبوراً ایک لشکر برہان الدین کی قیادت میں نرگنڈا کی طرف روانہ کیا، برہان الدین نے نرگنڈ سے چند میل دور ونکٹ راؤ کو شکست دی۔ اور اسے نرگنڈ کے قلعے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا، نانا فرنویس نے تیس ہزار سپاہی ونکٹ راؤ کی مدد کے لئے روانہ کر دیے۔ اور برہان الدین نے مرہٹوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے نرگنڈ کے قلعے کا محاصرہ اٹھا لیا۔

برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا، اور راستے کے نالوں اور دریاؤں میں طغیانی کے باعث مرہٹوں کے لیے اپنے بھاری ساز و سامان کے ساتھ آگے بڑھنا دشوار تھا، چنانچہ مرہٹہ فوج کا سپہ سالار پرس رام بھاؤ رام، ڈرک میں پڑاؤ ڈال کر برسات کے اختتام اور مزید فوج کا انتظار کرنے لگا۔ برہان الدین نے مرہٹوں کے حملے کا انتظار کرنے کی بجائے اچانک منولی کی طرف یلغار کر دی۔ مرہٹوں نے مجبوراً آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ لیکن میسور کی فوج نے انہیں پے در پے

شکستیں دینے کے بعد منولی اور رام ڈرگ پر قبضہ کرلیا۔ چند دنوں میں مرہٹہ لشکر پیہم شکستیں کھانے کے بعد دریائے کرشنا تک کا تمام علاقہ خالی کر چکا تھا۔ اور نرگنڈ کی طرف کے تمام راستے منقطع ہو چکے تھے۔

ان شاندار فتوحات کے بعد برہان الدین نے دوبارہ نرگنڈ کے قلعے کی طرف توجہ دی، ونکٹ راؤ نے چند دن مقابلہ کیا، لیکن مرہٹوں کی پسپائی کے باعث اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ نرگنڈ کا قلعہ فتح کرنے کے بعد برہان الدین نے ونکٹ راؤ کے دوسرے حلیف راجوں اور پالی گاروں پر چڑھائی کر دی۔ اور کتھور، دودواد، خانہ پور، ہوسکوٹ، پادشاہ پور، اور جمبوٹی کے قلعے فتح کر لیے۔

قریباً اسی زمانے میں سلطان کی فوج کا ایک اور سالار حیدر علی بیگ کورگ کے نائروں کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا، کورگ کی مہم جس قدر اہم تھی اسی قدر مشکل تھی، یہ علاقہ مغربی گھاٹ کے ان پہاڑوں میں واقع ہے، جہاں سال میں چھ مہینے لگاتار بارش ہوتی ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں چشموں اور خوشنما جھیلوں کے علاوہ بانس، ساگوان، صندل، اور دوسرے درختوں کے گھنے جنگل تھے، جن میں جگہ جگہ شیروں اور چیتوں کے علاوہ ہاتھیوں کے ریوڑ دکھائی دیتے تھے، کہیں، کہیں وادیوں کے نشیب میں جنگلوں کی بجائے دھان کے کھیت اور پھل دار درختوں کے باغ نظر آتے تھے،

کورگ میں نائر قوم کے قد آور، سڈول اور صحت مند باشندے تہذیب و تمدن کے لفظ سے نا آشنا تھے۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی نیم عریاں لباسوں میں رہتی تھیں۔ ہمسایہ اضلاع کے بہت کم لوگ کورگ کے دشوار گزار پہاڑوں اور جنگلوں کا

رخ کرنے کی جرات کرتے تھے۔متمدن ہندوستان کے لیے اس علاقے کے باشندوں کی خوبصورتی، عریانی، اخلاقی بے راہ روی، وحشت اور بربریت کی داستانیں کوہ قاف کی پریوں اور جنوں کے قصوں سے مختلف نہ تھیں۔

میسور کی فوج نے ابتدا میں کورگ کے باغیوں کے خلاف چند کامیابیاں حاصل کیں۔لیکن دشوار گزار جنگلوں اور پہاڑوں میں باغیوں کا پلہ بھاری ہونے لگا، نائر اپنی خفیہ پناہ گاہوں سے نکل کر اچانک میسور کے لشکر کے عقب یا میمنہ اور میسرہ پر حملہ کرتی اور آن کی آن میں پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو جاتے۔ حیدر علی بیگ اس خطرناک مہم کے لیے نااہل ثابت ہوا، اور اس نے ایک گھنے جنگل میں دشمن کے پے در پے حملوں سے بدحواس ہو کر پسپائی اختیار کی۔

ان حالات میں سلطان ٹیپو کو بذات خود میدان میں آنا پڑا۔نائروں نے قدم، قدم پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن سلطان کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔سلطان نے زین العابدین مہدوی کو کورگ کا صوبیدار مقرر کیا، اور خود سرنگا پٹم لوٹ آیا۔اس عرصہ میں نانا فرنویس جسے نرگنڈ اور کورگ میں سلطان کی فتوحات نے بہت مضطرب کر دیا تھا۔سلطان کے خلاف مرہٹوں، نظام، اور انگریزوں کا متحدہ محاذ بنانے کی کوشش میں مصروف تھا۔اور اس کی افواج دریائے کرشنا کے کنارے جمع ہو رہی تھیں۔

ایک دن فرحت بالا خانے کے ایک کمرے میں بیٹھی اپنی خادمہ سے باتیں کر رہی تھی۔اچانک سیڑھیوں پر کسی کے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔اور آن کی آن میں ایک بارہ سال کا سانولے رنگ کا لڑکا کمرے میں داخل ہوا۔

خادمہ نے کہا منور تم کیسے نالائق ہو۔بی بی جی نے کتنی بار تمہیں سیڑھیوں پر

بھاگنے سے منع کیا ہے۔؟

منور نے خادمہ کو جواب دینے کی بجائے فرحت کی طرف متوجہ ہو کر کہا، بی بی جی آج ایک مہمان آئے ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کریم خاں نے ان کا گھوڑا اصطبل میں باندھ دیا ہے۔ اور میں انھیں دیوان خانے میں بٹھا آیا ہوں۔ انھوں نے آتے ہی بھائی جان انور علی، اور بھائی جان مراد علی کے متعلق پوچھا۔ میں نے جواب دیا کہ بھائی جان انور علی یہاں نہیں ہیں۔ اور مراد صاحب اس وقت مدرسے میں ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے دلاور خان اور صابر کے متعلق پوچھا، میں نے جواب دیا، کہ صابر مر چکا ہے۔ اور دلاور خان بھائی جان انور علی کے ساتھ گیا ہوا ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں بی بی جی کا نوکر ہوں فرحت نے کہا تم نے ان کا نام نہیں پوچھا؟

جی انھوں نے خود ہی کہا تھا، کہ بی بی جی سے میرا سلام کہو اور انھیں یہ بتاؤ کہ میرا نام اکبر خان ہے

فرحت کے لیے یہ خبر غیر معمولی تھی، وہ چند ثانیے بے حس حرکت بیٹھی رہی، اور پھر مضطرب سی ہو کر بولی، منور جاؤ انھیں اندر لے آؤ، اور نیچے کے بڑے کمرے میں بٹھا دو۔ منور بھاگتا ہوا نیچے اترا، لیکن نصف سے زیادہ سیڑھیاں طے کرنے کے بعد وہ اچانک رکا اور دبے پاؤں نیچے اترنے لگا۔

رہائشی مکان کی چاردیواری سے باہر نکل کر وہ دیوان خانے کے ایک کمرے مین داخل ہوا۔ اکبر خاں کسی گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا تھا، اس کی ٹھوڑی اور کنپٹیوں کے قریب داڑھی کے کچھ بال سفید ہو چکے تھے۔ لیکن چہرے پر ابھی تک جوانی کی دل کشی کے کچھ آثار ابھی باقی تھے۔

منور نے کہا، جناب بی بی جی آپ کو اندر بلاتی ہیں۔ اکبر خاں کچھ کہے بغیر اٹھا، اور منور کے ساتھ چل دیا، تھوڑی دیر بعد وہ رہائشی مکان کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور منور نے کہا جناب آپ تشریف رکھیں۔ میں بی بی جی کو اطلاع دیتا ہوں۔

منور باہر نکل گیا اور اکبر خاں ایک کرسی پر بیٹھ گیا، کمرے مین قالین کے اوپر شیروں اور چیتوں کی چند کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار کے ساتھ کھونٹیوں پر چند تلواریں اور بندوقیں ٹنگی ہوئی تھیں، دوسری دیوار کے ساتھ ایک خوبصورت تختی پر ایک خنجر اور دو پستول پڑے ہوئے تھے، باقی دو دیواروں کے ساتھ کتابوں کی الماریاں تھیں۔ اور یہ سب اس شخص کی یادگاریں تھیں، جو اکبر خاں کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز تھا، معظم علی کے ساتھ رفاقت کے زمانی کے ان گنت واقعات ایک، ایک کر کے اس کے سامنے آ رہے تھے، اس کی شہادت کی خبر سننے سے پہلے یہ بات کبھی اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی، کہ کسی دن وہ سرنگا پٹم جائے گا، اور وہاں معظم علی نہیں ہوگا۔ تنہائی، بے بسی کے ایک کرب انگیز احساس کے تحت اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

کمرے میں کسی کی آہٹ سنائی دی، اس نے آنکھیں کھولیں، فرحت ایک سفید چادر اوڑھے اس کے سامنے کھڑی تھی، بھائی اکبر السلام علیکم، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

اکبر جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اس نے سلام کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

فرحت نے دروازے کے قریب ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، اکبر بیٹھ جاؤ۔

وہ بیٹھ گیا۔ چند ثانیے دونوں خاموش رہے، بالآخر اکبر خان نے گردن اٹھائی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا،، بھابھی جان قدرت کی اس سے زیادہ ستم ظریفی کیا ہوسکتی ہے، کہ میں زندہ تھا، اور مجھے دو سال تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ میرا عزیز ترین بھائی اوراس کے دو جوان بیٹے شہید ہو چکے ہیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ پچھلے دنوں سرنگا پٹم کا ایک تاجر حیدر آباد گیا، اور وہاں اس کی ملاقات بلقیس کے ماموں جان سے ہوگئی، اورانھوں نے یہ خبر سنتے ہی مجھے خط لکھ دیا۔

فرحت نے آب دیدہ ہوکر کہا،، مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اطلاع نہ دے سکی، مجھے ان کی شہادت کے کئی ماہ تک اپنا ہی ہوش نہ تھا۔

اکبر نے کہا، بھابھی جان میں آپ سے شکایت نہیں کرتا، مجھے صرف اس بات کی ندامت ہے کہ میں آپ کے حالات سے اس قدر بے خبر رہا۔ بھائی جان کے ساتھ میرا رشتہ ایسا تھا کہ ان کے پاؤں میں کانٹا چبھتا تو مجھے کوسوں دور رہ کر بھی اس کا درد محسوس کرنا چاہیے تھا، مجھے آپ کے نوکر نے بتایا ہے کہ انور علی یہاں نہیں ہے۔ وہ کہاں گیا ہے۔

انور علی کسی مہم پر پانڈی چری گیا ہوا ہے۔

کیسی مہم؟

یہ مجھے معلوم نہیں، مین صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہاں اسے جو کام سونپا گیا ہے، اس کے لیے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی، جو فرانسیسی زبان جانتا ہو، اورانور علی نے یہ زبان فوجی مکتب کے ایک فرانسیسی استاد سے سیکھی تھی، تمھارا چھوٹا بھتیجا بھی فرانسیسی زبان جانتا ہے۔

مراد علی کب تک گھر آئے گا؟

وہ اب آہی رہا ہوگا۔

اکبر خان نے قدرے توقف کے بعد کہا، بھابھی جان صابر کب فوت ہوا۔؟

فرحت نے جواب دیا، وہ انور علی کے ابا جان کی شہادت سے کوئی پانچ ماہ بعد وفات پا گیا۔ بڑھاپے میں اس کے لیے یہ صدمہ نا قابل برداشت تھا۔ اسے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ اس نے ان کی قبر دیکھنے کے لیے بڈ نور جانے کی اجازت مانگی، ہم کچھ مدت اسے ٹالتے رہے، بالآخر میں نے اسے وہاں جانے کی اجازت دے دی، جب وہ واپس آیا تو اس کی صحت بہت خراب ہو چکی تھی۔ کوئی پندرہ دن بعد نوکر نے مجھے اطلاع دی کہ اس کی حالت بہت نازک ہے، میں نے جا کر دیکھا تو وہ وہاں بے ہوش پڑا تھا۔

میں نے نوکر کو طبیب کے پاس بھیجا۔ لیکن اس کے آنے سے پہلے وہ وفات پا چکا تھا۔

تم نے مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا؟ بلقیس، شہباز اور تنویر کیسے ہیں۔

وہ سب ٹھیک ہیں، بلقیس آپ کو بہت یاد کرتی ہے، شہباز اب جوان ہو چکا ہے، اور میں نے اپنے کئی فرائض اسے سونپ دیے ہیں، تنویر بھی اب چودہ سال کی ہو چکی ہے۔ میں نے اس کی منگنی اس کے خالہ کے لڑکے ہاشم بیگ کے ساتھ کر دی ہے۔ اس کی چھوٹی بہن ثمینہ کی عمر نو سال ہے، میں اسے کہا کرتا تھا کہ شہباز کے علاوہ اس کے چار بھائی اور بھی ہیں، اور وہ سرنگا پٹم میں رہتے ہیں، کبھی شہباز یا تنویر سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ یہ دھمکی دیا کرتی تھی، کہ میں اپنے سرنگا پٹم والے بھائیوں کے پاس چلی جاؤں گی۔ نماز کے بعد وہ ہمیشہ صدیق، مسعود، انور اور مراد کے لئے دعائیں کیا کرتی تھی، اور بار، بار مجھ سے یہ گلہ کیا کرتی تھی، کہ مین

انہیں اپنے گھر کیوں نہیں بلاتا، اور میں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ جب شہباز یا تنویر کی شادی ہو گی تو میں ان سب کو بلاؤں گا، ان کے ساتھ تمہارے چچا جان اور چچی جان بھی آئیں گے۔ بھائی جان کی شہادت کے متعلق شیخ فخر الدین کا خط ملنے سے پہلے وہ بڑی بے تابی کے ساتھ اپنی بہن اور بھائی کی شادی کا انتظار کیا کرتی تھی، اب جب میں اس طرف آ رہا تھا تو وہ میرے ساتھ آنے پر بضد تھی، اور میں نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں تمھاری چچی اور بھائیوں کو ساتھ لے کر آؤں گا،

فرحت نے کہا،، کاش میں وہاں جا سکتی۔

اکبر خاں نے کہا راستے میں ایک دن عطیہ کے ہاں ٹھہرا تھا، وہ بھی آپ کو بہت یاد کرتی تھی،

فرحت نے پوچھا، عطیہ کے بچوں کا کیا حال ہے۔

اکبر خان نے جواب دیا، ہاشم بیگ کے سوا اس کی کوئی اولاد نہیں۔ وہ بڑا ذہین اور خوش وضع نوجوان ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ دنیا میں کوئی اچھا کام کرے گا۔ لیکن طاہر بیگ نے اسے ادھونی کی فوج میں ملازم کروا دیا ہے۔

کمرے سے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی، اور فرحت نے کہا مراد آ گیا،،

مراد علی جو پندرہ سال کی عمر میں ہی پورا جوان معلوم ہوتا تھا، کمرے میں داخل ہوا اور حیران سا، اکبر خاں کی طرف دیکھنے لگا،

فرحت نے کہا بیٹا تم نے انھیں سلام نہیں کیا، یہ تمہارے چچا اکبر خان ہیں۔

چچا جان السلام علیکم، مراد علی یہ کہہ کر آگے بڑھا، اکبر خاں نے اٹھ کر اس کے ساتھ مصافحہ کیا، اور پھر دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے،

فرحت نے کہا بیٹا آج تم نے بہت دیر کردی۔

مراد علی نے جواب دیا، امی جان آج جب چھٹی ہونے والی تھی، تو برہان الدین اچانک مکتب کے معائینہ کے لیے وہاں آ گئے تھے، اس لئے ہمیں وہاں کچھ دیر رکنا پڑا،

اکبر خاں نے کہا مراد تمھاری تعلیم کب ختم ہوگی؟

مراد علی نے جواب دیا۔ چچا جان میں قریباً تین ماہ بعد مکتب سے فارغ ہو جاؤں گا۔ اور اس کے بعد تم کیا کرو گے؟

اس کے بعد میرے لیے فوج میں شامل ہونے کے سوا کچھ اور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے مکتب کے ہر فارغ التحصیل نوجوان کے لیے فوج میں شامل ہونا ضروری ہے،

ہاں چچا جان فوجی درس گاہ کے قیام کا مقصد ہی یہی ہے کہ فوج کو تربیت یافتہ افسر مہیا کیے جائیں۔ لیکن فوج میں شامل ہونے کے لیے ہر طالب علم کا فارغ التحصیل ہونا ضروری نہیں، اشد ضرورت کے وقت ہمیں تعلیم کے دوران میں بھی ہمیں فوجی خدمات کے لئے بلایا جا سکتا ہے، بعض لڑکے تعلیم میں مجھ سے پیچھے تھے، لیکن انہیں صرف اس لیے کمان مل گئی کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے، پچھلے دنوں ہمارے مکتب کے کئی طالب علم آخری امتحان سے پہلے ہی کورگ کے محاذ پر چلے گئے تھے، میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میری درخواست صرف اس لئے نامنظور ہوگئی تھی کہ میں عمر میں چھوٹا تھا۔

اکبر خان نے کہا مراد فرض کرو میں اگر تمہیں یہ مشورہ دوں کہ تمھارے لیے

ایک سپاہی بننے کی بجائے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا بہتر ہے،تو تم کیا جواب دو گے؟۔

مراد علی مسکرایا، میرے نزدیک سپاہی بننا پیشہ نہیں، بلکہ قوم کی خدمت ہے، چچا جان، ابا جان کہا کرتے تھے، کہ آپ پانی پت کے میدان میں ان کے ساتھ تھے، میں آپ سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن اس وقت مجھے تھوڑی دیر کے لیے باہر جانا ہے، میں ابھی آجاؤں گا،

تم کہا جا رہے ہو، بیٹا فرحت نے پوچھا۔

امی جان میں نیزہ بازی کے لیے جا رہا ہوں۔

منور کمرے میں داخل ہوا، اور اس نے کہا، جناب کریم خاں کہتا ہے کہ میں نے آپ کے گھوڑے پر زین ڈال دی ہے۔

مراد علی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا،

اکبر خان نے کہا بھابھی جان میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں،،، ،برا نہ مانیے گا۔آپ کا خاندان قوم کے لیے بڑی قربانیاں دے چکا ہے۔اب قوم کو یہ حق نہیں کہ آپ سے مزید قربانیوں کا مطالبہ کرے، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ سرنگا پٹم میں آپ کے بچے محفوظ نہیں۔آپ میرے پاس چلیں، مجھے یقین ہے کہ میں انور اور مراد کے لیے کئی اور دلچسپیاں تلاش کرسکوں گا، وہاں ان کے لئے نہایت اچھی زمین حاصل کی جا سکتی ہے،

فرحت نے کہا اکبر تم کیا کہہ رہے ہو، میں اس وطن کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں جس کی حفاظت کے لیے میرے شوہر اور میرے بیٹوں نے اپنا خون پیش کیا تھا۔

لیکن بھابھی جان اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔آخر یہ جنگیں کب ختم ہوں گی، کل تک سلطان انگریزوں کے ساتھ برسر پیکار تھا، اور آج وہ اندرونی بغاوتوں کا سامنا کر رہا

ہے۔اس کے بعد شاید نظام اور مرہٹے میدان میں نکل آئیں۔

فرحت نے کہ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ہماری جنگ ایک مقصد کے لئے ہے۔اس مقصد کے لئے جو تمہارے بھائی کو اپنی اور اپنے بیٹوں کی جان سے زیادہ عزیز تھا۔میں یہ گوارہ کرسکتی ہوں کہ میرے باقی دو بیٹے بھی اس مقصد پر قربان ہو جائیں، لیکن میں یہ گوارہ نہیں کروں گی کہ وہ زندہ رہنے کے لیے اس مقصد سے منحرف ہو جائیں۔

اکبرخان نے لاجواب سا ہو کر کہا، کبھی میں بھی زندگی کے اعلٰے اور ارفع مقاصد پر ایمان رکھتا تھا، لیکن ایک مدت سے میں اس نعمت سے محروم ہو چکا ہوں۔ مجھے آپ کے سامنے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ایک اندھا دوسروں کو راستہ نہیں دکھا سکتا، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

فرحت نے کہا بھائی مجھے تمہاری کوئی بات رنجیدہ نہیں کرسکتی، مجھے ان الم ناک واقعات کا علم ہے جن کے باعث تمہاری زندگی میں یہ انقلاب آیا تھا، تمھارے بھائی کو اس بات کا افسوس تھا، کہ تمھارا، راستہ ان سے الگ ہوگیا، لیکن اپنی دعاؤں میں وہ ہمیشہ تمھیں یاد کیا کرتے تھے، وہ یہ کہا کرتے تھے، کہ اکبرخاں نے زمانے کا جو انقلاب دیکھا ہے اس کے بعد اس کا زندگی کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو جانا میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔

اکبرخاں نے کہا بھابھی جان روہیل کھنڈ چھوڑنے کے بعد مجھے کبھی اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ میں زندہ ہوں، میں نے جنگلوں کو کاٹ کر سرسبز باغات اور لہلہاتے کھیت میں تبدیل کر دیا ہے، میں علی الصباح گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں، اور سارا دن اپنی زمین کی دیکھ بھال کرنے کے بعد گھر واپس آتا ہوں، میں نے

برسوں کی محنت کے بعد اپنے گاؤں میں عالی شان مکان تعمیر کیا ہے۔ میں نے اپنے ساتھ آنے والے پناہ گزینوں کی خوش حالی اور ترقی کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اور اب تک ان کی پانچ بستیاں آباد ہو چکی ہیں۔ وہ اس قدر آسودہ حال ہیں کہ اب انہیں روہیل کھنڈ کی یاد نہیں ستاتی، یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے میں نے بھائی جان سے الگ راستہ اختیار کیا تھا، مجھے اپنی کارگزاری پر مطمئن ہونا چاہیئے تھا، لیکن میں اسی طرح بے چین ہوں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے حصے کی تمام مسرتیں روہیل کھنڈ کی خاک میں دفن ہو چکی ہیں، مجھے ذرا ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے، جو لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے، اب وہ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ کبھی، کبھی میں اپنا محاسبہ کرتا ہوں، اور یہ عہد کرتا ہوں، کہ اب اپنے نوکروں یا قبیلے کے لوگوں پر سختی نہیں کروں گا، میں انتہائی غصے کی حالت میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن چند دن بعد میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔ کبھی، کبھی میرے دل میں یہاں آنے کی خواہش پیدا ہوتی تھی، اور میں یہ تصور کیا کرتا تھا کہ بھائی جان میری آمد کی اطلاع پا کر مسکراتے ہوئے مکان کے کسی کمرے سے نمودار ہونگے، اور مجھے گلے لگا لیں گے۔ پھر میری دنیا کی خاموش فضائیں قہقہوں سے لبریز ہو جائیں گی، لیکن عمل کی دنیا میں میرے ان حسین سپنوں کی کوئی تعبیر نہ تھی، کاش میں وفات سے پہلے انھیں ایک بار دیکھ لیتا، آج میری بے چارگی اور بے بسی اس بچے سے زیادہ ہے، جسے انھوں نے قید خانے کی ایک تاریک کوٹھری میں نئے حوصلوں اور ولولوں سے آشنا کیا تھا۔ اب وہ چراغ جس کی روشنی نے کبھی میرے دل میں بھیانک تاریکیوں سے لڑنے کی جرات پیدا کی، بجھ چکا ہے اور میں بھٹک رہا ہوں۔۔۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس ملک کے ظالم اور نا اہل حکمرانوں سے میرا آخری انتقام یہی ہو سکتا ہے،

کہ میں اپنی تلوار ہمیشہ کے لیے نیام میں ڈال لوں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری بغاوت ان حکمرانوں سے زیادہ اس اکبر خاں کے خلاف ہے، جس کا دل کبھی قوم کی خدمت کے جذبے سے لبریز تھا، اور جو پانی پت کے میدان میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکتا تھا، میں اس انسان کی امنگوں اور آرزوؤں کی لاش ہوں، جس کی رگوں میں خون کی بجائے بجلیاں دوڑتی تھیں، بہن مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

اکبر خان کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو جمع ہو رہے تھے۔

فرحت نے کہا، اکبر تمھیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری دعائیں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں،

منور کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا، بی بی جی مہمان کے لیے کھانا تیار ہے، لے آؤں

ہاں جلدی کرو

اکبر خان نے کہا۔ نہیں میں نے رستے میں کھانا کھالیا تھا۔ آپ نے یونہی تکلیف کی،

فرحت نے کہا تھوڑا بہت کھالو،

نہیں بھابھی جان میں تکلف نہیں کر رہا، میں واقعی کھا چکا ہوں۔ اب عصر کی نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ میں ذرا مسجد سے ہو آؤں۔

بہت اچھا منور تم ان کے ساتھ جاؤ

اکبر خاں کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ فرحت کو اس کی چال میں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی، وہ چلتے وقت ایک پاؤں پر ذرا زیادہ بوجھ ڈالنے کی

کوشش کر رہا تھا، وہ اس کی وجہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن پیشتر اس کے کہ وہ کوئی بات کرتی، اکبر خاں کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ ٥ ☆

تھوڑی دیر بعد جب اکبر خان نماز پڑھ کر واپس آیا، تو فرحت برآمدے مین ایک موڑھے پر بیٹھی ہوئی تھی، صحن عبور کرتے وقت اکبر اسی طرح لنگڑا رہا تھا فرحت نے کہا اکبر کیا بات ہے؟ تمھارے پاؤں میں کوئی تکلیف ہے؟

اکبر چند قدم سنبھل کر چلنے کے بعد برآمدے میں داخل ہوا، اور ایک مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے بولا، جی کچھ نہیں گذشتہ سال ایک لڑائی میں میری ٹانگ پر ایک گولی لگ گئی تھی۔ اب اگر میں کبھی زیادہ سواری کروں یا پیدل چلوں تو ٹانگ میں تکلیف ہو جاتی ہے،

تمھاری لڑائی کس کے ساتھ ہوئی تھی۔ مرہٹہ لٹیروں کے ایک گروہ نے مجھ پر حملہ کر دیا تھا، یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ میرا زندہ بچ نکلنا ایک معجزہ تھا۔ اگر اس دن میری چھوٹی بچی ثمینہ نہ ہوتی، تو آج آپ مجھے یہاں نہ دیکھتیں، روہیل کھنڈ سے ہجرت کے بعد میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو آباد کرنے کے لیے ادھونی کی سرحد پر ایک غیر آباد علاقہ حاصل کیا تھا۔ اس علاقے سے چند میل کے فاصلے پر ایک گھنا جنگل ہے، اور اس جنگل سے آگے ایک چھوٹا سا دریا ہے۔ جو ادھونی اور مرہٹہ سلطنت کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے۔ ادھونی کی حکومت کی طرف سے ہمیں اس بات کی اجازت تھی کہ ہم جتنا جنگل چاہیں آباد کر سکتے ہیں۔ اس جنگل میں کہیں کہیں بھیل لوگ آباد تھے، جو عام طور پر شکار پر گزارہ کیا کرتے تھے، مین نے ان لوگون میں کھیتی باڑی کا شوق پیدا کر کے انھیں کام پر لگا دیا۔ اور چند سال میں جنگل کاٹ کر بہت سی زمین آباد کر لی، میرے قبیلے کے لوگوں کی بستیون کے ارد گرد ان

بھیل کسانوں کے گلوں آباد ہو چکے تھے، جواب خوش حال انسانوں کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ایک دن سرحد پار کی مرہٹہ سردار کا ایلچی میرے پاس آیا، اور اس نے مجھے پیغام دیا۔ کہ اگر آپ لوگ اس علاقے میں امن کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں ہر سال اپنی آمدنی کا ایک چوتھائی ادا کرتے رہیں، یہ مطالبہ میرے نزدیک ایک گالی تھا، اور میں نے سردار کے ایلچی کو ڈانٹ ڈپٹ کر واپس کر دیا۔

چند ماہ بعد مجھے پتہ چلا کہ مرہٹہ سردار کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر بعض کسان مجھ سے بالا، بالا انھیں چوتھا حصہ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں، میں نے ایک دن علاقے کے تمام بھیل جمع کیے، اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ وہ مرہٹوں کو ایک کوڑی بھی ادا نہیں کریں گے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں نے ایک دن دریا عبور کر کے ان لوگوں کی چند بستیاں لوٹ لیں، اور چند مردوں اور عورتوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے، میں نے ان آدمیوں کو چھڑانے کے متعلق مرہٹہ سرداروں سے بات چیت شروع کی تو اس نے ایک بھاری رقم کا مطالبہ کیا، بھیل اپنے مال مویشی بیچ کر یہ رقم فراہم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔لیکن میں نے ایک رات تین سو آدمیوں کے ساتھ دریا عبور کیا، اور مرہٹہ سردار کے گاؤں پر حملہ کر دیا، سردار ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا۔اس کا ایک چھوٹا بھائی لڑائی میں مارا گیا، اور باقی دو بھائی، ایک بیٹا اور چند رشتے دار اور نوکر ہم نے زندہ گرفتار کر لیے۔اس کے بعد مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی، اور سردار نے اپنے آدمیوں کے بدلے ہمارے آدمی چھوڑ دیے۔اس کے بعد کافی دیر تک امن رہا، تاہم میں نے کسی غیر متوقع حملے کے پیش نظر اپنے مزارعین کو مسلح کر دیا۔اور اب بھیل جنھیں عام طور پر بزدل خیال کیا جاتا تھا، اچھے خاصے سپاہی بن چکے تھے، کئی بار مرہٹہ سردار نے اپنے ایلچی بھیج کر اس بات پر احتجاج کیا،

کہ میں ان لوگوں کو مسلح کرکے اس کے علاقے کے لیے خطرہ پیدا کر رہا ہوں

لیکن مین ہمیشہ اسے یہی جواب دیتا کہ جب تک تمہاری طرف سے کوئی شرارت نہیں ہوگی، یہ لوگ تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔

پچھلے سال میں نے اپنے گاؤں سے چند میل دور ایک نئی زمین آباد کرنے کے لئے جنگل کٹوانا شروع کیا، ایک صبح میں اور شہباز مزدوروں کے کام کی نگرانی کے لیے گھوڑوں پر سوار ہو کر گھر سے نکلے، گاؤں سے باہر ثمینہ بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ ہمارا، راستہ روک کر کھڑی ہوگئی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو، ثمینہ کو سواری کا بہت شوق تھا اور کبھی، کبھی جب کہیں نزدیک جانا ہوتا تو میں اسے اپنے ساتھ بٹھالیا کرتا ہوں، لیکن اس مرتبہ ہم دور جا رہے تھے، اور میں نے اسے بہت سمجھایا کہ تھک جاؤ گی۔ ایسے موقعہ پر آنسو اس کا سب سے خطرناک حربہ ثابت ہوا کرتے ہیں، چنانچہ شہباز نے اسے اپنے گھوڑے پر بٹھالیا، شام سے کچھ دیر پہلے ہم اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے کہ اچانک تھوڑی دور پر گھنے درختوں کی اوٹ سے ہم پر یکے بعد دیگرے چند فائر ہوئے، میرا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا، اور اس کے ساتھ ہی ایک گولی میری ٹانگ میں لگی، میں اپنی بندوق سنبھال کر پاس ہی ایک گرے ہوئے درخت کی آڑ میں لیٹ گیا، شہباز مجھ سے چند قدم آگے تھا، اس نے فوراً گھوڑا روکا، اور ثمینہ سمیت نیچے کود پڑا، ثمینہ اس کا اشارہ پا کر ایک جھاڑی کی اوٹ میں لیٹ گئی۔ اور وہ بھاگ کر میرے قریب آگیا، حملہ آور سامنے درختوں میں چھپے ہوئے تھے

اور مجھے یقین تھا کہ وہ اچانک باہر نکل کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اچانک ہمیں اپنے عقب سے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ثمینہ گھوڑے کی

زین کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی اور وہ پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا، میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ثمینہ گھر میں ایک چھوٹے سے ٹٹو پر سواری کیا کرتی تھی، لیکن اس کا گھوڑے پر سوار ہونا اور اسے اس طرح بھگانا میرے لئے ایک معجزہ تھا۔ ہمیں زیادہ دیر تک ثمینہ کے متعلق سوچنے کا موقع نہ ملا۔ درختوں کے جھنڈ سے اچانک گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ اور ہم نے جوابی فائر شروع کر دیے۔ پھر تھوڑی دیر بعد دشمن کی بندوقیں خاموش ہو گئیں۔ اور کسی نے بلند آواز میں کہا اکبر خاں اب تم بچ کر نہیں جاسکتے، اب لڑائی بے سود ہے۔ لیکن اگر تم ہتھیار پھینک دو تو تمہاری جان بچانے کا وعدہ ہم کرتے ہیں۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا اور دشمن نے دوبارہ گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ دشمن دن کی روشنی میں درختوں کی آڑ سے ہم پر حملہ نہیں کرے گا۔ لیکن شام کی تاریکی سے وہ پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

ثمینہ کے متعلق میرا یہی خیال تھا کہ وہ شاید خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئی ہے۔ لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ غروب آفتاب کے وقت میں نے شہباز سے کہا کہ تھوڑی دیر بعد تاریکی چھا جائے گی۔ اور تمہیں اس سے فائدہ اٹھا کر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں دشمن کو اپنی طرف متوجہ رکھوں گا۔ لیکن وہ ایسا مشورہ سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ پھر جب تاریکی چھا رہی تھی اور ہم یہ محسوس کر رہے تھے کہ دشمن اچانک درختوں کی آڑ سے نکل کر ہم پر حملہ کر دے گا۔ تو ہمیں دور سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ اور تھوڑی دیر میں ایک بستی کے اٹھارہ جوان ہماری مدد کو پہنچ گئے۔ یہ ثمینہ کا کارنامہ تھا۔ وہ ڈر کر نہیں بھاگی تھی۔ خدا معلوم اس کے دماغ میں یہ بات کیسے آ گئی کہ ہم زیادہ دیر دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

وہ قریب ترین بستی کے لوگوں کو خبر دار کرنا چاہتی تھی۔ لیکن راستے کی پہلی بستی میں وہ گھوڑا روک نہ سکی۔ اور جب وہ دوسری بستی آئی تو وہ سرکش گھوڑے کو روکنے کی بجائے دھان کے ایک کھیت میں کود پڑی اور اتنی دہائی مچائی کہ آن کی آن سارا گاؤں اس کے گرد جمع ہوگیا۔ بھائی جان وہ عجیب لڑکی ہے۔ تنویر کی یہ حالت ہے کہ وہ چھپکلی سے ڈرتی ہے۔ اور ثمینہ نے سات سال کی عمر میں کوئی دو گز لمبا سانپ مار ڈالا تھا۔

فرحت نے کہا۔ ''اچھا ان حملہ کرنے والوں کا پھر کیا بنا؟''

''وہ سواروں کو دیکھتے ہی بھاگے۔ ہم نے ان کا تعاقب کرکے دو آدمیوں کو مار ڈالا اور ایک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ یہ آدمی جن کی تعداد آٹھ تھی۔ سرحد پار سے مرہٹہ سردار نے مجھے قتل کرنے کے لیے بھیجے تھے۔''

فرحت نے پوچھا ''اور اب اس کے ساتھ تمہارے تعلقات کیسے ہیں؟''

''اس کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ادھونی کی حکومت کے احتجاج پر پونا کی حکومت نے مرہٹہ سردار سے سخت باز پرس کی تھی۔''

تیسرے روز فرحت صبح کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی، مراد علی کمرے میں داخل ہوا، اور کچھ دیر اس کے پاس کھڑا رہا، فرحت دعا سے فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئی، مراد علی نے کہا، امی جان چچا جان اکبر سفر کے لیے تیار ہیں۔ اور آپ سے رخصت کی اجازت چاہتے ہیں۔

اچھا انہیں اندر لے آؤ۔

مراد علی واپس چلا گیا اور فرحت کمرے سے نکل کر صحن میں آگئی، تھوڑی دیر بعد

اکبر خان اور مراد خان صحن میں داخل ہوئے۔

اکبر خان نے کہا اب مجھے اجازت دیجیے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں انور علی سے نہیں مل سکا۔ آپ مراد اور انور کو کسی دن میرے پاس بھیجنے کا وعدہ نہ بھولیں،

فرحت نے کہ اگر حالات نے اجازت دی تو میں انہیں ضرور بھیجوں گی،

اکبر خان نے گھٹی ہوئی آواز میں خدا حافظ کہا، اور مراد علی کے ساتھ چل پڑا۔

فرحت بے حس و حرکت کھڑی زندگی کی ان رنگینیوں کا تصور کر رہی تھی، جو ماضی کے دھندلکوں میں روپوش ہو چکی تھیں۔ اپنے شوہر کے ساتھ اکبر خان کی رفاقت کا زمانہ اسے ایک خواب معلوم ہوتا تھا۔

باہر دیوان خانے کے سامنے کریم خاں، اکبر خاں کے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ مراد کے اشارے سے وہ ان کے پیچھے چل دیا، ڈیوڑھی سے نکل کر تھوری دور سڑک پر چلنے کے بعد اکبر خان رکا، اور اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ مراد اب تمہیں آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ خدا حافظ۔

مراد علی نے اس کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا، چچا جان شہباز اور چچی جان کو میرا سلام کہیے۔

بہت اچھا اکبر خان نے یہ کہہ کر نوکر سے باگ پکڑی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

چچا جان: مراد علی نے جھجکتے ہوئے کہا۔ بہن تنویر اور ثمینہ کو بھی میرا سلام کہیے۔

اکبر خان نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا بہت اچھا خدا حافظ۔

خدا حافظ چچا جان

گھوڑا چند چھلانگیں لگانے کے بعد پاس ہی سڑک کے موڑ پر اوجھل ہو گیا۔

اور مراد علی کریم خان کے ساتھ واپس ہوگیا۔ جب وہ ڈیوڑھی کے قریب پہنچے، تو منور پوری رفتار سے بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ اور اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا بھائی جان مہمان چلے گئے۔ مراد نے جواب دیا ہاں لیکن تم اس قدر بدحواس کیوں ہو؟

منور نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ بھائی جان کریم ہمیشہ میرے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں جگا دوں گا۔

کریم خان نے کہا ارے میں نے تمہیں آواز دی تھی لیکن تم گدھے کی طرح خراٹے لے رہے تھے۔

منور نے فریادی ہو کر کہا بھائی جان یہ جھوٹ بولتا ہے میں کبھی خراٹے نہیں لیتا۔

مراد علی نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ مہمان کے ساتھ تمہارا کیا کام تھا؟

جی میں انہیں سلام کرتا۔ دیکھیے کل انھوں نے مجھے ایک مُہر دی تھی۔ یہ خالص سونے کی ہے۔

میں نے بی بی جی کو بھی دکھائی تھی، کریم بخش مجھ سے جلتا تھا اس لئے مجھے نہیں جگایا، منور نے اشرفی نکال کر انور علی کو دکھائی۔ کریم خاں نے جلدی سے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو اشرفیاں نکال کر منور کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ اب مجھے جلنے کی کیا ضرورت تھی۔ خاں صاحب تم سے پہلے مجھے دو مہریں دے چکے ہیں۔ اور چوکیدار کو بھی ایک مہر دے گئے ہیں۔

منور نے منھ بسور کر اشرفی اپنی جیب میں ڈالی اور مراد علی ہنستا ہوا ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا۔

دوسرا باب

ایک دوپہر پانڈی چری کی بندرگاہ پر لوگوں کا ہجوم ایک فرانسیسی جہاز سے اترنے والے مسافروں کا خیر مقدم کر رہا تھا، جہاز کے ملاح اور بندرگاہ کے مزدور سامان اتارنے میں مصروف تھے، اور چند سپاہی تماشائیوں کو بندرگاہ کے احاطے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جہاز کا کپتان ایک طرف کھڑا چند فرانسیسی حکام سے اور فوجی افسروں سے باتیں کر رہا تھا، اور اس کے پاس ہی ایک سائبان کے نیچے ایک محرر میز لگائے بیٹھا تھا۔ اور اس کے ساتھ چند حبشی اور یورپین، جن میں سے بعض کے لباس نکبت اور افلاس کے آئینہ دار تھے، ایک نصف دائرہ میں کھڑے تھے۔ محرر کی کرسی کے دائیں اور بائیں دو نوجوان جو اپنے لباس سے پانڈی چری کی بجائے میسور کی فوج کے سپاہی معلوم ہوتے تھے، کھڑے تھے، ایک دراز قامت اور خوش وضع نوجوان تماشائیوں کے ہجوم میں اپنا راستہ صاف کرتا ہوا آگے بڑھا، اور محرر اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا،

نوجوان نے ایک ثانیہ کے لئے سائبان میں جمع ہونے والے آدمیوں کی طرف دیکھا، اور پھر محرر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا، اس جہاز پر صرف یہی آدمی آئے ہیں۔

جی ہاں جہاز کے کپتان نے مجھے بتایا ہے کہ اگلے مہینے مریشس سے دوسرا جہاز آئے گا۔

ان گیارہ آدمیوں میں سے پانچ یورپین اور باقی افریقی ہیں۔ خدا معلوم جہاز کا کپتان انہیں کہاں سے پکڑ لایا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی فوجی تجربہ نہیں رکھتا۔

نوجوان ان آدمیوں کی طرف متوجہ ہوا اور فرانسیسی زبان میں بولا۔ ’’ ہمیں میسور کی فوج کے لیے بہترین آدمی درکار ہیں۔ میں تمہاری حوصلہ شکنی نہیں کرنا چاہتا لیکن تم میں سے کسی کو اگر یہ غلط فہمی ہے کہ میسور کی فوج بے کار لوگوں کی جائے پناہ ہے تو یہ غلط فہمی ابھی سے دور ہو جانی چاہیے۔

میسور کی فوج میں شامل ہونے سے پہلے تمہیں ابتدائی تربیت کے انتہائی صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ تم میسور کے حکمران کو ہر اچھے سپاہی کا بہترین قدر دان پاؤ گے۔ ابتدائی تربیت کے لیے تمہیں چند ہفتے یہاں رہنا پڑے گا۔ اس کے بعد جو لوگ فوجی خدمت کے قابل سمجھے جائیں گے انہیں میسور بھیج دیا جائے گا اور باقی کو ایک ماہ کی زائد تنخواہ دے کر واپس کر دیا جائے گا۔‘‘

پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ آپ کی بہترین توقعات پوری کر سکیں گے۔ یہ سیر و تفریح کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے ایک نئی زندگی کی تلاش میں آئے ہیں‘‘۔

نوجوان نے مڑ کر دیکھا تو اس کے پیچھے جہاز کا عمر رسیدہ کپتان اور چند فرانسیسی افسر کھڑے تھے۔

’’موسیو فرانسسک‘‘! نوجوان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

کپتان فرانسسک نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ’’ انور علی مجھے تمہاری توقع نہ تھی تم کب سے یہاں ہو؟‘‘

ایک فرانسیسی افسر نے کہا۔ ’’ آپ ایک دوسرے کو کب سے جانتے ہیں‘‘

انور علی نے جواب دیا۔ ’’ کپتان فرانسسک سرنگا پٹم کی فوجی درس گاہ میں

ہماری اُستاد رہ چکے ہیں۔میں نے فرانسیسی زبان انہی سے سیکھی تھی۔"

کپتان فرانسسک نے پوچھا۔"آپ کے والد اور بھائیوں کا کیا حال ہے؟"

انور علی نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔"بھائی صدیق، مسعود اور ابا جان بڈ نور کی جنگوں میں شہید ہو گئے تھے۔مراد سرنگا پٹم میں تعلیم پا رہا ہے۔

"مجھے افسوس ہے۔" کپتان فرانسسک نے مغموم لہجے میں کہا۔" معظم علی میرے بہترین دوست تھے۔"

انور علی نے قدرے توقف کے بعد کہا۔"آپ پانڈی چری میں کتنے دن قیام کریں گے؟"

"میں یہاں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہروں گا مجھے آپ سے بہت باتیں کرنی ہیں۔آپ کا قیام کس جگہ ہے؟"

انور علی نے بندرگاہ سے کوئی ڈیڑھ سو قدم دور چند خیموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"وہ میرا کیمپ ہے۔ اگر آپ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں تو مجھے بہت خوشی ہو گی۔"

ایک فوجی افسر نے کہا۔"کھانے پر یہ نہیں آسکیں گے۔آج رات گورنر کے ہاں دعوت ہے۔"

فرانسسک نے کہا۔" اگر آپ سو نہ گئے تو گورنر کی دعوت سے فارغ ہوتے ہیں میں آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

انور علی مسکرایا۔" میرے سو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ ضرور تشریف لائیے۔"

"میں ضرور آؤں گا۔مجھے آپ کے ساتھ ایک ضروری کام بھی ہے۔"

☆☆

رات کے گیارہ بجے انور علی نے کپتان فرانسسک کی آمد سے مایوس ہو کر سونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ دلاور خان خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔'' جناب کپتان صاحب آ گئے ہیں۔''

انور علی اپنی کرسی سے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا کپتان فرانسسک ایک اور آدمی کے ساتھ اوپر کھڑا تھا اس نے آگے بڑھ کر انور علی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا میرا خیال تھا کہ آپ سو گئے ہوں گے گورنر کی دعوت پر مجھے چند پرانے دوست مل گئے اور ان کے ساتھ باتوں میں بہت دیر لگ گئی، پھر آپ کے پاس آنے سے پہلے میرا اپنے جہاز پر جانا بھی ضروری ہے۔

انور علی نے کہا میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید آپ اس وقت نہ آئیں پہلے اند بیٹھتے ہیں۔

کپتان فرانسسک انور علی کے ساتھ خیمے میں داخل ہوا لیکن اس کا ساتھی تذبذب کی حالت میں اپنی جگہ گھڑا رہا۔فرانسسک نے مڑ کر باہر جھانکتے ہوئے کہا لیگرانڈ آؤ تم باہر کیوں کھڑے ہو؟

کپتان کا ساتھی خیمے کے اندر داخل ہوا وہ کوئی بیس سال کا دبلا پتلا نوجوان تھا اس کے خدوخال میں ایک غیر معمولی جاذبیت تھی تاہم اس کی جھکی ہوء گردن اور مغموم اداس اور ملتجی نگاہیں کسی جسمانی اور ذہنی اذیت کا پتہ دے رہی تھیں۔

فراسسک نے انور علی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا بھیا بیٹھ جاؤ تمھارے لئے یہ خیمہ میرے جہاز سے زیادہ محفوظ ہے

پھر وہ انور علی کی طرف متوجہ ہوا پانڈی چری پہنچ کر میرے لئے سب سے بڑا

مسئلہ اس نوجوان کے لئے جائے پناہ تلاش کرنا تھا۔

انور علی نے کہا اگر کوئی خطرہ ہے تو میں انہیں اسی وقت سرنگا پٹم بھیجنے کا انتظام کرسکتا ہوں۔

فرانسسک نے کہا اگر اسے صرف سرنگا پٹم بھیجنے کا سوال پیدا ہوتا تو میرے لئے کوئی پریشانی کی بات نہ تھی لیکن بعض وجوہات کے باعث اسے کچھ عرصہ یہیں رہنا پڑے گا۔ پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ اسے اپنے کسی فرانسیسی دوست کے پاس چھوڑ دوں گا پانڈی چری کی فوج کے کئی افسر ایسے ہیں جن کے ساتھ میرے ذاتی تعلقات ہیں لیکن پیرس کی پولیس اسے تلاش کر رہی ہے اور کوئی فرانسیسی اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے بغیر اس کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکے گا۔

اسے ایک لڑکی کے انتظار کیلئے یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ اور جب وہ یہاں پہنچ جائے گی تو یہ اس کے ساتھ میسور چلا جائے گا یہ کچھ عرصہ پیرس کے فوجی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر چکا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس کے لیے سلطان ٹیپو کی فوج کے یورپین دستے میں کوئی معقول عہدہ حاصل کرنا مشکل نہ ہوگا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت آپ اسے اپنے ایک نجی ملازم کی حیثیت سے یہاں رکھیں۔ ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا باپ میرا دوست تھا۔ کہیں آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں کسی عادی مجرم کو آپ کی پناہ میں دینا چاہتا ہوں۔ میری نظر میں یہ بالکل بے گناہ ہے۔ اور جو واقعات اسے پیش آئے ہیں، وہ فرانس میں ہر شریف آدمی کو پیش آسکتے ہیں۔

انور علی نے کہا۔ ”میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ انہیں میری اعانت کا مستحق سمجھتے ہیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آخری دم تک ان کی حفاظت کروں گا

اور یہ ایک ملازم کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک دوست کی حیثیت میں میرے پاس رہے گا۔"

فرانسسک نے نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ پیرس کی پولیس تمہیں یہاں تک تلاش کرے گی۔لیکن پھر بھی تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیے یہاں اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ میل جول رکھنا تمھارے لئے مفید نہ ہوگا تمہیں ہر وقت یہی محسوس کرنا چاہیے کہ اس خیمے سے باہر تمہارے لئے ہر جگہ غیر محفوظ ہے اور اس کے بعد میسور پہنچ کر بھی تمہارے لئے یہی بہتر ہوگا کہ تم اپنا اصلی نام کسی پر ظاہر نہ کرو۔

انور علی نے کہا انہیں یہاں کے کسی آدمی نے آپ کے سات آتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟

نہیں، یہاں پہنچ کر میں نے اسے جہاز سے باہر جھانکنے کی بھی اجازت نہیں دی اور اب بھی جب بندرگاہ کے پہرے داروں نے اسے میرے ساتھ آتے دیکھا ہے وہ یہی سمجھتے ہوں گے کہ یہ میرے ملاحوں میں سے ایک ہے راستے میں جہاز کے مسافروں کو بھی اس کے متعلق یہی معلوم تھا کہ یہ جہاز کے عملہ سے تعلق رکھتا ہے خدا کا شکر ہے کہ بندرگاہ پر آپ سے ملاقات ہوگئی ورنہ اس کے متعلق بہت پریشان تھا

انور علی نے نوجوان سے مخاطب ہو کر کہا دیکھیے پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔

نوجوان نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ انور علی کی طرف دیکھا اور کہا مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوگی۔

کپتان فرانسسک نے کہا اب میں میسور کے متعلق آپ چند باتیں کرنا چاہتا ہوں آج گورنر کی دعوت پر قریباً تمام وقت کورگ اور نرگنڈ میں سلطان ٹیپو کی فتوحات ہماری گفتگو کا موضوع بنی رہی اور میں بڑی شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا رہا کہ مجھے کسی قیمت پر میسور پر کی ملازمت چھوڑنی نہیں چاہیے تھی مجھے ماریشیش پہنچ کر حیدر علی کی وفات کی اطلاع ملی تھی اور میں فرانس جانے کی بجائے واپس آنا چاہتا تھا لیکن ماریشش میں ایک طویل علالت کے باعث میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی علالت کے ایام میں میری تمام دلچسپیاں میسور کی عزت اور آزادی میری عزت اور آزادی ہے میں میسور کی فوج کی ہر شکست کو اپنی شکست اور ہر فتح کو اپنی فتح سمجھتا تھا پھر جب میں مارسیلز پہنچا تو وہاں ہر مجلس میں ٹیپو کی فتوحات کے چرچے ہو رہے تھے جن لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ میں میسور کی حکومت کا ملازم رہ چکا ہوں وہ مجھ سے عجیب و غریب سوالات کرتے تھے۔ٹیپو کیسا ہے؟_____ اس کی عمر کیا ہے؟_____ اس کے چہرے کے خدو خال کیسے ہیں؟_____ تم نے کبھی اسے قریب سے دیکھا ہے؟_____ کبھی اس کے ساتھ بات کی ہے؟_____ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں ٹیپو کو اس وقت سے جانتا ہوں جب انہوں نے میسور کی فوج میں اپنا پہلا عہدہ سنبھالا تھا

اور میں ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں جنہیں ہر مہینے دو چار مرتبہ ان سے مصافحہ کرنے اور ہمکلام ہونے کا موقع ملتا تھا اور وہ مجھ سے فرانس کی تاریخ اور فرانس کے جغرافیہ کے متعلق بے شمار سوال پوچھا کرتے تھے،تو سننے والوں کو میری باتوں کا یقین نہ آتا تھا مجھے بہت جلد واپس جانا ہے ورنہ میں سلطان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔آج گورنر کے ساتھ گفتگو کے دوران میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ

مرہٹے اور نظام میسور کے خلاف متحد ہو رہے ہیں اور اگر سلطان کو کئی محاذوں پر لڑنا پڑے گا مجھے یقین ہے کہ صلح نامہ منگلور کے بعد بھی میسور کے خلاف انگریزوں کے جارحانہ عزائم مین کوئی فرق نہیں آیا وہ اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینے کیلئے صرف موزوں وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

انور علی نے کہا۔ "ہمیں انگریزوں کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے نظام اور مرہٹوں کی اعانت کی امید پر جنگ شروع کی تھی۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ معاہدہ منگلور کے بعد میسور کے خلاف جتنی سازشیں ہوئی ہیں اُن سب میں انگریز، نظام اور مرہٹے برابر کے حصہ دار ہیں۔ لیکن ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر نظام اور مرہٹوں نے انگریزوں کی شہ پر جنگ شروع کی تو ہم انگریزوں کے میدان میں آنے سے پہلے ہی انہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ انگریز منگلور اور بدنور کی جنگوں میں اس قدر مفلوج ہو چکے ہیں کہ انہیں دوبارہ میدان میں آنے کے لیے کافی عرصلہ لگے گا اور ہم جنگ کو طول دے کر انہیں تیاری کا موقع دینے کی غلطی نہیں کریں گے۔ سرِ دست سلطان معظم، نظام اور مرہٹوں کو جنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے ہمارے لیے جنگ کے سوا کوئی راستہ باقی نہ چھوڑا تو آپ دیکھیں گے کہ نظام اور نانا فرنویس اس دن کو اپنی تاریخ کا منحوس ترین دن خیال کریں گے۔ جب انہوں نے انگریزوں کی اعانت کی امید پر میسور سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمارے فرانسیسی حلیفوں نے ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اگر منگلور کی جنگ کے ایام میں فرانسیسی فوج ہم سے علیحدہ نہ ہو جاتی تو آج ہمیں ان حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا"

کپتان فرانسسک نے کہا۔ ''میں اس مسئلہ میں فرانس کی وکالت نہیں کروں گا یہ ایک ایسی غلطی تھی جس پر مستقبل کے مورخ ہمیں ہمیشہ ملامت کرتے رہیں گے۔''

انور علی نے کہا۔ ''لیکن اب بھی فرانس اگر حقیقت پسندی کا ثبوت دے تو سابقہ غلطیوں کی تلافی ہوسکتی ہے۔''

فرانسسک نے جواب دیا۔ ''کاش آپ کو فرانس کے حالات کا صحیح علم ہوتا۔ انگریزوں کے ساتھ ہماری صلح کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم ان کی امن پسندی کے قائل ہو گئے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے۔ آج فرانس کے اندرونی حالات اس قابل نہیں کہ وہ اپنی خارجہ سیاست کے میدان میں کوئی حقیقت پسندانہ قدم اٹھا سکے۔ اگر میں سلطان ٹیپو کی خدمت میں حاضر ہوسکتا تو میں غیر مبہم الفاظ میں اپنی موجودہ حکومت کی ان کمزوریوں کا اعتراف کرتا جن کے باعث ہم اپنے حلیفوں کو کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ فرانس کا ہر باشعور آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ مشرق میں صرف میسور ایک ایسی قوت ہے جو انگریزوں کی جارحیت کا مقابلہ کرسکتی ہے لیکن کاش ایسے لوگوں کی آواز ہمارے حکمرانوں کو متاثر کرسکتی! میں موجودہ حالات میں فرانس کے مستقبل سے مایوس ہوچکا ہوں لیکن میسور کے مستقبل سے مایوس نہیں ہوا۔ میرے ہم خیال لوگ اپنی بساط کے مطابق اس بات کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں۔ کہ فرانس ہندوستان میں سلطان ٹیپو کا پورا پورا ساتھ دے لیکن کاش وہاں بھی کوئی حیدر علی یا ٹیپو ہوتا۔''

انور علی مسکرایا۔ ''آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے ایک بڑا آدمی ایک بڑی احتیاج کی پیداوار ہوتا ہے۔''

کپتان فرانسسک کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔"خدا خیر کرے کہ فرانس کو سلطان ٹیپو جیسا رہنما مل جائے۔ اور جب میں دوسری بار یہاں آؤں تو آپ کو یہ خوش خبر دے سکوں کہ میرے پیچھے ایک عظیم ترین جنگی بیڑا آرہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں چند بیکار آدمی اپنے ساتھ لایا ہوں۔ آپ کو یقیناً مایوسی ہوئی گی۔"

انور علی نے جواب دیا۔"میں سلطان ٹیپو کا سپاہی ہوں اور مایوسی میرے نزدیک ایک گناہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ان آدمیوں کو کارآمد بنا سکیں گے۔"

لیکن میں حیران ہوں کہ اس کام کے لیے آپ کو کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ آپ کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جانی چاہیے تھی۔ اور پھر آپ کے لیے پانڈی چری کی بجائے مغربی ساحل کی کسی بندرگاہ سے اسلحہ اور سپاہی حاصل کرنا آسان ہے۔"

"ہم باہر سے جو اسلحہ منگواتے ہیں وہ تو عام طور پر منگلور کی بندرگاہ پر ہی اترتا ہے۔ میں درحقیقت پانڈی چری میں اپنی حکومت کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ یہاں پہنچ کر مجھے چند ایسے یورپین مل گئے جو روزگار کی تلاش میں بھٹک رہے تھے اور میں نے انہیں چند دن فوجی تربیت دے کر میسور بھیج دیا۔ اس کے بعد مجھے حکم آیا کہ میں باقاعدہ بھرتی کا ایک دفتر کھول دوں۔ اور میں اس بات پر خوش ہوں کہ مجھے بیکاری کے دن گزارنے کے لیے ایک مشغلہ مل گیا ہے۔ مجھے کورگ کے محاذ سے یہاں بھیجا گیا تھا اور ذاتی طور پر میں اس بات پر خوش نہ تھا۔ لیکن میرے یہاں بھیجے جانے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں فرانسیسی زبان جانتا تھا اور دوسری یہ کہ کورگ کی چند جنگوں میں مَیں نے بے احتیاطی یا ضرورت سے زیادہ جرات کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک دن سپہ سالار برہان الدین نے مجھے بُلا کر کہا کہ کورگ کی جنگ اب قریباً ختم ہو چکی ہے

اور میری یہ خواہش ہے کہ تم اس سے زیادہ اہم معرکوں میں حصہ لینے کے لیے زندہ رہو۔ سلطان کسی ذہین آدمی کو پانڈی چری بھیجنا چاہتے ہیں اور میں نے تمھارا نام پیش کر دیا ہے ـــــ مجھے یہاں آکر بہت مایوسی ہوئی ہے۔ پانڈی چری کے گورنر سے لے کر معمولی افسر تک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزوں کے عزائم کے متعلق ہمارے خدشات صحیح ہیں اور جب جنگ کے لیے ان کی تیاریاں مکمل ہو جائیں گی تو معاہدہ وارسیلز کی حیثیت ردی کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن جب فرانس اور میسور کے درمیان عملی تعاون کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے تو ان سب کا یہی جواب ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ہم بے بس ہیں۔ جب تک انگریزوں کی طرف سے پہل نہیں ہوتی، فرانس کی حکومت معاہدہ وارسیلز کی خلاف ورزی نہیں کرے گی۔"

فرانسسک نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ فرانس کی حکومت انگریزوں کی طرف سے پہل کے بعد بھی دیکھو اور انتظار کرو۔" کی پالیسی پر کاربند رہے گی۔ میں نے آج گورنر کے ساتھ باتوں میں اندازہ لگایا ہے کہ وہ سلطان ٹیپو کے ساتھ تعاون کے پُرزور حامی ہیں۔ لیکن فرانس کے اندرونی حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ آپ کو وہاں سے کسی امداد کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔"

انور علی اور کپتان فرانسسک قریباً دو گھنٹے مختلف موضوعات پر باتیں کرتے رہے۔ بالآخر کپتان فرانسسک نے اٹھتے ہوئے کہا۔" اب بہت زیادہ دیر ہوگئی ہے مجھے اجازت دیجیے اگر فرصت ملی تو میں کل دوبارہ ملنے کی کوشش کروں گا۔"

انور علی اُٹھ کر کپتان فرانسسک کے ساتھ خیمے سے باہر نکلا اور لیگرانڈ بھی ایک ثانیہ توقف کے بعد اُن کے پیچھے ہولیا۔ خیمے سے باہر نکل کر کپتان فرانسسک

نے کہا۔" آپ آرام کیجیے۔"

انور علی نے کہا۔"میں بندرگاہ تک آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"نہیں" اس تکلف کی ضرورت نہیں، آپ آرام کریں"۔

دو پہرے دار چند قدم دور کھڑے تھے۔ انور علی نے ان میں سے ایک کو کپتان فرانسسک کے ساتھ بندرگاہ تک جانے کا حکم دیا۔

فرانسسک نے یکے بعد دیگرے انور علی اور لیگر انڈ سے مصافحہ کیا اور پہرے دار کے ساتھ چل دیا۔

"آیئے! انور علی نے لیگر انڈ کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔"

جب وہ واپس خیمے میں داخل ہوئے تو انور علی نے کہا۔"دیکھیے اس وقت آپ کے لیے علیحدہ خیمہ نصب کرنے میں دیر لگے گی۔ اس لیے آج رات آپ کو میرے ساتھ گزارہ کرنا پڑے گا۔"

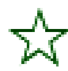
لیگر انڈ نے جواب دیا۔"مجھے علیحدہ خیمے کی ضرورت نہیں اور میں آپ کو بھی تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں آپ کے کسی نوکر کے ساتھ گزارہ کرلوں گا۔"

"نہیں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

انور علی نے دلاور خاں کو ایک اور بستر لانے کو کہا اور تھوڑی دیر بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے قریب لیٹ گئے۔ انور علی کو لیگر انڈ کے ساتھ پہلی ملاقات میں جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا وہ اس کی کرب انگیز خاموشی تھی۔ اس نے کہا۔" موسیو! مجھے یہ معلوم نہیں کہ پیرس میں آپ پر کیا بیتی ہے لیکن میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ یہاں آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ اب آپ اطمینان سے سو جائیں مجھے یقین ہے کہ پانڈی چری کی حکومت عام حالت میں آپ پر کوئی خاص

توجہ نہیں دے گی۔لیکن اگر کوئی فوری خطرہ پیش آیا تو میں آپ کو یہاں سے کسی محفوظ جگہ پہنچا دوں گا۔‘‘

تشکر اور احسان مندی کے جذبات لیگرانڈ کے سینے میں مچل کر رہ گئے۔وہ صرف اتنا کہہ سکا۔’’موسیو! آپ بہت رحمدل ہیں۔‘‘



تیسرے دن کپتان فرانسک کا جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ لیگرانڈ کی شخصیت انورعلی کے لیے ایک معمے سے کم نہ تھی۔اس نے اپنی زندگی میں اتنا کم گو نوجوان نہیں دیکھا تھا۔وہ اس کے ساتھ باتیں کرنے کی کوشش کرتا لیکن لیگرانڈ اس کے ہر سوال کا مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ اسکی مغموم صورت دیکھ کر انورعلی کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا ہوتے مگر اسے زیادہ پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

ایک دن آدھی رات کے قریب انورعلی اپنے خیمے میں شور سن کر گہری نیند سے بیدار ہوا۔لیگرانڈ خواب کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔ ''یہ مر چکا ہے۔۔۔میں بے قصور ہوں۔۔میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔۔۔تم ظالم ہو۔۔۔خدا کے لیے مجھے میرے اسکول لے چلو۔۔جین جلدی کرو۔ہم یہاں سے نکل چلیں۔۔وہ آرہے ہیں ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ جلدی کرو۔بھاگو! بھاگو!!۔''

دلاور خاں مشعل ہاتھ میں لیے خیمے میں داخل ہوا۔ انورعلی نے لیگرانڈ کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا اور اس کی حرکات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خوفناک عفریت کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہا ہے۔ انورعلی جلدی سے اٹھ کر آگے بڑھا اور لیگرانڈ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑنے لگا۔ لیگرانڈ نے آنکھیں کھولیں اور ٹکٹکی باندھ کر انورعلی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بڑی تیزی سے سانس لے رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' انورعلی نے کہا۔'' تم ٹھیک ہو نا؟'' پھر وہ دلاور خاں کی طرف متوجہ ہوا۔''دلاور خاں تم بھاگ کر فرانسیسی فوج کے کمانڈر کے پاس جاؤ اور اسے کہو

کہ مجھے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" نہیں نہیں موسیو، میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے ڈاکٹر کی ضرورت نہیں میں ایک بھیانک سپنا دیکھ رہا تھا، مجھے صرف پانی منگوا دیجیے۔"

انور علی نے دلاور خاں کو پانی لانے کے لیے کہا اور اس نے خیمے کے اندر پڑی ہوئی ایک صراحی سے کٹورا بھر کر لیگرانڈ کو پیش کر دیا۔ لیگرانڈ نے ہانپتے کانپتے پانی کا کٹورا حلق میں اُنڈیل لیا۔ اور انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" موسیو میں بہت شرمسار ہوں، میں نے آپ کو بہت تکلیف دی ہے۔"

انور علی نے کہا۔" مجھے صرف اس بات کا ملال ہے کہ میں تمہاری تکلیف میں حصہ دار نہیں بن سکتا۔ میں نے عمداً تمہارا راز دار بننے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہیں کسی ایسے دوست کی ضرورت ہے جو تمہارے دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ جین کون ہے؟"

لیگرانڈ نے جواب دیا۔" موسیو! اگر میں نے آپ سے اپنا کوئی راز چھپانے کی کوشش کی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے آپ پر اعتماد نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے آپ کو پریشان کرنا گوارا نہ تھا۔ اب آپ اطمینان سے اپنے بستر پر لیٹ جائیے میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا۔"

انور علی نے دلاور خاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" دلاور خاں جاؤ تم آرام کرو۔"

دلاور خاں چلا گیا اور انور علی اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر خیمے کے اندر خاموشی طاری رہی بالآخر لیگرانڈ نے اپنی سرگزشت شروع کی۔" موسیو انور علی! قدرت نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے، میں آپ کو اپنی سرگزشت سناتا ہوں، میرا

اصلی نام لیمرٹ ہے، میں مارسیلز اور پیرس کے درمیان ایک چھوٹے سے شہر میں پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ فرانس کی بحریہ کے ایک جہاز کا کپتان تھا۔ جب میں دس سال کا ہوا تو میرے باپ کو ایک مہم کے ساتھ ہندوستان آنا پڑا۔ والد کے آنے سے قریباً ایک سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ گھر میں اب صرف میری ایک بہن تھی جو مجھ سے آٹھ سال بڑی تھی۔ ابا جان اڑھائی سال کے بعد واپس آئے۔ ہندوستان میں کسی جنگ میں زخمی ہونے کے باعث ان کا ایک بازو بیکار ہو چکا تھا۔ واپس آتے ہی انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور جو روپیہ انہوں نے ملازمت کے زمانے میں جمع کیا تھا اس سے ایک سرائے خرید لی۔ مارسیلز اور پیرس کے درمیان آنے جانے والے مسافروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اور ہمارے لیے سرائے کا کاروبار کافی سودمند ثابت ہوا۔ چند سال بعد میرے ابا شہر کے امیر ترین آدمیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ سرائے کے اندر مسافروں کے لیے چند نئے کمروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ میری بہن کی شادی فوج کے ایک لیفٹیننٹ کے ساتھ ہو چکی تھی اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ مریشس جا چکی تھی۔ میں پیرس کے نزدیک ایک فوجی اسکول میں داخل ہو چکا تھا۔ میرے ابا کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں فرانس کی فوج میں کوئی بڑا عہدہ حاصل کروں اور میں بھی اپنے مستقبل کے متعلق کم پُر امید نہ تھا۔ لیکن آج میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک انسان سپنے دیکھ سکتا ہے مگر سپنوں کی تعبیر اس کے اختیار میں نہیں ہوتی۔

میں موسمِ سرما کی تعطیلات میں گھر آیا ہوا تھا۔ گھر پر فرصت کے وقت میں سرائے کے کاروبار میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ میری چھٹی میں کوئی دس دن باقی تھے کہ ایک صبح ایک بگھی سرائے کے دروازے پر آ کر رکی۔ ابا جان ابھی گھر سے

نہیں آئے تھے۔ اور میں ان کی جگہ مسافروں کو خوش آمدید کہنے کے لیے باہر نکلا۔ ایک عمر رسیدہ نوجوان لڑکی کا سہارا لے کر بگھی سے اُتر رہا تھا۔ میں نے بھاگ کر عمر رسیدہ آدمی کا بازو تھام لیا۔ لڑکی نے کہا۔ ''میرے ابا کو راستے میں تکلیف ہوگئی ہے آپ فوراً کسی ڈاکٹر کو بلوائیں۔''

میں نے اپنے ایک نوکر کو شہر کے بہترین ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا اور مسافر کو سرائے کے ایک کمرے میں لٹا دیا۔ اس مُسافر کا نام موسیو انٹین تھا اور وہ پیرس کا ایک خوش حال تاجر تھا۔

لڑکی کا نام جین تھا۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ ''ڈاکٹر کا گھر کتنی دُور ہے ___ اس نے اتنی دیر کیوں لگائی ___ اگر اس کا گھر زیادہ دُور تھا تو آپ نے اپنے نوکر کو پیدل بھگانے کی بجائے ہماری بگھی کیوں نا بھیج دی؟ میں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی کہ ڈاکٹر کا گھر بالکل قریب ہے وہ آ ہی رہا ہوگا۔

اچانک موسیو انٹین اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اُس نے کہا۔ ''بیٹی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ میرے لیے یہ بیماری نئی نہیں' دیکھو اب میں ٹھیک ہوگیا ہوں۔''

لڑکی چلائی '' نہیں نہیں ابا جان آپ آرام سے لیٹے رہیں'' موسیو انٹن مسکراتا ہوا دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر بھی پہنچ گیا۔ اس نے مریض کا معائنہ کرنے اور اسے چند سوالات پوچھنے کے بعد بتایا کہ انہیں دل کی بیماری ہے اور اب بظاہر کوئی خطرہ نہیں لیکن ایسی حالت میں انہیں سفر نہیں کرنا چاہیے۔ جین نے ڈاکٹر کی ہدایت کی تائید کی اور موسیو انٹن کو سفر کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا۔ لیکن کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ پیرس کے اس تاجر

اور اس کی بھورے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی سے یہ ملاقات میری زندگی کا رخ بدل دے گی۔

موسیو! اینٹن اور اُس کی لڑکی مارسیلز میں اپنے کسی رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے بعد واپس جا رہے تھے۔ جب انہیں پتا چلا کہ میں پیرس میں تعلیم پاتا ہوں اور میری چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں تو انہوں نے مجھے اپنی بگھی پر سفر کرنے کی دعوت دی اور میری خاطر ایک دن اور رک گئے۔ چنانچہ تیسرے دن میں ان کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

پیرس سے کوئی دس میل دور موسیو اینٹن کو ایک بار پھر دل کا دورہ پڑا اور ہمیں دو دن کے لیے راستے کی ایک سرائے میں اور قیام کرنا پڑا۔ عام حالات میں پیرس کے اُونچے طبقے کی ایک لڑکی شاید مجھے قابلِ توجہ نہ سمجھتی لیکن موسیو اینٹن کی علالت کے باعث میں اس کے لیے ایک بہت بڑا سہارا بن چکا تھا۔

سرائے میں دوسری رات موسیو اینٹن کی طبعیت ذرا زیادہ خراب تھی اور ہمیں کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھ کر جاگنا پڑا۔ پچھلے پہر اسے نیند آ گئی اور جین بھی اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی۔ صبح کے وقت موسیو اینٹن نے آنکھیں کھولتے ہی میری طرف دیکھا اور کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ آج آپ کو ساری رات جاگنا پڑا۔“

میں نے پوچھا۔ ” اب آپ کا کیا حال ہے؟“

موسیو اینٹن نے جواب دیا۔ ” میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ اب میرا ارادہ ہے کہ میں فوراً پیرس پہنچ کر کسی قابل ڈاکٹر سے علاج کراؤں۔“

میں نے کہا۔ ” ابھی آپ کے لیے سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں پیرس جا کر کسی اچھے ڈاکٹر کو یہاں لے آؤں۔“

موسیو اینٹن نے جواب دیا۔" اس بوسیدہ سرائے میں اگر دنیا کے تمام بہترین ڈاکٹر جمع ہو جائیں تو بھی مجھے آرام نہیں آئے گا۔ میں اب کسی تاخیر کے بغیر پیرس پہنچنا چاہتا ہوں۔"

ہماری باتیں سن کر جین بھی جاگ اٹھی اور اس نے بھی اپنے باپ کو سفر کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن موسیو اینٹن کا فیصلہ اٹل تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ بگھی پر سوار ہو گئے۔ باقی سفر کے متعلق مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نیند کی حالت میں کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف لڑھک رہا تھا۔ پھر جب میں گہری نیند سے بیدار ہوا تو بگھی ایک کشادہ مکان کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔ جین مجھے سہارا دیے ہوئے تھی اور موسیو اینٹن مسکرا رہا تھا۔

"معاف کیجیے! میں نے جلدی سے ایک طرف ہٹ کر کہا۔"

بگھی رکی تو ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور موسیو اینٹن نے کہا۔" یہ میرا بیٹا ڈینس ہے۔"

موسیو اینٹن کے مکان میں داخل ہوتے وقت مجھے اس کی امارت کا صحیح اندازہ ہوا۔ میں نے کھانا کھانے کے بعد اُن سے اجازت لینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ سب میرا اسکول کھلنے تک مجھے اپنے ہاں ٹھہرانے پر مُصر تھے اور مجھے اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔

جین کا بھائی ڈینس ایک ذہین اور کم گو نوجوان تھا۔ اور پیرس میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ میں نے اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ان لوگوں سے مختلف تھا جو کسی اجنبی کے ساتھ فوراً گھل مل جاتے ہیں۔ چار دن بعد میں نے اپنے میزبانوں سے اجازت لی اور موسیو اینٹن سے وعدہ کیا کہ

میں چھٹی کے دن ان کے ہاں آیا کروں گا۔اس کے بعد اسکول کے باہر میری سب سے بڑی دل چسپی موسیو اینٹن کا گھر تھا۔ ہمارا اسکول پیرس سے چند میل دور تھا۔ میں ہر مہینے ایک دو مرتبہ ہفتے کی شام اُن کے ہاں جاتا اور اتوار کے دن واپس آجاتا اور جب کبھی مجھے ہفتے کی شام پیرس جانے کا موقع نہ ملتا۔ میں اتوار کی صبح وہاں پہنچ جاتا۔اور سارا دن وہاں گزارتا۔ڈینس عام طور پر گھر سے غیر حاضر رہتا تھا۔اور گھر میں کسی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اپنے کالج سے باہر اس کی مصروفیات کیا ہیں۔مجھے یہ ماننے سے انکار نہیں کہ اس خاندان کے ساتھ میری وابستگی کی ایک بڑی وجہ جین تھی۔ لیکن مجھے اس بات کا پورا احساس تھا کہ زندگی میں ہمارے راستے کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔بے شک وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جنہیں ایک بار دیکھنے کے بعد بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن اگر میں اسے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتا تو یہ ایک پرلے درجے کی خود فریبی ہوتی۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آجایا کرتی ہے اور صرف یہ مسکراہٹ دیکھنے کے لیے ہی میں بڑی بے تابی کے ساتھ چھٹی کے دن کا انتظار کیا کرتا تھا۔

ایک دن میں نے موسیو اینٹن کے ہاں چند گھنٹے گزار کر رخصت کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اصرار کیا کہ تم رات کا کھانا کھا کر جاؤ۔میرا نوکر تمہیں بگھی پر چھوڑ آئے گا۔شام سے کچھ دیر پہلے ڈینس اپنے کسی دوست سے ملنے کا بہانہ کر کے باہر نکل گیا۔رات کے وقت ہم کھانے کے لیے اس کا انتظار کرتے رہے لیکن جب نو بج گئے تو ہم مایوس ہو کر کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔موسیو اینٹن بے حد خفا تھا لیکن جین اپنے بھائی کی وکالت کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد موسیو

اینٹن کی تلخی دُور ہو چکی تھی اور وہ اپنی عادت کے مطابق بات بات پر قہقہے لگا

رہا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اجازت مانگی تو اس نے کہا۔ ''تھوڑی دیر اور بیٹھو' میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اگلے مہینے کی دسویں تاریخ کو جین کی منگنی کے سلسلے میں میرے ہاں دعوت ہے۔اس میں تمھارے شرکت ضروری ہے۔''

میں نے جین کی طرف دیکھا،لیکن میرے لیے اس کے چہرے سے اُس کے احساسات کا صحیح اندازہ کرنا مشکل تھا۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میری آواز میرے قابو میں نہ تھی اچانک باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔

۔ڈینس اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے دبائے لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے جلدی سے اُٹھ کر ڈینس کو سہارا دینے کی کوشش کی۔اس کا لباس خون سے تر تھا۔جین سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ موسیو اسٹن اپنی کرسی سے اُٹھا۔چند ثانیے اپنا دل دونوں ہاتھوں سے دبائے کھڑا رہا۔اور پھر اچانک منہ کے بل گر پڑا۔ میں ڈینس کو چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا اور اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے دل کی حرکت بند ہو چکی تھی۔ میں دوبارہ ڈینس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے اٹھانے کی کوشش کی۔لیکن اُس نے کہا۔ ''موسیو تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے۔تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔'' دو نوکر انتہائی بدحواسی کی حالت میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ میں نے انہیں ڈاکٹر کو بلانے کے لیے کہا۔جین پہلے اپنے باپ کی لاش کے ساتھ لپٹ کر چیخیں مارتی رہی اور پھر اپنے بھائی کا سر گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ میرے لیے یہ ایک بھیانک خواب تھا۔اور یہ خواب میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔سوتے جاگتے یہ دل خراش منظر میری

آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

ڈینس باربار مجھے یہ کہہ رہا تھا، تم بھاگ جاؤ، تمہارا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں تم بے گناہ پکڑے جاؤ گے۔ اچانک پولیس کا ایک انسپکٹر اور چند سپاہی کمرے میں داخل ہوئے۔ انسپکٹر نے ڈینس کے سر کے بال پکڑ کر اُسے انتہائی بے دردی سے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ تمہارے ساتھی کون تھے؟"

جین نے انسپکٹر کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن ایک سپاہی نے اُسے دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا۔ میں نے ایک مکا سپاہی کے منہ پر رسید کیا اور اس کے بعد انسپکٹر کا گلا دبوچ لیا۔ باقی سپاہی مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں اُن کی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ انسپکٹر پھر ایک بار ڈینس کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر یہ پوچھ رہا تھا۔ "بتاؤ تمہارے ساتھی کون ہیں؟" لیکن ڈینس کے پاس ایک حقارت آمیز مسکراہٹ کے سوا اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور یہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اس وقت بھی کھیل رہی تھی جب کہ وہ اپنا سفر حیات ختم کر چکا تھا۔

انسپکٹر نے میری طرف دیکھا اور کہا۔ " یہ مر چکا ہے لیکن تم زندہ ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم ہمارے ہر سوال کا جواب دے سکو گے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کیا جرم کیا ہے۔ لیکن تمہیں ایک زخمی کے ساتھ اس وحشیانہ سلوک کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

جین کی چیخیں بند ہو چکی تھیں۔ وہ سپاہیوں کو میری طرف متوجہ پا کر بھاگتی ہوئی عقب کے کمرے میں چلی گئی۔

انسپکٹر کے حکم سے میرا کوٹ اُتار دیا گیا اور مجھے دروازے کے سامنے برآمدے کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ پھر ایک سپاہی مجھ پر کوڑے برسا

رہا تھا اور انسپکٹر بار بار ڈینس کے دوسرے ساتھیوں کے متعلق مجھ سے سوال کر رہا تھا۔ میں نے اسے ہر ممکن طرح سمجھانے کی کوشش کی کہ مجھے ڈینس کے کسی ساتھی کا علم نہیں اور میں فوجی اسکول میں تعلیم حاصل کرتا ہوں اور اس وقت میرا اس مکان میں موجود ہونا محض ایک اتفاق تھا۔ لیکن انسپکٹر میری کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اچانک جین اپنے ہاتھ میں پستول لیے نمودار ہوئی اور اس نے کسی توقف کے بغیر انسپکٹر پر گولی چلادی۔ گولی انسپکٹر کے بازو پر لگی اور سپاہیوں نے جین کو گرفتار کرلیا۔ اب سپاہیوں کی توجہ میری بجائے انسپکٹر پر مرکوز ہو چکی تھی۔ اس کے بازو سے خون بہ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنا کوٹ اتارا اور ایک سپاہی کو بازو پر پٹی باندھنے کے لیے کہا۔ اچانک دس بارہ آدمی مکان کے پائیں باغ سے نمودار ہوئے اور وہ پولیس پر ٹوٹ پڑے۔ آن کی آن میں انہوں نے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور باقی چار آدمیوں کو غیر مسلح کر کے حراست میں لے لیا۔ حملہ آوروں کے چہروں پر نقاب تھے اور میرے لیے یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ کون ہیں۔ مجھے آزاد کرنے کے بعد انہوں نے ڈینس کے متعلق پوچھا اور میں نے انہیں بتایا کہ ڈینس اور اس کے والد کی لاشیں اندر پڑی ہوئی ہیں۔ انھوں نے انسپکٹر اور اس کے باقی ساتھیوں کو رسیوں میں جکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا۔ پھر ایک آدمی نے جین سے کہا۔ ’’ ڈینس کی بہن، ہم سب کی بہن ہے۔ آج ایک غدار نے پولیس کو ہمارے خُفیہ اجلاس کے متعلق خبردار کر دیا تھا۔ اب آپ کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس لئے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ‘‘

جین نے جواب دیا۔ ’’نہیں میں اپنے باپ اور بھائی کی لاشیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ پولیس میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔‘‘

نواب پوش نے کہا۔" میری بہن! ڈینس نے ایک بڑے مقصد کے لیے جان دی ہے اگر آپ نے یہاں ٹھہرنے پر ضد کی تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ ہم اپنے ایک ساتھی کی بہن کی عزت بچانے کی لیے اپنے آپ کی پولیس کے حوالہ کردیں۔ ہمیں اپنی جان کا خوف نہیں لیکن ہم اس مقصد کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں جو ڈینس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ خدا کے لیے آپ وقت نہیں، چلیے آپ شاید ایک عرصہ کے لیے دوبارہ اس گھر میں نہ آسکیں اس لیے گھر میں جو نقدی یا زیور ہے وہ نکال لیجیے۔"

جین اضطراب اور تذبذب کی حالت میں میری طرف دیکھ رہی تھی۔ نقاب پوش نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔ 'موسیو معلوم ہوتا کہ غلط اتفاق نے ہماری صف میں کھڑا کردیا ہے۔ چلیے اب آپ لوگوں کے مقاصد کے ساتھ کوئی دلچسپی ہوسکتی ہے۔ اگر آپ کسی خطرناک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں تو ہمارے راستے مختلف ہیں۔ ہمارا اگر کوئی جُرم ہے تو وہ صرف یہ کہ میں نے ایک زخمی کے ساتھ پولیس کے وحشیانہ سلوک سے متاثر ہوکر انسپکٹر پر ہاتھ اُٹھایا ہے اور میں پیرس کی ہر عدالت کی سامنے اس جُرم کا اقبال کرنے کے لیے تیار ہُوں۔"

نقاب پوش نے کہا۔" ہم تمھیں اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت نہیں دیتے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اب تم پیرس کی پولیس کو کبھی اس بات کا یقین نہیں دلا سکو گے کہ تم فرانس کے ایک امن پسند شہری ہو۔ ہم صرف تمھاری جان بچانا چاہتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ جین کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کے لیے ہمیں تمھاری اعانت کی ضروت ہے۔"

میں نے جلدی سے اپنا کوٹ پہنا اور جین سے کہا۔" جین! میں تمھارے

ساتھ ہُوں۔ ہمارے لیے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اب وقت ضائع نہ کرو!''

جین کی قوت فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ تاہم میرے اور اپنے بھائی کے دوستوں کے سمجھانے پر وہ گھر چھوڑنے پر آمادہ ہوگئی۔ ہم نے گھر سے نقد روپیہ اور زیورات کے علاوہ جین کے چند ضروری کپڑے نکال کر ایک بکس میں رکھ لیے۔ اتنی دیر میں دو آدمی بگھی تیار کر چکے تھے۔ ایک نوجوان نے کوچوان کی جگہ سنبھال لی اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے پیرس کے بازاروں اور گلیوں میں ابھی تک رونق تھی اور ہمیں پہرے داروں نے روکا لیکن میری وردی دیکھ کر انھوں نے کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ صبح تک ہم پیرس سے کئی میل دُور آ چکے تھے۔

ایک شہر کے قریب پہنچ کر ہمارے کوچوان نے بگھی روکی اور مجھے کہا۔ ''اب گھوڑے بہت تھک گئے ہیں اور یُوں بھی اس بگھی پر تمھارا سفر خطرناک ہوگا۔ میرے ساتھی صبح ہوتے ہی مکان چھوڑ کر چلے گئے ہوں گے۔ اس وقت تک شاید پولیس اپنے آدمیوں کا حال معلوم کر چکی ہو۔ انھیں موسیو ڈینس کے نوکروں سے تمھارا پتہ معلوم کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ پھر وہ فوجی اسکول سے بآسانی تمھارے گھر کا پتہ معلوم کرلیں گے اور دوپہر سے پہلے پہلے اس سڑک پر تمھاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ میں تمھیں اس شہر کی سرائے میں پہنچا کر واپس آجاؤں گا اور پولیس کو دھوکا دینے کے لیے اس بگھی کو کسی دوسری سڑک پر چھوڑ دوں گا۔''

یہ نوجوان جو ایک کوچوان کی حیثیت سے ہمارے ساتھ آیا تھا۔ انقلابی جماعت کا ایک سرگرم کارکن تھا۔ اس سے چند سوالات پوچھنے پر مجھے یہ معلوم ہُوا کہ ڈینس ان سرپھروں کا لیڈر تھا اور گزشتہ شب جب ایک مکان میں ان لوگوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ کسی غدار نے پولیس کو خبردار کر دیا تھا۔ بیشتر انقلابی مسلّح ہو کر

آئے تھے۔ پولیس آس پاس کی گلیوں کی ناکہ بندی کے لیے جمع ہو رہی تھی کہ انقلابیوں کو پتہ چل گیا اور وہ بھاگ نکلے۔ ایک گلی میں پولیس کے چند آدمیوں کے ساتھ ان کا تصادم ہوا اور دو نوجوان ہلاک ہو گئے۔ ڈینس اس تصادم میں زخمی ہر کر بھاگا لیکن تھوڑی دُور جا کر گر پڑا۔ اس کے دو ساتھیوں نے اُسے سہارا دیا اور اسے گھر کے دروازے تک پہنچا گئے۔ جب وہ واپس آ رہے تھے تو انھیں پولیس کے سپاہیوں کی ایک ٹولی دکھائی دی۔ وُہ پاس ہی ایک تنگ گلی کے اندر ایک اور انقلابی کے مکان میں چُھپ گئے اور جب پولیس آگے نکل تو ان میں سے ایک نوجوان صورت حالات کا جائزہ لینے کے لیے باہر نکلا تھوڑی بعد اس نے آ کر یہ بتایا کہ پولیس کے سپاہی ڈینس کے مکان میں داخل ہو چکے ہیں ان لوگوں نے چند منٹ کے اندر اندر اپنے دوسرے ساتھیوں کو جمع کیا اور ہماری مدد کو پہنچ گئے۔

جین بے حس و حرکت بیٹھی ہماری باتیں سُن رہی تھی بگھی دوبارہ روانہ ہوئی اور تھوڑی دیر ہم شہر کی سرائے میں پہنچ گئے وہاں سے ہم نے ہم نے دوسری بگھی کرائے پر لی اور اپنے دوسرے ساتھی کو خُدا حافظ کہا باقی راستہ ہم نے بہت کم آرام کیا۔

جین اپنے ساتھ کافی روپیہ لائی تھی اور ہمیں ہر منزل پر تازہ دم گھوڑے حاصل کرنے میں کوئی دِقت پیش نہ آئی تیسری رات دو بجے کے قریب میں اپنے گھر پہنچ گیا بگھی کو میں نے احتیاط مکان سے دور سڑک پر ہی چھوڑ دیا تھا ہمارا نوکر سو رہا تھا اور میں نے اُسے جگانا مناسب نہ سمجھا میرے باپ نے انتہائی رنج اور اضطراب کی حالت میں ہماری سرگزشت سُنی انھیں یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ ہمیں فوراً فرانس کی حدود سے باہر نکل جانا چاہیے انھوں نے جلدی سے ضروری سامان باندھا اور کہا ہم مارسیلز جا رہے ہیں میں ابھی سرائے سے بگھی لے کر آتا ہوں تم اپنے سکول کی

وردی اتار کر دوسرا لباس پہن لو اور سڑک پر پہنچ کر میرا انتظار کرو!''

تھوڑی دیر بعد ہم مارسیلز کا رُخ کر رہے تھے مارسیلز پہنچ کر ہم امریکہ جانا چاہتے تھے لیکن بدقسمتی سے امریکہ جانے والا ایک جہاز ہمارے پہنچنے سے ایک دن قبل روانہ ہو چکا تھا۔ اور دوسرا جہاز دو روز قبل چھوٹنے والا تھا۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ تشویشناک تھا اتفاق سے میرے والد کو کپتان فرانسک مل گئے یہ کسی زمانے میں میرے والد کے ماتحت رہ چکے تھے۔

ان کا جہاز اگلی صبح چند سپاہی اور اسلحہ لے کر ماریشس کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ کپتان فرانسک نے رات کے وقت ہمیں اپنے پاس ٹھہرایا اور پچھلے پہر باقی سواریوں سے کچھ دیر پہلے ہمیں اپنے جہاز پر پہنچا دیا۔ بندرگاہ کا محافظ افسر بھی میرے والد کا دیرینہ دوست نکلا اور اس کی مدد سے ہم جانچ پڑتال سے بچ گئے۔ مارسیلز پہنچنے سے قبل میرے والد کا یہ خیال تھا کہ وہ ہمیں امریکہ جانے والے کسی جہاز پر سوار کرا کے واپس چلے جائیں گے۔ لیکن جب کپتان فرانسک نے انہیں یہ سمجھایا کہ اب فرانس میں آپ کا رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں تو وہ ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کی آمادگی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ یہ جہاز ماریشس جا رہا تھا۔ اور وہاں میری بہن رہتی تھی۔ کپتان فرانسک نے ہمیں جہاز کے ملاحوں کی وردیاں مہیا کر دیں۔ اور جین کے متعلق انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ اس کا شوہر ماریشس کی فوج میں ملازم ہے اور یہ اس کے پاس جا رہی ہے۔

بحری سفر کے دوران مجھے اگر کوئی پریشانی تھی تو وہ جین اور اپنے باپ کے متعلق تھی۔ جین ہر وقت حزن و غم کی تصویر بنی رہتی تھی۔ زمانے کے بے رحم ہاتھوں نے اُس کے چہرے کی دل فریب مسکراہٹیں چھین لی تھیں۔ جب میں کوئی بات کرتا

وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی اور مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو جاتی۔ اپنے باپ کے متعلق میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ اپنی عمر کے آخری حصے میں اُنہیں آرام کی ضرورت تھی اور میری وجہ سے وہ مصیبت میں پھنس گئے ہیں لیکن ابا جان کو اپنے مقدر کے متعلق کوئی شکایت نہ تھی۔ وہ ہر حالت میں مسکرانے کے عادی تھے۔ جہاز پر انہوں نے کپتان کے حصے کا بہت سا کام سنبھال رکھا تھا۔

پھر ہماری بدنصیبی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ مریشس سے چند دن کے فاصلے پر ہمارے جہاز میں زرد بخار کی وبا پھوٹ نکلی۔ اور تین دن کے اندر اندر آٹھ آدمی مر گئے۔ پانچویں دن میرا باپ بھی چل بسا۔ ہم سب زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ لیکن جین پر اس کا جو اثر ہوا۔ وہ ہم سب کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ دن رات تمام بیماروں کی تیمارداری میں مصروف رہتی تھی۔ دوسرے لوگ یہاں تک کہ جہاز کا ڈاکٹر بھی مریضوں کے پاس بیٹھنے سے گھبراتا تھا۔ لیکن جین ہر مریض کی تیمارداری اپنا فرض سمجھتی تھی۔ اُسے اپنی بھوک پیاس اور تھکاوٹ تک کا احساس نہ تھا۔

بیماری پھیلتی گئی اور کپتان نے جزیرہ بوربون کے ساحل پر رکنے کا فیصلہ کیا لیکن ابھی ہم وہاں سے دو دن کے راستے پر تھے کہ ہمیں ایک شدید طوفان کا سامنا کرنا پڑا ہم رات بھر زندگی اور موت کی درمیان لٹکتے رہے۔ اگلے دن طوفان تھم گیا۔ اور ہمیں بوربون کا ساحل نظر آنے لگا۔ زرد بخار کی وبا کے باعث تیس آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔ بوربون کی کی بندرگاہ پر اُترنے کے بعد جہاز کے کسی آدمی کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ ہمارے لیے سمندر کے کنارے کیمپ لگا دیا گیا۔ کپتان فرانسسک نے یہاں بھی ہماری مدد کی اور ہمیں رات کے وقت کیمپ سے نکال کر مریشس جانے والے ایک عرب تاجر کے جہاز پر سوار کرا دیا۔ رخصت

کے وقت انہوں نے ہمیں یہ بتایا کہ مجھے اپنے جہاز کی مرمت کے لیے کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ تمہارے لیے کسی بندرگاہ پر اترنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اس لیے عرب تاجر تمہیں بندرگاہ سے کچھ دور ساحل پر اُتار دے گا۔ میں جہاز کی مرمت کے بعد جلد از جلد ماریشس پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ پھر وہاں سے تمہیں ہندوستان پہنچانے کا بندوبست کر دوں گا۔ تمہیں ماریشس میں کسی پر اپنا صحیح نام ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ پیرس کی پولیس تمہارے متعلق معلومات حاصل کرتے ہی ماریشس میں تم کو تلاش کرے گی۔

پھر کپتان فرانسسک نے مجھے ایک خط دیتے ہوئے کہا۔ ''ماریشس کی پولیس کا ایک افسر میرا دوست ہے اور میں نے یہ خط اُس کے نام لکھا ہے اگر تمہیں کبھی ضرورت پڑے تو یہ خط اس کے پاس لے جانا وہ تمہاری ہر ممکن اعانت کرے گا۔''

عرب تاجران لوگوں میں سے تھا جو ہر مصیبت زدہ انسان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ ہماری زبان نہیں سمجھتا تھا لیکن ہماری صورتیں دیکھ کر اس کے لیے یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ ہم مصیبت زدہ ہیں۔ ایک شام اس نے ہمیں ماریشس کی بندرگاہ سے چند میل دور اُتار دیا اور جہاز کا ایک ملاح ہمارے ساتھ روانہ کر دیا۔ آدھی رات تک ہم ایک خوفناک جنگل میں چلتے رہے۔ بالآخر ملاح نے ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے رکتے ہوئے کہا۔'' اب شہر یہاں سے بالکل قریب ہے لیکن اس وقت آپ کا شہر میں داخل ہونا ٹھیک نہیں ہوگا۔ پہریدار یقیناً آپ سے کئی سوال پوچھیں گے۔''

جین تھکاوٹ سے نڈھال تھی وہ ندی کے کنارے لیٹتے ہی سو گئی اور میں باقی رات ملاح کے ساتھ اس کے قریب بیٹھا رہا۔ علی الصباح میں نے جین کو جگایا اور ہم

شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد میں اپنے بہنوئی کے مکان پر دستک دے رہا تھا۔ ملاح ہمیں چھوڑ کر بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرا بہنوئی اب میجر بن چکا تھا۔ اور مریشس کی حکومت اور فوج کے بڑے بڑے افسر اس کے دوست تھے۔ تاہم میری سرگزشت سننے کے بعد اس نے کہا۔ ''اگر پیرس کی پولیس کا کوئی آدمی افسر بھی یہاں پہنچ گیا تو مریشس کا گورنر بھی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم گھر سے باہر پاؤں نہ رکھو۔ اگر پیرس سے پولیس کا کوئی آدمی یہاں پہنچ گیا تو میں تمہیں کسی دوست کے ہاں پہنچا دوں گا۔ مقامی پولیس کے تمام افسر میرے دوست ہیں اور وہ وقت آنے پر مجھے خبردار کر دیں گے۔''

ہم بیس دن اپنے بہنوئی کے گھر چھپے رہے۔ پھر ایک شام ہمیں پتہ چلا کہ مارسیلز سے ایک جہاز آیا ہے۔ اور فرانس کی پولیس کا ایک انسپکٹر اس سے اترتے ہی سیدھا مقامی پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں گیا ہے۔ میرے بہنوئی نے یہ خبر سنتے ہی ہمیں اپنی رجمنٹ کے ایک کپتان کے گھر پہنچا دیا۔ اگلے دن کپتان کی بیوی میری بہن کے پاس گئی اور یہ خبر لائی کہ ہمارے وہاں سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد ایک پولیس انسپکٹر اُن کے گھر آیا تھا۔ اور میرے بہنوئی سے چند سوالات پوچھنے کے بعد وہ گھر کی تلاشی لیے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ پھر رات کے وقت میرا بہنوئی مجھ سے ملا اور اس نے یہ بتایا۔ ''یہ وہی انسپکٹر ہے جس پر جین نے گولی چلائی تھی۔ اس کا نام برنارڈ ہے۔ اور اس کی ہوشیاری اور شقاوت قلبی فرانس بھر میں مشہور ہے۔ میں نے بظاہر اسے مطمئن کر دیا ہے۔ لیکن جب تک وہ یہاں موجود ہے مجھے تمہارے متعلق اطمینان نہیں ہو سکتا۔ یہاں کوئی ایسا آدمی نہیں جس پیرس کی پولیس کے کسی افسر کے ساتھ ہمدردی ہو لیکن اگر اسے تمہارا سراغ مل گیا تو تم یہ دیکھو گے کہ یہاں کوئی کھلے

بندوں تمہاری حمایت نہیں کرے گا۔اب چند دن تک ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ضروری ہے۔اس لیے اگر میں تمہارے پاس نہ آسکوں تو تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

اگلی صبح جین اپنے بستر سے اٹھی تو اس نے یہ شکایت کی کہ میرا جسم ٹوٹ رہا ہے اور شام تک اسے سخت بخار ہو چکا تھا۔جہاز پر زرد بخار کی وبا کے پیش نظر مجھے بے حد تشویش ہوئی لیکن رات کے وقت کپتان اپنے فوجی ڈاکٹر کو لایا اور اس نے تسلی دی کہ یہ صرف موسمی بخار ہے۔جین دس دن بستر پر پڑی رہی۔ گیارھویں دن اسے ذرا ہوش آیا۔اس عرصہ میں کپتان کی بیوی کی وساطت سے ہمیں یہ پتہ چلتا رہا کہ انسپکٹر برنارڈ ہماری تلاش میں بدستور سرگرداں ہے۔ بارھویں دن جین کا بخار بہت کم ہو گیا لیکن وہ بے حد کمزور ہو چکی تھی۔صبح سات بجے کسی نے ہمارے میزبان کے دروازے پر دستک دی۔ ہم فوراً ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں چھپ گئے۔ ہمارے دل دھڑک رہے تھے اور میں دبی آواز میں یہ کہہ رہا تھا۔" جین ہم تقدیر سے نہیں بھاگ سکتے ۔مجھے معلوم نہیں کہ میرے متعلق تمہارے خیالات کیا ہیں۔ لیکن میں تمہیں اپنی زندگی کا آخری سہارا سمجھتا ہوں۔اگر میں تمہارے ساتھ کسی چھوٹے سے غیر آباد جزیرے میں اپنی باقی زندگی تمام زندگی کے دن گزار سکتا تو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی فرانس چھوڑنے کا ملال نہ ہوتا۔"

جین نے مغموم نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور اپنا کانپتا ہوا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔میرا خیال تھا کہ ابھی پولیس دھکا دے کر ہماری کوٹھڑی کا دروازہ کھولے گی اور ہمیں انسپکٹر برنارڈ کی منحوس صورت دکھائی دے گی۔لیکن اچانک ہمیں ملاقات کے کمرے میں چند مانوس آوازیں اور قہقہے سنائی دیے۔پھر ہمارے

میزبان نے کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ ''میرے دوست آجاؤ اب کوئی خطرہ نہیں۔''

میں جین کو سہارا دیے کوٹھڑی سے باہر نکلا۔ ملاقات کے کمرے میں میری بہن، میرا بہنوئی اور کپتان فرانسسک کھڑے تھے۔ نقاہت کے باعث جین کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ میں نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ میری بہن آگے بڑھ کر میرے ساتھ لپٹ گئی۔ کپتان فرانسسک نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ '' بھئی خدا کی قسم میں نے اس سے بڑا گدھا اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس کی ذہانت فرانس بھر میں مشہور ہے لیکن وہ خوب اُلو بنا۔''

میں پریشانی کی حالت میں فرانسک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری بہن نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ '' کپتان صاحب! میرا بھائی ابھی تک پریشان ہے اسے تسلی دیجیے۔'' اور کپتان فرانسک نے میری طرف متوجہ ہو کر کہا بیٹا اب تمھیں کوئی خطرہ نہیں میں نے انسپکٹر برنارڈ کو ایک غلط راستے پر ڈال دیا میرا جہاز کل شام یہاں پہنچا تو وہ بندرگاہ پر کھڑا تھا اُترنے والے مُسافروں کو دیکھنے کے بعد اس نے جہاز کے اندر بھی تلاشی لی میں نے اُس سے کہا کہ اگر آپ مجھے یہ بتا سکیں کہ آپ کس کو تلاش کر رہے ہیں تو ممکن ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں اُس نے مجھ سے تمھارے متعلق پوچھا اور میں نے اُسے بتایا کہ مارسیلز سے میرے جہاز پر ایک بوڑھا آدمی، ایک نوجون اور ایک لڑکی سوار ہوئے تھے۔''

مَیں نے بدحواس ہو کر کہا۔ '' آپ نے اسے ہمارے متعلق بتا دیا ہے؟''

'' ہاں! مَیں نے اُسے تمھارا حلیہ تک بتا دیا تھا کیونکہ اسے بیوقوف بنانے کا بہترین طریقہ یہی تھا۔ مجھے اس بات کا احساس تھا کہ اسے کسی نہ کسی دن اس بات کا

پتہ ضرور چل جائے گا کہ میرے جہاز پر ایک لڑکی سوار تھی اور سچی بات بعض اوقات بہت سُود مند ثابت ہوئی ہے مَیں نے اسے یہ کہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ بیماری کے باعث جہاز کے تمام مُسافر بوربون اُتار دیے گئے تھے۔ چند آدمی میرے ساتھ آگئے ہیں لیکن باقی ابھی تک وہیں پڑے ہُوئے ہیں، مَیں نے اُسے تمھارے والد کی وفات کے متعلق بھی بتا دیا تھا اور میں نے اسے تمھارے نام بھی صحیح بتا دیے تھے۔ میری اِن باتوں کا یہ نتیجہ ہُوا کہ دیکھتے دیکھتے وہ بوربون جانے والے جہاز پر سوار ہو گیا اب میں کل شام تک یہاں سے پانڈی چری روانہ ہو جاؤں گا اور تم میرے ساتھ چلو گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرے راستے سے اب مصائب کے پہاڑ ہٹ چکے ہیں لیکن جین کی حالت سفر کے قابل نہ تھی ہم نے رات کے وقت ڈاکٹر سے مشوہ کیا تو اس نے بڑی شدت کے ساتھ جین کو سفر کرنے سے منع کیا، میرا بہنوئی یوں بھی ہمارے ایک ساتھ سفر کرنے کے حق میں نہ تھا اس نے یہ مشورہ دیا کہ تم ہندوستان جا کر اپنے لیے کوئی جائے پناہ تلاش کرو ہم جین کو بعد میں وہاں پہنچانے کا انتظام کر دیں یہاں کوئی فرانسیسی ایسا نہیں جو جین جیسی لڑکی کو پیرس کی پولیس کے تشدد کے خلاف پناہ دینے سے انکار کرے گا،"

اگلی شام غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے کپتان فرانسک کا جہاز روانہ ہو چکا تھا اور میں عرشے پر کھڑا مریشس کی آخری جھلک دیکھ رہا تھا پانڈی چری پہنچنے کے بعد میری داستان کا ایک باب ختم ہوتا ہے۔ اس سے آگے مجھے ایک وسیع خلا دکھائی دیتا ہے۔"

لیگر انڈ کی سرگزشت سننے کے بعد انور علی کچھ دیر اپنے دستر پر بے حس

وحرکت پڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ”میرے دوست میں تمھاری مدد کروں گا۔“

تیسرا باب

لیگرانڈ کو انور علی کے ساتھ رہتے ہوئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا۔ اس عرصہ میں اسے جین کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ پانڈی چری میں جب کوئی نیا جہاز آتا تو اس کے سینے میں اُمیدوں اور آرزوؤں کے چراغ جگمگا اٹھتے، بندرگاہ پر جاتے ہوئے جین کے تصور سے اس کی دنیا مسکراہٹوں اور نغموں سے لبریز ہو جاتی۔ پھر جب اُسے جہاز سے اُترنے والے مسافروں میں جین نظر نہ آتی تو وہ اپنے آپ کو جھوٹی تسلیاں دینے کی کوشش کرتا، شاید جین ابھی تک جہاز کے اندر چھپی ہوئی ہو اور کپتان نے اس کا دوسرے لوگوں کی موجودگی میں بندرگاہ پر اُترنا مناسب خیال نہ کیا ہو، جب بندرگاہ خالی ہو جاتی تو وہ ذرا جرات سے کام لے کر جہاز کے کپتان کے پاس جاتا اور یہ تسلی کرنے کے بعد کہ جہاز پر کوئی اور مسافر نہیں، وہ اس سے اس قسم کے سوالات پوچھتا۔ ''آپ کے جہاز پر کوئی ایسا مسافر تو نہیں تھا جسے آپ بیماری کی وجہ سے راستے میں چھوڑ آئے ہوں۔ میں میسور کی فوج میں ملازم ہوں اور مجھے اپنے ایک دوست کا انتظار ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں میں مریشس سے آنے والے کسی جہاز کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا؟''

ایک دن آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ فضا میں حبس تھا اور انور علی اپنے خیمے سے باہر ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک لیگرانڈ بھاگتا ہوا اُس کے قریب پہنچا۔ انور علی کو اُس کی پریشان صورت یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ کوئی متوقع حادثہ پیش آنے والا ہے۔

''خیر تو ہے؟'' اُس نے لیگرانڈ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

لیگرانڈ نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ''موسیو! انسپکٹر برنارڈ پانڈی چری پہنچ

گیا ہے۔ میں نے اسے جہاز سے اُترتے دیکھا ہے۔ میں یہ معلوم نہیں کر سکا کہ یہ جہاز کہاں سے آیا ہے لیکن اگر یہ جہاز مریشس سے ہو کر آیا ہے تو ہو سکتا ہے جین بھی اس پر سوار ہو۔ میں نے انسپکٹر کو دیکھنے کے بعد بندرگاہ پر ٹھہرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"

انور علی نے پوچھا۔ "اس نے آپ کو دیکھ تو نہیں لیا؟"

"نہیں۔ جہاز سے اُترتے ہی پانڈی چری کے چند افسر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے اور میں وہاں سے کھسک آیا تھا۔"

انور علی نے کرسی سے اُٹھ کر اپنے سپاہیوں میں سے ایک نوجوان کو آواز دے کر بلایا اور اسے چند ہدایات دینے کے بعد لیگرانڈ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ میں نے اپنے آدمی کو سمجھا دیا ہے۔ کہ وہ آپ کے ساتھ یہاں سے چند میل دور ایک جگہ پر پہنچ کر میرا انتظار کرے۔ میں شام تک بندرگاہ سے تمام معلومات حاصل کر کے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اگر جین اس جہاز پر آئی ہے تو میں اسے اپنے ساتھ لانے کی کوشش کروں گا۔ بصورتِ دیگر آپ کو ضروری ہدایات مل جائیں گی۔ اگر جین اس جہاز پر نہ آئی تو بھی آپ انسپکٹر برنارڈ کی موجودگی میں یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ آپ کے لیے یہی بہتر ہو گا کہ آپ پانڈی چری کی حدود سے نکل جائیں۔ اس کے بعد اگر جین یہاں پہنچ گئی تو اُسے آپ کے پاس پہنچانا میرا ذمہ ہے۔"

لیگرانڈ نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ جین شاید آپ پر اعتماد نہ کرے۔ لیکن جب آپ اسے جین کی بجائے مادام لیگرانڈ کہہ کر مخاطب کریں گے تو وہ بہت کچھ سمجھ جائے گی۔ جہاز پر وہ اسی نام سے سفر کر رہی ہو گی۔"

''آپ تسلی رکھیں۔جین خواہ کسی نام سے سفر کر رہی ہو مجھے تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔یہ کہہ کر انور علی دلاور خاں کی طرف متوجہ ہوا اور اسے دو گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دے کر بندرگاہ کی طرف چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد لیگرانڈ اور انور علی کا ایک ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر مغرب کا رخ کر رہے تھے۔پانڈی چری سے کوئی پندرہ میل دور ایک چھوٹی سی ندی کے پل کے قریب پہنچ کر لیگرانڈ کے رہنما نے اپنا گھوڑا روکا اور کہا۔'' جناب اُنھوں نے ہمیں یہاں رکنے کا حکم دیا تھا۔''

لیگرانڈ نے اپنا گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔'' تمھیں یقین ہے کہ انھوں نے ہمیں اسی جگہ پہنچنے کے لیے کہا تھا؟''

''جی ہاں: کرشنا گری کی طرف یہی راستہ جاتا ہے اور میں کم از کم آٹھ مرتبہ یہاں سے گزر چکا ہوں۔'' یہ کہہ کر نوجوان گھوڑے سے اُتر پڑا اور لیگرانڈ نے اس کی تقلید کی۔انھوں نے اپنے گھوڑے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیے۔اور ندی کے کنارے بیٹھ گئے۔لیگرانڈ کے لیے انتظار کے لمحات انتہائی صبر آزما تھے۔وہ کبھی اُٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کر دیتا۔کبھی اپنا خنجر نکال کر درخت کی شاخیں تراشنے لگتا۔ کبھی نڈھال سا ہو کر ندی کے کنارے بیٹھ جاتا اور سنگریزے اُٹھا اُٹھا کر پانی میں پھینکنا شروع کر دیتا۔جب آس پاس کوئی آہٹ یا آواز سنائی دیتی تو وہ بھاگ کر پُل پر پہنچتا لیکن سوار اور پیدل گزر جاتے اور وہ کلیجہ مسوس کر رہ جاتا۔

☆☆

شام کے چار بجے کے قریب بارش شروع ہو گئی اور وہ ایک تناور درخت کے نیچے سمٹ کر کھڑے ہو گئے۔تھوڑی دیر بعد انھیں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور

لیگر انڈ کے ساتھی نے کہا۔ ’’لیجیے وہ آ گئے!‘‘۔

لیگر انڈ بھاگ کر پگڈنڈی کی طرف بڑھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا لیکن انور علی کو تنہا دیکھ کر لیگر انڈ کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے۔ انور علی نے اس کے قریب پہنچ کر گھوڑے کی باگ کھینچی اور نیچے اُترتے ہوئے کہا۔ ’’مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کوئی خوش خبری نہیں لایا۔ جین اس جہاز پر نہیں آئی۔ یہ جہاز بوربون سے یہاں پہنچا ہے۔ میں کپتان سے مل کر آیا ہوں۔ انسپکٹر برنارڈ کے متعلق ابھی تک صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اس کا بھتیجا پانڈی چری کی فوج میں ملازم ہے اور وہ اس کے پاس ٹھہرا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک بھتیجے سے ملنے کا شوق اُسے یہاں تک آنے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ ہمیں اب یہ دعا کرنی چاہیے کہ جین اس کی موجودگی میں یہاں نہ پہنچے۔ میں کوشش کروں گا کہ مریشس میں آپ کے بہنوئی کو اس نئی صورتِ حال سے آگاہ کر دوں۔ لیکن اگر جین وہاں سے روانہ ہو چکی ہے تو آپ پانڈی چری میں رہ کر اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔‘‘

اس کے بعد انور علی نے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا سفری تھیلا اُتارا اور لیگر انڈ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ’’اس تھیلے میں آپ کے لیے رات کا کھانا، کچھ روپے اور تین تعارفی خط ہیں۔ ایک خط میں نے کرشنا گری کے فوجدار کے نام لکھا ہے وہ آپ کو سرنگا پٹم پہنچانے کا بندوبست کر دے گا۔ دوسرا خط موسیو لالی کے نام ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی ہر ممکن اعانت کرے گا۔ تیسرا خط میں نے اپنے بھائی کے نام لکھا ہے، سرنگا پٹم میں آپ اسے بہترین دوست پائیں گے۔ اگر ضرورت پڑی تو میرا بھائی آپ کے لیے سرنگا پٹم کے بڑے سے بڑے آدمی کی اعانت حاصل کر سکے گا۔ میرا یہ آدمی آپ کو کرشنا گری پہنچا کر واپس

آجائے گا۔ آپ وہاں پہنچتے ہی میرے نام اس مضمون کا ایک خط لکھ کر اس کے حوالے کر دیں کہ آپ سلطان کی فوج میں ملازم ہیں اور اگر آپ کی بیوی پانڈی چری پہنچے تو میں اسے آپ کے پاس پہنچانے کا بندوبست کر دوں۔ جین اگر آپ کے ہاتھ کی تحریر پہچانتی ہے تو وہ مطمئن ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر وہ انسپکٹر برنارڈ کی موجودگی میں یہاں پہنچی تو یہ خط میرے کام آئے گا۔ اب میں فوراً واپس جانا چاہتا ہوں جین کی غیر متوقع آمد کے پیشِ نظر میرا ہر وقت وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ آج رات ہی ماریشس کا کوئی جہاز وہاں پہنچ جائے۔ میں بندرگاہ پر اس بات کا انتظام کر آیا ہوں کہ جب کوئی نیا جہاز آئے مجھے خبردار کر دیا جائے۔''

انور علی نے کسی توقف کے بغیر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا اور لیگرانڈ نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''موسیو! آپ بہت رحم دل ہیں۔''

☆☆

تین ہفتے بعد انور علی طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ بعد ایک جہاز کی آمد کی اطلاع پا کر بندرگاہ پر پہنچا تو وہاں انسپکٹر برنارڈ اور پانڈی چری کی پولیس کے دو افسر موجود تھے۔ انور علی کے لیے یہ غیر متوقع نہ تھی۔ انسپکٹر برنارڈ اس سے پہلے بھی ہر نئے جہاز کی آمد کے وقت بندرگاہ پر موجود ہوتا تھا۔ پانڈی چری پہنچنے سے دو دن بعد اس نے انور علی کے کیمپ سے فرانس کے ان آدمیوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جو میسور کی فوج میں بھرتی ہو کر جا چکے تھے۔ اور انور علی نے اُسے صرف وہ کاغذات دکھا کر مطمئن کر دیا تھا۔ جن میں لیگرانڈ کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ برنارڈ انور علی کو یہ بھی بتا چکا تھا کہ میں ایک نہایت خطرناک انقلابی کی تلاش میں ہوں جو پیرس سے ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ فرار ہو چکا ہے۔

جہاز بندرگاہ سے ابھی کچھ فاصلے پر تھا۔ انور علی کچھ دیر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں انسپکٹر اور اس کے ساتھیوں سے چند قدم دور کھڑا رہا۔ بالآخر ایک پولیس افسر نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ انسپکٹر برنارڈ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''موسیو! میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کیوں نہ آئے؟''

انور علی مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا ہوں۔''

مقامی پولیس کے ایک افسر نے کہا۔ ''موسیو! انور علی بڑی باقاعدگی کے ساتھ ہر جہاز دیکھتے ہیں۔''

انور علی نے جواب دیا۔ ''اب یہاں آپ کے جہاز دیکھنے کے سوا مجھے اور کام ہی کیا ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ مجھے واپس بلا لیا گیا ہے۔ ورنہ میں یہاں بیکاری سے اکتا گیا تھا۔''

''آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں''

''کب؟''

بہت جلد، میں صرف اپنی جگہ کسی نئے آدمی کا انتظار کر رہا ہوں۔'' انور علی یہ کہہ کر انسپکٹر برنارڈ کی طرف متوجہ ہوا۔ '' کہیے آپ کو اپنی مہم میں کوئی کامیابی ہوئی؟''

برنارڈ نے جواب دیا۔ ''مجھے اپنی کامیابی کے متعلق کوئی بے چینی نہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ایک نہ ایک دن ضرور گرفتار ہو جائیں گے۔''

جہاز بندرگاہ کے بہت قریب پہنچ چکا تھا اور اب عرشے پر چند عورتیں بھی

دکھائی دے رہی تھیں۔ پانڈی چری کے چند فوجی اور سول حکام بھی بندرگاہ پر موجود تھے۔اور انتہائی اشتیاق کی حالت میں جہاز کی طرف دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جہاز بندرگاہ پر آ لگا اور مسافر نیچے اُترنے لگے۔فرانسیسی افسر اپنے بال بچوں اور رخصت سے واپس آنے والے دوستوں کا استقبال کر رہے تھے۔انسپکٹر برنارڈ جہاز سے اترنے والے ہر نوجوان مرد اور عورت کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ایک نیلی آنکھوں والی اور سنہری بالوں والی نحیف اور لاغر لڑکی ایک ہاتھ میں چھوٹا سا بکس اُٹھائے ہوئے جہاز سے اُتری اور ہجوم سے ایک طرف کھڑی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ انور علی لیک کراس کے قریب پہنچا اور سرگوشی کے انداز میں بولا اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ لیگر انڈ کو تلاش کر رہی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کا اصلی نام لیمبرٹ ہے اور آپ مادام لیگر انڈ کے نام سے سفر کر رہی ہیں۔میری بات غور سے سنیے: انسپکٹر برنارڈ جس پر آپ نے گولی چلائی تھی یہاں موجود ہے وہ اسی طرف آ رہا ہے۔آپ اس کی طرف نہ دیکھیں، میں لیگر انڈ کا دوست ہوں۔وہ یہاں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔لیکن انسپکٹر برنارڈ کی آمد پر میں نے اسے سرنگا پٹم بھیج دیا ہے۔آپ انسپکٹر پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کریں کہ آپ کا شوہر گزشتہ دو سال سے میسور کی فوج میں ملازم ہے۔اپنے حواس پر قابو رکھیے۔ اگر انسپکٹر برنارڈ کو ذرا شبہ ہو گیا تو آپ مصیبت میں پھنس جائیں گی۔"

اتنی دیر میں انسپکٹر برنارڈ اُن کے قریب آ چکا تھا۔ انور علی نے اس کی طرف توجہ کیے بغیر جلدی سے لڑکی کا بکس لیا اور اپنا لہجہ بدلتے ہوئے ذرا بلند آواز سے کہا۔

"مادام پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ایک سپاہی کی بیوی کو اس قسم کی تلخیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔آپ کے شوہر ایک مہم پر روانہ ہو چکے ہیں۔اس لیے آپ

کو سرنگا پٹم پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں ہماری فوج کے کسی سپاہی کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ ان کا خط پڑھ کر آپ کو تسلی ہو جائے گی۔"

انور علی نے یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا۔ لڑکی نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے خط پکڑ لیا اور کھول کر پڑھنے لگی۔

کیا بات ہے موسیو؟ انسپکٹر برنارڈ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

انور علی نے جواب دیا۔ "ہماری فوج کے یورپین دستے کے ایک افسر کی بیوی ہیں اور اس بات پر خفا ہیں کہ ان کے شوہر ان کے استقبال کے لیے کیوں نہیں آئے۔ انہیں سرنگا پٹم پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے۔"

انسپکٹر برنارڈ پورے انہماک سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ اس کی توجہ سے بچنے کے لیے اپنی نگاہیں کاغذ پر مرکوز کیے ہوئے تھی۔

برنارڈ نے کہا۔ "مادام میں یہ خط دیکھ سکتا ہوں؟"

انور علی نے مداخلت کی۔ "موسیو مجھے معلوم ہے کہ آپ پیرس کی پولیس کے ایک افسر ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اپنی بیوی کے نام میسور کی فوج کے افسر کا خط پڑھنا آپ کے فرائض میں داخل نہیں۔"

برنارڈ نے جواب دیا۔ "مجھے اپنے فرائض کے حدود اچھی طرح معلوم ہیں۔ اگر آپ انہیں سرنگا پٹم پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر چکے ہیں تو مجھ پر بھی ان کے متعلق بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں یہ خط دکھانے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

لڑکی نے خط انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ خوشی سے یہ دیکھ سکتے ہیں۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

برنارڈ خط پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ انور علی کا ایک سپاہی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور اس نے کہا۔ ''جناب اس جہاز پر صرف آٹھ آدمی آئے ہیں۔ ان میں سے صرف تین یورپین اور باقی مریشس کے باشندے ہیں۔''

انور علی نے جواب دیا۔ ''انہیں کیمپ میں لے چلو میں ابھی آتا ہوں۔ یہ بکس اپنے ساتھ لیتے جاؤ اور مادام کے لیے ایک خیمہ لگا دو۔''

سپاہی نے چمڑے کا بکس اٹھا لیا اور انور علی نے لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''مادام آپ کا کوئی اور سامان جہاز پر تو نہیں۔''

''جی نہیں'' مجھے میرے خاوند نے لکھا تھا کہ مجھے خشکی کے راستے ایک لمبا سفر کرنا پڑے گا اس لیے مجھے اپنے ساتھ چند ضروری کپڑوں کے سوا کچھ نہیں لانا چاہیے۔''

برنارڈ نے خط پڑھنے کے بعد انور علی سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''مادام کی صحت بہت خراب معلوم ہوتی ہے میرے خیال میں انہیں سرنگا پٹم کا سفر کرنے سے پہلے چند دن یہاں آرام کرنا چاہیے۔ اور آپ کو ان کے لیے خیمہ خالی کرانے کی ضرورت نہیں۔ میں گورنر کے مہمان خانے میں ان کے قیام کا انتظام کر سکتا ہوں۔''

انور علی نے جواب دیا۔ ''ذاتی طور پر مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے خیال میں آپ کو یہ مسئلہ میری بجائے مادام کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

برنارڈ مسکرایا۔ ''مجھے یقین ہے کہ انہیں گورنر کا مہمان بننے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

اس عرصہ میں جین اپنی پریشانی پر قابو پا چکی تھی اور اس کی مدافعانہ قوتیں پوری طرح بیدار ہو چکی تھیں۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا ”میری صحت بالکل ٹھیک ہے اور میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہیں کروں گی۔ لائیے میرا خط؟

برنارڈ نے کہا۔ ”یہ خط آپ کو کل تک نہیں مل سکتا؟“

”اس خط میں کوئی خاص بات ہے موسیو“ انور علی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں لیکن ایک پولیس افسر کو ہر بات کی جانچ پڑتال کرنی پڑتی ہے۔“

چند فرانسیسی افسران کے گرد جمع ہو چکے تھے ایک فوجی افسر نے انسپکٹر برنارڈ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”موسیو کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں“ اس نے روکھے پن سے جواب دیا۔

انور علی نے جین سے کہا۔ ”مادام آپ کو آرام کی ضرورت ہے اگر آپ گھوڑے پر سواری کر سکیں تو میں دو دن تک آپ کے سفر کا بندوبست کر دوں گا۔ بصورتِ دیگر مجھے بگھی کا انتظام کرنا پڑے گا۔“

لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں گھوڑے پر سفر کر سکتی ہوں“۔

برنارڈ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”مادام! اگر آپ کو میری باتوں سے کوئی کوفت ہوئی ہے تو میں معذرت چاہتا ہوں، میں صرف اس بات کی تسلی چاہتا تھا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اگر فرصت ملی تو میں کل آپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔“

”آئیے مادام!“ انور علی نے کہا اور جین اس کے ساتھ چل پڑی۔

بندرگاہ کے احاطے سے نکلتے وقت انور علی نے مڑ کر دیکھا تو انسپکٹر برنارڈ مقامی پولیس کے آدمیوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس نے جین سے کہا میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو پہچان نہیں سکا لیکن اس کے شبہات پوری طرح دور نہیں ہوئے۔"

جین نے کہا۔" مجھے یقین ہے کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا ہوگا۔ بیماری کے باعث میری حالت یہ ہو چکی ہے کہ میں خود آئینے میں اپنی صورت نہیں پہچان سکتی۔ پھر انسپکٹر برنارڈ نے مجھے جن حالات میں دیکھا تھا وہ ایسے نہ تھے کہ اس کے ذہن پر میرا کوئی دیرپا تصور رہ گیا ہو؟"

انور علی نے کہا۔" پھر بھی مجھے اندیشہ ہے کہ انسپکٹر آپ کے متعلق پورا اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ممکن ہے کہ تھوڑی دیر تک وہ پانڈی چری کی پولیس کے آدمیوں کو میرے کیمپ کی نگرانی کے لیے بھیج دے۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ کل اگر وہ آپ سے ملا تو وہ پوری طرح سے تیار ہو کر آئے گا۔ لیگرانڈ کے خط پر اُس نے بلاوجہ قبضہ نہیں کیا۔ آپ کیلیے یہی بہتر ہے کہ آپ فوراً پانڈی چری کی حدود سے باہر نکل جائیں۔ اگر آپ گھوڑے پر سفر کر سکتی ہیں تو ہمیں ابھی روانہ ہو جانا چاہئے۔"

جین نے کہا۔" میں تیار ہوں لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم تھا کہ میں اس جہاز پر آرہی ہوں؟"

انور علی نے جواب دیا۔" اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ لیگرانڈ کو روانہ کرنے کے بعد میں یہاں آنے والا ہر جہاز دیکھا کرتا تھا۔"

جین کچھ دیر خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ بالآخر اس نے کہا۔" موسیو مجھے معلوم نہیں کہ آپ کون ہیں لیکن میرے لیے آپ پر اعتماد کرنے کے سوا

کوئی چارہ نہیں۔"

"مجھے آپ اعتماد کے قابل پائیں گی۔" انور علی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ سپاہی خیمہ نصب کر رہے تھے۔ انور علی نے انہیں فوراً تین گھوڑے تیار کرنے کا حکم دیا اور دلاور خان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دلاور خان تم ہمارے ساتھ جا رہے ہو، میں نے بندرگاہ سے جو بکس بھیجا تھا وہ میرے گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ دو۔ جلدی کرو۔"

پھر وہ اپنے نائب کی طرف متوجہ ہوا۔ "سردار خاں! شام تک اس بات کا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ کہ میں یہاں سے غیر حاضر ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ انسپکٹر جو اس دن میرے پاس آیا تھا۔ یا پانڈی چری کی پولیس کا کوئی آدمی ہمارے متعلق پوچھنے آئے تم اسے یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرنا کہ میں آرام کر رہا ہوں۔ اگر کوئی مادام لیگرانڈ کے متعلق پوچھے تو بھی تم یہی کہو کہ وہ اپنے خیمے میں سو رہی ہیں۔ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ وہ آج تمہیں پریشان کرے گا۔ لیکن کل علی الصباح وہ ضرور آئے گا۔ اور تم اسے یہ بتانا کہ مادام فوراً سرنگا پٹم پہنچنے پر بضد تھی اور اب تک وہ کئی میل طے کر چکے ہوں گے۔ آٹھ دس دن تک یہاں میری جگہ دوسرا آدمی پہنچ جائے گا۔ اُسے یہ بتا دینا کہ ایک خاص مجبوری کے باعث میں یہاں ٹھہر کر اس کا انتظار نہیں کر سکا۔"



کیمپ سے انور علی اور جین کی روانگی سے کوئی آدھ گھنٹہ بعد برنارڈ انتہائی غم و غصے کی حالت میں پانڈی چری کے گورنر کے سامنے کھڑا یہ کہہ رہا تھا۔ "جناب یہ معاملہ بہت سنگین ہے اگر آپ کی پولیس میرے ساتھ تعاون کرتی تو ہم اس لڑکی کو

پانڈی چری سے نکلتے ہی گرفتار کر سکتے تھے۔"

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انور علی اس لڑکی کے ساتھ روانہ ہو چکا ہے؟"

"میں نے بندرگاہ سے واپس آتے وقت دو آدمی اس کے پڑاؤ کی نگرانی کے لیے روانہ کر دیے تھے اور جب انہوں نے یہ اطلاع دی کہ انور علی اُس کا ایک نوکر اور وہ لڑکی کیمپ میں پہنچتے ہی گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں روانہ ہو گئے ہیں تو میں نے فوراً پولیس کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے کہا۔ لیکن آپ کے افسروں نے یہ جواب دیا کہ ہم گورنر کے حکم کے بغیر اُن کا پیچھا نہیں کر سکتے۔"

"اگر آپ کو اس لڑکی کی مجرم ہونے کے متعلق اتنا ہی یقین تھا تو آپ نے اُسے جہاز سے اترتے ہی کیوں نہ گرفتار کر لیا؟"

"جناب والا! اس وقت میرے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور میں اس پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے شکوک رفع کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اس خط پر قبضہ کر لیا تھا جو اس لڑکی کو انور علی نے بندرگاہ پر دیا تھا اور لیمبرٹ کے ہاتھ کی چند تحریریں جو پیرس کے فوجی اسکول سے میرے قبضے میں آئی تھیں۔ میرے بکس میں تھیں۔ میں ان تحریروں سے اس خط کا موازنہ کرنے کے لیے فوراً اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔ اب میں یہ اچھی طرح دیکھ چکا ہوں کہ لیمبرٹ کی تحریریں اس خط سے ملتی ہیں۔ اور لیمبرٹ اور لیگرانڈ ایک ہی آدمی کے دو مختلف نام ہے، ان کا فوراً یہاں سے بھاگ نکلنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ لڑکی مجھے دیکھنے کے بعد اپنے آپ کو یہاں محفوظ نہیں سمجھتی تھی۔ اب اگر انہیں گرفتار کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو اس کی تمام ذمہ داری آپ کی پولیس پر عاید ہو گی۔"

گورنر نے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ پانڈی چری سے چند میل آگے

انگریزوں کی چوکیاں اور اس کے بعد میسور کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اس لیے ہم زیادہ دور ان کا تعاقب نہیں کر سکتے۔"

"جناب مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ ابھی وقت ہے۔"

"میں دو شرائط پر آپ کے ساتھ چند سوار بھیج سکتا ہوں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ آپ پانڈی چری کی حدود سے آگے ان کا پیچھا نہیں کریں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اگر آپ کو ناکامی ہوئی تو آپ اپنی غفلت اور کوتاہی کی ذمہ داری میری پولیس پر نہیں ڈالیں گے۔"

"جناب میں نے اگر کوئی کوتاہی کی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ میں آپ کی پولیس کا تعاون حاصل نہ کر سکا۔"

گورنر نے کہا۔ "دیکھیے انور علی میسور کی حکومت کا ایک ذمہ دار افسر ہے اور پانڈی چری کے بڑے سے بڑے افسر کو یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ میسور کے ہر آدمی کا احترام کرے۔ ہم یہاں رہ کر سلطان ٹیپو کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے۔ اب بھی میں سختی کے ساتھ آپ کو اس بات کی ہدایت کرتا ہوں کہ اگر وہ لڑکی گرفتار ہو جائے تو بھی انور علی کے ساتھ آپ کا برتاؤ انتہائی دوستانہ ہونا چاہیے۔ میں اپنا سیکرٹری آپ کے ساتھ بھیج دیتا ہوں اور وہ پولیس کے چند سوار آپ کے ساتھ روانہ کر دے گا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر انور علی صحیح حالات سے واقف ہونے کے باوجود لڑکی کو پناہ دے چکا ہے تو اب پانڈی چری کی ساری فوج اور پولیس اس کا کھوج لگانے میں کامیاب نہیں ہو گی۔"

"اس صورت میں آپ میسور کی حکومت سے یہ مطالبہ نہیں کر سکیں گے کہ وہ ہمارے مجرم ہمارے حوالے کر دے؟"

”نہیں، میسور میں پناہ لینے کے بعد وہ ہماری دسترس سے باہر ہوں گے۔“

☆☆

دوپہر کے وقت انور علی نے گھنے جنگل میں ایک ٹیلے کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جین بری طرح نڈھال ہو کر اپنے گھوڑے کی زین پر جھکی ہوئی تھی۔ اور اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

”میں بہت تھک گئی ہوں۔“ اس نے سراپا التجا بن کر کہا۔ ”اگر یہاں کوئی خطرہ نہ ہو تو تھوڑی دیر ٹھہر جائیے۔“

انور علی نے کہا۔ ”ابھی ہم خطرے کی حدود سے باہر نہیں نکلے تاہم آپ کی خاطر ہمیں کچھ دیر رکنا پڑے گا۔ اس ٹیلے کے پار ایک نالہ ہے اور اس کے کنارے آپ تھوڑی دیر آرام کر سکیں گی۔“

تھوڑی دیر بعد وہ ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے اور سامنے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا نالہ دکھائی دے رہا تھا۔

انور علی نے کہا۔ ”دلاور خاں تم یہیں ٹھہرو، اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو ہمیں خبردار کر دینا۔“

جین نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ ”مجھ سے اب زین پر نہیں بیٹھا جاتا۔ میں پیدل چلوں گی۔“

انور علی نے جلدی سے نیچے اُتر کر دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور جین لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ساتھ ٹیلے سے نیچے اترنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پل سے چند قدم دور ایک طرف ہٹ کر نالے کے کنارے رکے۔ جین سرسبز گھاس پر بیٹھ گئی۔ اور انور علی نے گھوڑوں کو پانی پلانے کے بعد ایک

جھاڑی کے ساتھ باندھ دیا پھر اس نے خورجین سے ایک پیالہ نکالا اور نالے سے پانی بھر کر جین کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ پیاس محسوس کر رہی ہیں؟''

اُس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے انور علی کے ہاتھ سے پانی کا پیالا پکڑ لیا۔

انور علی نے کہا۔ ''اور آپ کو بھوک بھی ہے؟''

اس نے جواب دیا۔ ''ہاں، میں ایک مدت کے بعد پہلی بار بھوک محسوس کر رہی ہوں۔''

انور علی نے ایک درخت کے چند پتے توڑے اور نالے کے پانی سے دھونے کے بعد جین کے آگے بچھا دیے۔

جین بدحواسی سی ہو کر کہنے بولی۔ ''موسیو! یہ کھانے کی چیز ہے؟''

''نہیں نہیں۔'' انور علی نے اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ آپ کے کھانے کے برتن ہیں۔'' پھر وہ دوبارہ اپنے گھوڑے کے قریب پہنچا اور خورجین سے ایک روغنی روٹی نکال کر لے آیا اور پتوں پر رکھتے ہوئے بولا۔ ''لیجیے کھانا آ گیا۔''

''آپ نہیں کھائیں گے؟''

''نہیں میں کھا چکا ہوں''

جین نے چند نوالے کھانے کے بعد کہا۔ ''یہ بہت لذیز ہے لیکن کیمپ سے روانہ ہوتے وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کھانا بھی ساتھ لیے جا رہے ہیں۔''

''میں نے جہاز کی اطلاع پاتے ہی اپنے سفر کے لیے چند ضروری انتظامات کر لیے تھے۔''

"آپ کو یہ کیسے معلوم تھا کہ میں اس جہاز پر آ رہی ہوں؟"

"میں ہر نئے جہاز کی آمد پر یہ اُمید لے کر بندرگاہ پر جاتا تھا کہ آپ آ رہی ہیں۔ پہلے تو میں اپنے گھوڑوں پر زینیں بھی ڈلوا رکھتا تھا۔ صرف اس دفعہ تھوڑی سی کوتاہی ہو گئی۔"

جین نے چند اور نوالے کھانے کے بعد کہا۔ "موسیو مجھے اس ملک کی رسومات کا کوئی علم نہیں۔ یہ روٹی میری ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ اگر میں ساری نہ کھا سکوں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟"

انور علی ہنس پڑا۔ وہ دونوں ہنس پڑے۔ پھر جین اچانک سنجیدہ ہو کر بولی۔ "موسیو، میں بہت مدت کے بعد ہنس رہی ہوں۔ یہاں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"یہاں کوئی خطرہ نہیں آپ جی بھر کر ہنس سکتی ہیں۔"

جین نے کہا۔ "اگر انسپکٹر برنارڈ کو پتہ چل گیا تو وہ ضرور ہمارا پیچھا کرے گا۔"

"بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں۔ لیکن اگر اس نے ہمارا پیچھا کیا تو بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ اطمینان سے آرام کریں۔ میرا نوکر ٹیلے پر پہرا دے رہا ہے۔"

جین نے ذرا پیچھے ہٹ کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا لی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ اور چند منٹ کے بعد وہ بچے کی طرح سو رہی تھی۔

انور علی نے نالے کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے درخت کے ساتھ بندھے ہوئے گھوڑے کھولے اور ان کی باگیں پکڑ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جین کو جگانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ٹیلے کی طرف سے گھوڑے

کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دلاور خاں بڑی تیزی سے اس کی طرف آرہا تھا۔

"کیا بات ہے دلاور خاں؟" انور علی نے بلند آواز میں کہا۔

دلاور خان نے قریب آ کر گھوڑا روکا اور جواب دیا۔ " آٹھ دس سرپٹ سوار اس طرف آ رہے ہیں۔ میں نے انہیں ٹیلے سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر دیکھا ہے۔"

جین نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا بات ہے؟"

کچھ نہیں آپ اپنا گھوڑا سنبھال لیں۔" جین نے بھاگ کر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لیل اوور انور علی نے دلاور خاں کی طرف مُتوجہ ہو کر کہا "تم پل کے پار جا کر ان کا انتظار کرو اور وہ تمھیں دیکھ لیں تو ایک ہوائی فائر کرنے کے بعد بھاگ نِکلو ان مین سے کسی کا گھوڑا تمھارے گھوڑے کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ راستہ انگریزوں کی چوکی کی طرف جاتا ہے۔ اس پُل سے دو تین میل آگے تم انہیں چکمہ دے کر دائیں ہاتھ مُڑ جانا اور جنگل میں روپوش ہو جاؤ۔ اگر وہ انگریزوں کی چوکی کے قریب پہنچ گئے تو انگریز ان سے نپٹ لیں گے۔ ہم اس نالے کے ساتھ ساتھ جنگل میں سفر کریں گے۔ اور پھر یہاں سے کوئی دو میل دور نالے کے دوسرے کنارے پہنچ کر تمہارا انتظار کریں گے۔"

دلاور خاں کو ہدایت دینے کے بعد انور علی جین کی طرف متوجہ ہوا۔ "چلیے"

جین ان کی زبان سے ناواقفیت کے باوجود یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ کوئی خطرہ درپیش ہے۔ اس نے کہا۔ " موسیو، مجھے ڈر ہے کہ میں اب گھوڑے پر آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔"

ابھی آپ کو چھوڑے پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں۔آپ اطمینان سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر میرے پیچھے چلتی رہیں۔"

جین اس کے پیچھے چل دی اور وہ جنگل میں روپوش ہو گئے۔چند قدم دور جا کر وہ رک گئے۔اور دم بخود ہو کر ٹیلے کی طرف گھوڑوں کی ٹاپ سننے لگے۔ پھر انہیں بندوق کا دھما کا سنائی دیا۔اور اس کے بعد گھوڑوں کی آہٹ بتدریج کم ہونے لگی۔

انور علی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔"اب آپ کا خطرہ گزر چکا ہے۔مجھے یقین ہے کہ وہ اندھا دھند انگریزوں کی چوکی کے قریب پہنچ جائیں گے۔ اور وہاں سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ واپس آئیں گے۔"

"لیکن آپ کا ساتھی؟"

"اسے کوئی خطرہ نہیں، وہ تھوڑی دیر بعد جنگل میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا۔چلیے اب ہمیں کچھ دور اس جنگل میں چلنا پڑے گا۔آپ کو تکلیف تو ہو گی۔لیکن ابھی کچھ عرصہ ہمارے لیے کنارے سے دور رہنا ضروری ہے۔نالہ عبور کرنے کے بعد ہمارا سفر نسبتاً آسان ہو جائے گا اور آپ آزادی سے گھوڑے پر سفر کر سکیں گی۔"

جین نے کہا۔"مجھے سواری کا قطعاً شوق نہیں۔ میں پیدل چلنے میں زیادہ آسانی محسوس کرتی ہوں۔"

جنگل بہت گھنا تھا اور تناور درختوں کے نیچے پھیلی ہوئی جھاڑیوں اور طرح طرح کی بیلوں نے اسے اور بھی دشوار گزار بنا دیا تھا۔بعض مقامات پر انور علی کو اپنی تلوار سے ایک دوسرے کے ساتھ اُلجھی ہوئی شاخوں کو کاٹ کر راستہ بنانا پڑتا تھا۔ جین بڑی مشکل سے اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

قریباً ایک گھنٹہ چلنے کے بعد اُن کے گھوڑوں نے اچانک کان کھڑے کر لیے اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ انور علی نے جلدی سے اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور کندھے سے بندوق اُتار کر سامنے جھاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' جین نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''خاموش'' انور علی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھے بغیر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

ایک ثانیہ بعد انہیں شیر کے غرانے کی آواز سنائی دی۔ جین سکتے کے عالم میں کھڑی تھی۔ اچانک سامنے جھاڑی میں جنبش پیدا ہوئی اور شیر کے غرانے کی آواز بند ہوگئی۔ انور علی اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جین کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''آپ نے شیر دیکھا؟''

لیکن جین کی قوتِ گویائی جواب دے چکی تھی۔ انور علی مسکرایا۔ ''ڈرنے کی کوئی بات نہیں وہ جا چکا ہے۔''

جین نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ لیکن اُس کی آواز بہت خوفناک تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم پر حملہ نہیں کیا۔''

وہ بھوکا نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے اس کا شکار پڑا ہوا ہے۔''

''آپ نے بندوق نہیں چلائی؟''

''اس کی ضرورت نہ تھی۔''

''آپ نے کبھی شیر مارا ہے؟''

''بہت دفعہ''

''یہ خوفناک جنگل کب ختم ہوگا؟''

"یہ جنگل بہت بڑا ہے لیکن اب تھوڑی دور آگے نالہ عبور کرنے کے بعد آپ کی مشکلات ختم ہو جائیں گی۔"

چند منٹ بعد وہ جنگل سے نکل کر نالے کے کنارے نمودار ہوئے اور انور علی نے کہا۔"اب آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ ہمیں یہاں سے نالہ عبور کرنا ہے۔"

"پانی زیادہ گہرا تو نہیں؟"

"نہیں" انور علی نے اپنے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا۔" آپ اپنا گھوڑا میرے پیچھے رکھیں۔"

جین نے کچھ کہے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کی اور وہ کمر برابر پانی میں سے گزر کر نالے کے پار پہنچ گئے۔ اس کے بعد کوئی آدھ میل دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے کے بعد انور علی اپنا گھوڑا روک کر نیچے اُتر پڑا اور جین کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔" اب ہمیں یہاں اپنے ساتھی کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

جین نے کہا۔" اُسے یہ کیسے معلوم ہو گا کہ ہم یہاں ہیں؟"

"میں نے اسے بتا دیا تھا کہ ہم دو میل چلنے کے بعد اس کا انتظار کریں گے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ ہم نے ابھی تک صرف دو میل کا فاصلہ طے کیا ہے؟ جین نے حیران ہو کر پوچھا"۔

"ہاں جنگل میں ہماری رفتار بہت سست تھی۔ لیکن دلاور خاں کو اس وقت تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

جین گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ کوئی پندرہ منٹ بعد انہیں جنگل میں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ انور علی نے کہا۔ لیجیے وہ آ گیا۔" اور جین اُٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دلاور خاں درختوں سے نمودار ہوا اور انور علی نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔تم نے بہت دیر لگائی۔"

"جناب خدا کا شکر ہے کہ اپ مل گئے ہیں۔مجھے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس طرف ہے۔ میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ واپس مڑوں اور دوبارہ پل کے قریب پہنچ کر نالے کے کنارے کنارے اس طرف آؤں۔"

"ہمارا پیچھا کرنے والوں کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟"

"جناب وہ تو اب واپس پانڈی چری کے قریب پہنچ چکے ہوں گے۔میں انہیں چکمہ دے کر انگریزوں کی چوکی کے بالکل قریب لے گیا تھا۔اس کے بعد پگڈنڈی کے قریب جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر اپنی آنکھوں سے ان کی بدحواسی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔وہ بے تحاشا گھوڑے بھگاتے واپس آرہے تھے اور انگریز سواروں کا ایک دستہ ان کے پیچھے تھا۔جب وہ گزر گئے تو میں وہاں سے کھسک آیا۔میں یہ نہیں دیکھ سکا۔کہ فرانس کی پولیس کا کوئی آدمی زخمی ہوا یا نہیں۔بہر صورت انگریز ان پر بے تحاشا گولیاں برسا رہے تھے۔"

جین کے استفسار پر انور علی نے فرانسیسی زبان میں اسے اپنے نوکر کی کارگزاری سنادی اور اس کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔اس نے کہا۔" موسیو! مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے انسپکٹر برنارڈ کی پسپائی کا تماشا نہ دیکھ سکی۔"

انور علی نے کہا۔"چلیے اب دیر ہو رہی ہے۔"

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔اور انور علی نے کہا۔" دلاور خاں ہمیں شام سے پہلے کسی محفوظ جگہ پہنچنا ہے۔ اب تم ہماری رہنمائی کرو۔"

دلاور خاں نے کہا اس جنگل میں تھوڑی دور آگے ایک پگڈنڈی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ کرشنا گری کے راستے سے جا ملتی ہے۔''

''چلو!''

☆☆

غروبِ آفتاب کے وقت چند میل اور طے کرنے کے بعد یہ لوگ ایک پہاڑی کے دامن رُکے اور انور علی نے جین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔'' اب رات ہونے کو ہے اور آگے چند میل تک جنگل زیادہ گھنا ہے اس لئے ہمیں صبح تک یہیں قیام کرنا پڑیگا۔

وہ گھوڑوں سے اتر پڑے جین ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور انور علی اور دلاور خان گھوڑوں کو ایک جھاڑی کے ساتھ باندھنے اور ان کی زینیں اتارنے میں مصروف ہو گئے پھر انہوں نے پاس شفاف پانی کے ایک چھوٹے سے چشمے سے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے جب وجب وہ نماز سے فارغ ہوئے تہ جین پتھر پر بیٹھنے کی بجائے نڈھال سی ہو کر زمین پر لیٹی ہوئی تھی انور علی نے گھوڑوں کی زینوں کے دو نمدے نکال کر اس کے قریب بچھا دیے اور تیسرا نمدہ لپیٹ کر تکیے کی جگہ رکھتے ہوئے کہا آپ شاید زمین پر سونے کی عادی نہ ہوں مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کے لئے اس سے بہتر بچھونے کا انتظام نہیں کر سکتا۔ آپ کچھ کھا لیں اور اطمینان سے سو جائیں۔

جین نمدے پر بیٹھ گئی اور انور علی نے اپنا رومال اس کے سامنے بچھا دیا اور پھر خود جین سے ایک روغنی روٹی نکال کر رومال پر رکھتے ہوئے کہا یہ وہی کھانا ہے جو آپ نے دوپہر کے وقت کھایا تھا مجھے افسوس ہے کہ ہم راستے میں آپ کے لئے

کوئی شکار بھی تلاش نہیں کر سکے۔

یہ روٹی بہت لذیذ ہے جین نے بے تکلفی سے نوالہ توڑتے ہوئے کہا اپ نہیں کھائیں گے؟ ہم بھی کھالیں کیے میرے تھیلے میں ابھی کافی روٹیاں پڑی ہیں۔

جین نے چند لقمے کھانے کے بعد باقی روٹی رومال میں لپیٹ کر ایک طرف رکھ دی پھر اٹھ کر چشمے سے پانی پیا اور واپس آ کر بیٹھ بیٹھ گئی لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے انور علی کی طرف دیکھا اور کہا موسیو میں موت سے نہیں ڈرتے لیکن نیند کی حالت میں موت کا تصور میے لئے بہت بھیانک ہے آپ کو یقین ہے کہ رات کے وقت یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں میرا مطلب ہے کہ بے خبری کی حالت میں شیر چیتے یا بھڑیے تو ہم پر حملہ نہیں کر دیں گے؟

انور علی نے جواب دیا نہیں آپ اطمینان سے سو جائیں

جین نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا آپ کا ساتھی کہاں گیا ہے۔

وہ آگ جلانے کیلئے خشک لکڑیاں جمع کر رہا ہے ہاں موسیو آگ ضرور جلا دیجئے مجھے اس تاریکی سے بہت خوف آتا ہے

یہ کہہ کر وہ دنیا و مافیا سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ چند گھنٹے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے قریب ہی آگ کا ایک الاؤ دکھائی دیا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی انور علی چند قدم دور اپنے ہاتھ میں بندوق تھامے ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا آگ کر روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جین دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہی گزشتہ واقعات اسے ایک خواب معلوم ہوتے تھے یہ نوجوان جو چند گھنٹے قبل اس دے لئے اجنبی تھا اب برسوں کا ساتھی معلوم ہوتا تھا وہ اس کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی۔ کہ تم فرشتے ہو لیکن تشکر اور احسان مندی کے سینکڑوں الفاظ اس کی

زبان تک آ کر رک گئے۔ وہ دبی زبان میں موسیو سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

انور علی نے چونک اُس کی طرف دیکھا اور اُس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ جین نے کہا "موسیو اب کیا وقت ہوگا؟"

انور علی نے جواب دیا۔ "آدھی سے زیادہ رات گزر چکی ہے۔"

"آپ کا ساتھی کہاں ہے؟"

انور علی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، وہ سو رہا ہے۔"

جین نے کہا، "میں بڑی مدت کے بعد اتنی گہری نیند سوئی ہوں مجھے وقت کا احساس تک نہیں رہا۔ اپ شاید بالکل نہیں سوئے۔"

"میں پہرہ دے رہا تھا۔ اب دلاور خاں کی باری ہے؟"

"موسیو مجھے پیاس محسوس ہوتی ہے۔"

"میں ابھی پانی لاتا ہوں۔" انور علی یہ کہہ کر ایک پیالہ اٹھایا اور چشمے سے بھر لایا۔ جین نے پانی پینے کے بعد کہا۔ "یہ جنگل کب ختم ہوں گے؟"

انور علی مسکرایا۔ "آپ جنگل سے بہت ڈرتی ہیں؟"

"نہیں موسیو۔ اب آپ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مجھے ڈر محسوس نہیں ہوگا۔"

انور علی نے کہا۔ "میرے لیے یہ تکلیف دہ راستہ اختیار کرنا ایک مجبوری تھی۔ ارکاٹ کی حدود میں جگہ جگہ انگریزوں کی چوکیاں ہیں۔ اگر ہم دوسرا راستہ اختیار رکرتے تو ممکن تھا کہ آپ کو کسی چوکی پر روک لیا جاتا اور پھر ان سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ وہ اپ کے متعلق پانڈی چری کی پولیس سے استفسار کرتے اور آپ کو ان کے حوالے کر دیتے لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ کل دوپہر یا شام تک ہم جنگل

سے نکل کر ایک آباد علاقے میں پہنچ جائیں گے۔ آپ سو جائیں ہمیں علی الصباح یہاں سے کوچ کرنا ہے۔"

انور علی دلاور خاں کی طرف بڑھا اور اسے جگانے کے بعد جین سے چند قدم دور ایک گھوڑے کی زین پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ جین کچھ دیر بیٹھی اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچتی رہی اور رات کی ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے نہایت خوشگوار تھے۔ آسمان صاف تھا اور ستارے معمول سے زیادہ بڑے اور چمکدار معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر گہری نیند سو رہی تھی۔

☆☆

اگلے دن یہ لوگ چند چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں عبور کرنے کے بعد ایک وادی کے گنجان جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ اچانک انور علی اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کر کے دبے پاؤں ایک طرف بڑھا اور گھنی جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ جین بدحواس ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ لیکن دلاور خان کے چہرے پر نہایت درجے کا اطمینان تھا۔ اچانک جنگل میں بندوق کی آواز سنائی دی۔ اور جین چلا چلا کر دلاور خاں سے کچھ پوچھنے لگی۔ دلاور خاں فرانسیسی زبان سے ناواقف تھا۔ اس نے چند بار شکار شکار کہہ کر جین کو تسلی دینے کی کوشش کی اور پھر اشاروں سے سمجھانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اس نے پہلے اپنی دونوں کہنیاں کانوں کے ساتھ جوڑ کر ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ پھر گلے میں لٹکی ہوئی بندوق اُتار کر ایک طرف نشانہ باندھا اور بالآخر ایک چھوٹا سا خنجر نکال کر اپنی گردن پر پھیرتے ہوئے کہا۔ شکار شکار، جین کے لیے اُس کی زبان کی طرح اُس کے اشارے بھی ایک معما تھے۔ اور وہ انتہائی اضطراب اور بے بسی کی حالت میں اُس کی

طرف دیکھ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ندی کے کنارے آگ جلا کر ہرن کا گوشت بھون رہے تھے۔ پاس ہی ایک درخت کی شاخوں پر چند بندر کود رہے تھے۔ جین اپنی جگہ سے اٹھی اور درخت کے نیچے جا کر بندروں کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک اسے جنگل کی طرف جھاڑیوں میں کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور ایک ثانیے کے لیے مبہوت سی ہو کر رہ گئی۔ پھر چیخ مار کر وہاں سے بھاگی۔ انور علی اور دلاور خاں بندوقیں اٹھا کر اس کی طرف دوڑے۔ جین نے سراسیمگی کی حالت میں انور علی کا بازو پکڑ لیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اُس کی قوتِ گویائی سلب ہو چکی تھی۔ دہشت کے باعث اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ انور علی چند ثانیے جنگل کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر ایک مسکراہٹ کے ساتھ جین کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''ارے یہ تو ہاتھی ہیں آپ اس قدر ڈر گئیں۔''

انور علی کی مسکراہٹ نے جین کا خوف کسی حد تک دور کر دیا اور اس نے کہا۔ آپ ہاتھی کو خطرناک نہیں سمجھتے؟''

''نہیں''

''تو پھر آپ کس چیز کو خوفناک سمجھتے ہیں؟''

انور علی مسکرایا۔ ''میں صرف آپ کا چیخیں مار کر بھاگنا خطرناک سمجھتا تھا۔ ایسی حالت میں جنگل کے جانور عام طور پر بدحواس ہو کر حملہ کر دیتے ہیں۔''

پانچ چھ ہاتھیوں کا ریوڑ چنگھاڑتا اور جھاڑیوں کو روندتا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ جین نے کہا۔ '' مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بلاوجہ پریشان کیا۔ لیکن جو ہاتھی میں نے دیکھا تھا وہ بہت ہی بڑا تھا۔''

انور علی نے کہا۔ ”جنگل میں ہر ہاتھی پہلی بار بہت بڑا نظر آتا ہے۔ چلیے آپ کا کھانا تیار ہے۔“

☆☆

میسور کی حدود میں داخل ہونے کے بعد جین یہ محسوس کر رہی تھی کہ ماضی کے تاریک سائے اس کا پیچھا چھوڑ چکے ہیں۔ اب اس کے آگے گھنے جنگلوں کے دشوار گزار راستوں کی بجائے کشادہ سڑکیں تھیں۔ میسور کی پہلی چوکی سے انور علی نے اُس کے لیے ایک بیل گاڑی مہیا کر دی تھی اور کرشنا گری سے آگے وہ ایک آرام دہ پالکی میں سفر کر رہی تھی وہ گھبراہٹ اور پریشانی جو اس نے پانڈی چری سے ایک اجنبی کے ساتھ ساتھ روانہ ہوتے وقت محسوس کی تھی۔ اب دور ہو چکی تھی اور وہ ایسا محسوس کرتی تھی کہ انور علی کو وہ مدتوں سے جانتی ہے۔ ابتدائی منازل میں وہ بار بار اُس سے اس قسم کے سوالات کیا کرتی تھی کہ اب سرنگا پٹم کتنی دور ہے۔ ہم کتنے میل آ چکے ہیں۔ اور کتنے میل باقی ہیں۔ ابھی ہمیں کتنی پہاڑیاں، کتنے دریا اور جنگل عبور کرنے ہیں۔ اب راستے میں خطرناک درندوں کے حملے کا خطرہ تو نہیں؟ لیکن اب اس کے لیے صرف یہ جاننا کافی تھا کہ وہ سفر کر رہی ہے اور انور علی اس کا ساتھی ہے۔

پھر ایک دن وہ دوپہر کے وقت ایک بلند چوٹی سے چند قدم دور رکے۔ تھکے ہوئے کہاروں نے انور علی کا اشارہ پا کر جین کی پالکی زمین پر رکھ دی اور پگڈنڈی کے پاس درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے۔

انور علی اپنے گھوڑے سے اُترا اور لگام دلاور خاں کے ہاتھ میں دے کر جین کی طرف متوجہ ہوا۔ ”ہمارا سفر ختم ہونے والا ہے آپ اس ٹیلے کی چوٹی سے سرنگا پٹم کی

پہلی جھلک دیکھ سکیں گی۔''

جین پالکی سے اُتری اور کسی توقف کے بغیر تیزی سے ٹیلے کی چوتی کی طرف بڑھی۔چند قدم چلنے کے بعد اس نے مڑ کر انور علی کی طرف دیکھا اور کہا۔''آپ نہیں آئیں گے؟''

''اچھا آتا ہوں'' انور علی آگے بڑھا اور جین کے قریب پہنچ کر بولا۔''سرنگا پٹم دیکھنے کے لیے مجھے اس ٹیلے کی چوٹی پر پہنچنے کی ضرورت نہ تھی۔اس شہر کے مناظر ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ ٹیلے کی چوٹی پر کھڑے تھے۔اور جین دم بخود ہو کر سرنگا پٹم کے دلفریب مناظر دیکھ رہی تھی۔ٹیلے سے نیچے کوئی دو میل دور دریائے کاویری بہ رہا تھا اور بلند فصیل کے برج شاہی محل کے کنگرے اور مسجد کے گنبد اور مینار دیکھائی دے رہے تھے۔

انور علی نے کہا۔'' سرنگا پٹم ایک جزیرہ ہے اور دریا کی ایک شاخ اس کی دوسری طرف ہے۔

جین کے ہونٹوں پر ایک دل فریب تبسم تھا اور اس کی آنکھوں میں امید کے چراغ روشن تھے وہ کہہ رہی تھی''یہ میری آخری جائے پناہ ہے۔یہ مرے سپنوں کی جنت ہے آپ نے مجھ پر بہت احسان کیا ہے۔ مجھے اظہارِ تشکر کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ میں ایک بات پر بہت نادم ہوں۔ مجھے اپنا کوئی راز آپ سے نہیں چھپانا چاہیے تھا۔لیکن میں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ لیمبرٹ۔ میرا مطلب ہے لیگرانڈ سے میری شادی نہیں ہوئی۔''

انور علی مسکرایا۔ آپ نے میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ لیگرانڈ

میرا دوست ہے اور وہ مجھے اپنی تمام سرگزشت سنا چکا تھا۔"

جین نے کہا۔ موسیو آپ برا نہ مانیں۔ میں بچپن میں اس ملک کے انسانوں کے متعلق عجیب و غریب باتیں سنا کرتی تھی۔

آپ نے سنا ہو گا کہ ہم وحشی ہیں اور ہم انسانیت کا کوئی احترام نہیں کرتے۔

ہاں اور یہ بھی کہ اس ملک کے لوگوں کی شکلیں بہت خوفناک ہوتی ہیں۔ پاندی چری کی بندرگاہ پر آپ کو دیکھ کر مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ آپ اس ملک کے باشندے ہیں تاہم آپ کے ساتھ چلتے وقت مجھے خوف محسوس ہوتا تھا۔ اگر پولیس کا خوف نہ ہوتا تو میں کسی صُورت آپ کے ساتھ سفر کرنے پر رضامند نہ ہو تی۔ پانڈی چری سے نکلتے وقت مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ آپ کسی جنگل یا صحرا میں پہنچ کر میرا گلا گھونٹ ڈالیں گے۔

اور اب؟

جین مسکرائی۔ ب تو میں دنیا کے آخری کونے تک آپ کے ساتھ کے۔ لیے تیار ہوں انور علی نے سرنگا پٹم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ میری دنیا کا آخری کونہ ہے اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ وہاں پہنچ کر آپ یہ دیکھیں کہ زندگی کی تمام راحتیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ میری والدہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی اور میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک آپ کی شادی نہیں ہوتی آپ ہمارے گھر میں رہیں۔ مجھے شاید وہاں پہنچتے ہی کسی محاذ پر بھیج دیا جائے گا اور میرا چھوٹا بھائی بھی شاید زیادہ عرصہ گھر نہ رہ سکے۔ ہماری غیر حاضری کے دوران میں آپ میری والدہ کی جوئی کر سکیں گی مجھے یقین ہے کہ لیگرانڈ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

جین کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ اس نے کہا۔ اگر میں آپ کی دعوت

قبول نہ کروں تو یہ شکر گزاری ہوگی۔ اگر آپ دعوت نہ دیتے تو بھی سرنگا پٹم میں میرے لیے آپ کا سہارا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ آپ کا گھر کس طرف ہے؟

انور علی نے شہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ان درختوں کے پیچھے ہے۔ لیکن آپ یہاں سے نہیں دیکھ سکیں گی۔ اب چلیے انور علی یہ کہ کر پہاڑی سے نیچے اترنے لگا اور جین اُس کے پیچھے چل پڑی۔ چند منٹ بعد وہ اپنی پالکی پر سوار ہو رہی تھی۔

☆☆

غروبِ آفتاب سے پہل کچھ دیر پہلے فرحت اور مراد علی مکان کی بلائی منزل کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔منور خاں ایک صندوقچہ اٹھائے بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ بی بی! انور علی صاحب آگئے ہیں۔ دلاور خاں بھی آگیا ہے۔ وہ ایک میم کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔

مراد علی اپنی کرسی سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل کر زینے کی طرف بڑھا۔ نیچے اُتر کر صحن میں داخل ہوتے ہی اُسے انور علی اور جین دکھائی دیے اور وہ بھاگ کر بے اختیار اپنے بھائی سے لپٹ گیا۔

فرحت برآمدے میں نمودار ہوئی۔انور علی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سلام کرنے کے بعد کہا۔ امی جان میرے ساتھ ایک مہمان ہے۔

فرحت نے کہا۔ آؤ بیٹی ہمیں تمہارا انتظار تھا۔

انور علی نے فرانسیسی زبان میں کہا۔ امی جان آپ کا خیر مقدم کرتی ہیں۔

جین مغربی آداب کے مطابق جھک گئی اور فرحت نے شفقت سے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیئے۔

اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ جین کا تعارف کرانے کے بعد انور علی نے پوچھا۔

"لیگرانڈ کہاں ہے؟"

مراد علی نے جواب دیا۔"بھائی جان وہ فوج میں بھرتی ہونے کے چند دن بعد اپنے کیمپ میں چلا گیا تھا۔ وہ ہر روز ان کے متعلق پوچھنے کے لیے آتا ہے۔ اور جب سے اُسے یہ معلوم ہوا ہے کہ موسیو لالی کی رجمنٹ سرنگا پٹم سے کوچ کرنے والی ہے وہ بہت زیادہ بے چین رہتا ہے۔ میں اسے ابھی اطلاع دیتا ہوں۔"

"ٹھہرو! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں، مجھے سپہ سالار کی خدمت میں حاضری دینی ہے لیکن نہیں، تم یہیں ٹھہرو۔ امی جان کو ان کے ساتھ باتیں کرنے کے لیے ایک مترجم کی ضرورت پڑے گی۔ میں لیگرانڈ کو بھیج دوں گا۔"

ماں نے کہا۔"بیٹا لباس تبدیل نہیں کرو گے؟"

"امی جان میں جو فالتو جوڑے ساتھ لایا تھا وہ اس سے زیادہ میلے ہو چکے ہیں۔ راستے میں انہیں دھلوانے کا موقع نہیں ملا۔"

ماں نے کہا۔"تم جو کپڑے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ وہ سنبھال کر رکھے ہیں۔"

چند منٹ بعد انور علی فوجی مستقر کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور فرحت ایک کمرے میں مراد علی کو اپنا ترجمان بنا کر جین کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد جین اور لیگرانڈ انور علی کے دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے اور جین اسے مریشس سے لے کر سرنگا پٹم تک کے سفر کے واقعات سنا رہی تھی۔

جین کی سرگزشت سننے کے بعد لیگرانڈ نے کہا۔"جین مریشس سے روانہ ہونے کے بعد میری زندگی کا کوئی لمحہ تمہاری یاد سے خالی نہ تھا۔ آج محسوس کرتا ہوں کہ یہ میری نئی زندگی کا پہلا دن ہے۔ میں میسور کی فوج میں بھرتی ہو چکا ہوں۔ اور

چار دن بعد ہمارا دستہ یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔ انور علی چاہتا ہے کہ تم ہماری شادی تک اس کی والدہ کے پاس رہو۔ لیکن اگر تمہیں ان کے ہاں رہنا پسند نہ ہو تو یہاں تمہارے لیے کسی علیحدہ مکان کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

جین نے جواب دیا۔ "میں اُن کی دعوت قبول کر چکی ہوں۔ آپ کو میرے متعلق فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"اگر جنگ نہ چھڑ گئی تو میں واپس آ جاؤں گا اور پھر میری پہلی درخواست یہ ہو گی کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر شادی کر لینی چاہیے۔"

جین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "لیگرانڈ ابھی مجھے اس مسئلہ کے متعلق سوچنے کا موقع نہیں ملا۔ ہمیں کسی اچھے وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ انور علی اور مراد کے ساتھ ایک میز پر کھانا کھا رہے تھے۔ جین کا سفر ان کی گفتگو کا موضوع تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جین بظاہر ان باتوں میں دلچسپی لینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن تھکاوٹ اور نیند کے باعث اس کا بُرا حال تھا۔

لیگرانڈ نے کہا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"میں کچھ تھکاوٹ محسوس کر رہی ہوں۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو تمہیں آرام کرنا چاہیے۔"

جین اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اور انور علی نے کہا۔ "مراد، جاؤ انہیں امی جان کے پاس لے جاؤ۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئے اور انور علی لیگرانڈ کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم نے اپنی شادی کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟"

ہم نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ہماری بٹالین چار دن بعد یہاں سے کوچ کر رہی ہے۔ ان حالات میں شادی کے متعلق ہم کیا سوچ سکتے ہیں؟"

"میں موسیو لالی سے کہوں گا کہ وہ تمہیں شادی کے لیے بہت جلد چھٹی دیدیں۔ تمہیں ین کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ امی جان تمہاری غیر حاضری میں اس کا خیال رکھیں گی۔ مجھے صرف ایک ہفتہ کے لیے یہاں ٹھہرنے کی چھٹی ملی ہے۔ اس کے بعد مجھے ملیبار یا شمالی سرحد کے کسی قلعے کی حفاظت پر متعین کر دیا جائے گا۔"

لیگرانڈ نے پوچھا۔ "آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنی جگہ کسی دوسرے افسر کی آمد کا انتظار کیے بغیر پانڈی چری سے آ گئے ہیں۔ سپہ سالار اس بات پر خفا تو نہیں ہوئے؟"

وہ بہت خفا ہوئے تھے لیکن میں نے تمہاری اور جین کی سرگزشت سنا کر ان کا غصہ دور کر دیا تھا۔ مجھے رخصت کرتے وقت انہوں نے کہا تھا۔ "انور علی، میں تم سے بہت خفا ہوں، میں اپنے کسی افسر سے ایسی کوتاہی برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر تم اس بے بس لڑکی کی مدد سے کوتاہی کرتے تو میں تم سے بہت زیادہ خفا ہوتا۔ تم نے میسور کے سپاہی کی مدد کی ہے۔ اور میں تمہیں شاباش کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ "اب آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔ میں کل ملوں گا۔"

انور علی نے کہا۔ "چلو، میں تم کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ڈیوڑھی سے باہر کھڑے تھے لیگرانڈ نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "موسیو، میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔"

انور علی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے چاند کی روشنی میں اس کی طرف دیکھا۔لیگرانڈ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ بولا” لیگرانڈ تم میرے دوست ہو۔اور میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا؟“



چوتھا باب

بلقیس اپنی بیٹیوں اور گاؤں کی چند عورتوں کے ساتھ مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ خادمہ نے چلمن اٹھا کر اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ ”بی بی جی خاں صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔“

بلقیس اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی اور خادمہ نے ڈیوڑھی کے پاس ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”خاں صاحب وہاں ہیں اور ان کے ساتھ ایک مہمان بھی ہے۔“

بلقیس کشادہ صحن عبور کرنے کے بعد کمرے کے دروازے کے قریب رکی اور ایک ثانیہ اندر جھانکنے کے بعد پریشان سی ہو کر ایک طرف ہٹ گئی۔ کمرے سے اکبر خاں کی آواز سنائی دی۔ ”بلقیس اندر آؤ، یہ مراد علی ہے۔“

بلقیس کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور وہ اپنے دل میں خوش گوار دھڑکنیں محسوس کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ مراد علی، ”چچی جان، السلام علیکم!“ کہہ کر اپنی کرسی سے اُٹھا اور مودب کھڑا ہو گیا۔ کوشش کے باوجود بلقیس اپنے منہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ اور اس نے ایک لمحہ توقف کے بعد آگے بڑھ کر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ مراد علی کے سر پر رکھ دیے۔ اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مراد تم اکیلے ہو؟“

”ہاں چچی جان، بھائی جان انور علی گھر سے باہر تھے اور انہیں چھٹی نہیں مل سکی۔“

بلقیس نے کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ تمہاری امی جان ضرور آئیں گی۔“

”چچی جان وہ آنے کے لیے تیار تھیں لیکن ان کی صحت اس قابل نہ تھی کہ وہ

اتنا طویل سفر کر سکتیں، وہ کہتی تھیں کہ جب شہباز کی شادی ہو گی تو میں ضرور آؤں گی۔"

اکبر خاں نے کہا۔ "بلقیس بیٹھ جاؤ، اور وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ مراد علی بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایک کمسن لڑکی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی لیکن اچانک مراد علی کو دیکھ کر جھجکتی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی اور اکبر خاں کی کرسی کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی۔

اکبر خاں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ثمینہ، یہ تمہارے سرنگا پٹم والے بھیا مراد علی ہیں۔ وہ اتنی دور سے تمہیں دیکھنے آئے ہیں اور تم نے انہیں سلام بھی نہیں کیا؟"

ثمینہ کی آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں اور وہ بھائی جان اسلام علیکم" کہہ کر پورے انہماک کے ساتھ مرد علی کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر وہ جھجکتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور باہر نکل کر پوری رفتار سے بھاگنے لگی۔ آن کی آن میں وہ صحن عبور کرنے کے بعد ایک اور کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کی بڑی بہن تنویر اپنی سہیلیوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ ثمینہ ہانپتی ہوئی آگے بڑھی اور بے اختیار اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس نے اپنا منہ تنویر کے کان سے لگا دیا۔ تنویر نے اُسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "پگلی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، انسانوں کی طرح بات کرو۔"

لیکن ثمینہ دوبارہ اس کے ساتھ لپٹ گئی اور سرگوشی کے انداز میں بولی۔ آپا جان وہ آگئے ہیں۔"

"کون آگئے ہیں؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔

دوسری بولی "ارے ثمینہ یہ کہہ رہی ہے کہ برات والے آگئے ہیں۔"

کمرہ تنویر کی سہیلیوں کے قہقہوں سے گونج اٹھا اور وہ لہو کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

ایک لڑکی نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے۔" اری ثمینہ سچ بتاؤ کون آیا ہے؟"

لیکن ثمینہ نے جھٹک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور تنویر کی طرف متوجہ ہو کر پوری قوت سے چلائی۔" آپا جان سرنگا پٹم والے بھائی جان مراد علی آ گئے ہیں۔"

تنویر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی اور اس نے ثمینہ کو بازو سے پکڑ کر قریب بٹھا لیا۔

دوسرے کمرے میں اکبر خاں اور بلقیس کچھ دیر مراد علی سے باتیں کرتے رہے۔ بالآخر اکبر خاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔"میں ذرا باہر مہمانوں کو دیکھوں۔"

بلقیس نے کہا۔" آپ ماموں جان کو دیوان خانے میں بھیج دیں۔ وہ بڑی بے تابی سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔"

اکبر خاں نے جواب دیا۔"ماموں جان کے ساتھ آتے ہی ان کی ملاقات ہو گئی تھی۔"

مراد علی نے کہا۔" چچا جان! بھائی شہباز کہاں ہیں؟"

وہ باہر خیمے نصب کروا رہا ہے میں ابھی اُسے بھیجتا ہوں۔"

مراد علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔" چچا جان میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازے کے پاس پڑی ہوئی ریشمی کپڑے کی ایک گٹھڑی اُٹھائی اور بلقیس کے قریب ایک کرسی پر رکھتے ہوئے کہا۔" چچی جان، امی جان نے کچھ چیزیں بھیجی ہیں۔"

اکبر خاں نے کہا۔" دیکھو یہ گٹھڑی تمہیں اسی طرح واپس لے جانی پڑے گی۔ میں نے بار بار ان سے تاکید کی تھی کہ وہ کوئی تکلیف نہ کریں۔"

مراد علی نے کہا۔ ''انہوں نے آپ کے لیے کوئی تکلیف نہیں کی۔ چچا جان وہ یہ کہتی تھیں کہ تنویر اور ثمینہ مجھے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ وہ یہ بھی جانتی ہیں کہ خدا نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے لیکن آپ نے اپنی بچیوں کے لیے ان کے تحائف قبول نہ کیے تو انہیں بہت تکلیف ہوگی۔ آپ ہمیں یہ احساس نہ دلائیں کہ ابا جان کی وفات کے بعد ہم کسی قابل نہیں رہے۔''

مراد علی کے یہ الفاظ ایک نشتر کی طرح اکبر خاں کے دل میں اتر گئے اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بیٹا یہ نہ کہو، تمہاری طرف سے ایک چھیتڑا بھی میرے نزدیک دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔''

وہ باہر نکل گئے۔ اور بلقیس نے قدرے تذبذب کے بعد گٹھڑی کھولی۔ گٹھڑی سے ریشم اور زرتار کے چند جوڑوں کے علاوہ صندل کی ایک چھوٹی سی صندوقچی برآمد ہوئی۔ بلقیس نے صندوقچی کا ڈھکنا اٹھایا تو اس کے اندر موتیوں کے ہار، طلائی کنگن اور بالیاں جن میں ہیرے جڑے ہوئے جگمگا رہے تھے۔ صندوقچی میں زیورات کے علاوہ فرحت کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک رقعہ بھی تھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

''میری پیاری بہن!

مجھے اُمید ہے کہ آپ معمولی تحائف قبول فرمائیں گی۔ زرتار کا جوڑا ننھی ثمینہ کیلیے ہے۔ باقی تمام تنویر کے لیے۔ خدا معلوم میں کب تک زندہ رہوں۔ اس لیے میں نے دونوں بہنوں کے لیے چند زیورات بھیجے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بذاتِ خود اس خوشی میں شریک نہیں ہو سکت۔ لیکن میری دعائیں ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں۔''

تمہاری بہن

ثمینہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "امی جان وہ کہاں گئے؟"

بلقیس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ باہر گئے ہیں بیٹی۔"

ثمینہ نے صندوقچی میں ہاتھ ڈال کر موتیوں کا ایک ہار نکالتے ہوئے پوچھا۔ "

امی جان یہ آپا کے لیے ہے؟

ہاں بیٹی! یہ تمہارا سرنگا پٹم والا بھائی لایا ہے اور وہ تمہارے لیے بھی بہت سے زیورات لایا ہے۔ دیکھو۔"

"اور میرے لیے کپڑے بھی لایا ہے۔"

"ہاں"

"ہار بھی؟"

"ہاں! وہ تمہارے لیے کنگن، بالیاں اور انگوٹھی بھی لایا ہے۔"

ثمینہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "لیکن شہباز بھیا میرے لیے کبھی کوئی چیز نہیں لاتے۔ الٹا مجھے ڈانٹا کرتے ہیں۔ اب اگر انہوں نے مجھے کچھ کہا تو میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تم کہاں جاؤ گی؟" بلقیس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

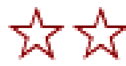
"میں سرنگا پٹم چلی جاؤں گی" یہ کہتے ہوئے ثمینہ نے موتیوں کا ہار اپنے گلے میں ڈال لیا۔

بلقیس نے کہا۔ "اگر سرنگا پٹم میں کسی نے ڈانٹ دیا تو؟"

"تو پھر میں وہاں بھی نہیں رہوں گی۔ میں ادھونی والی خالہ جان کے پاس چلی جاؤں گی۔"

بلقیس نے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر انہوں نے نہ آنے دیا تو؟"

"واہ جی وہ کیسے نہیں آنے دیں گے۔ میں ان کے برتن توڑ ڈالوں گی۔ میں یہ کہوں گی کہ میں چھت پر چڑھ کر چھلانگ لگا دوں گی اور وہ ہاتھ جوڑ کر مجھے رخصت کریں گے۔



اکبر خان کی بستی میں پہنچے کے چند گھنٹے بعد مراد علی کے دل سے اجنبیت کا احساس دور ہو چکا تھا۔ وہاں ایسے لوگ موجود تھے۔ جن کے دل پر اس کے باپ کی یاد نقش تھی یہ لوگ اپنے بچوں کو اپنے ماضی کی جو داستانیں سنایا کرتے تھے۔ ان میں روہیلہ سورماؤں کے ساتھ معظم علی کا ذکر بھی آتا تھا۔ اس کی شکل وصورت اور اس کی جرات ومردانگی ان لوگوں کی کہانیوں اور گیتوں کا مستقل موضوع بن چکی تھی اور جب انھوں نے اکبر خان کی زبانی اس کی شہادت کی خبر سنی تھی تو انھوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ان کا ایک عزیز ترین دوست دُنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

ان لوگوں کے لیے معظم علی کے بیٹے کی آمد کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جوان، بچے اور بورھے مراد علی کے راستے میں آنکھیں بچھاتے تھے۔ وہ گھر سے باہر نکلتا تو عقیدت مندوں کا ایک ہجوم اس کے گرد جمع ہو جاتا۔ جن لوگوں نے اپنی آنکھوں سے اس کے باپ کی دیکھا تھا وہ کہتے تھے اس کی صُورت اس کی چال اس کی گفتگو اپنے باپ جیسی ہے۔

اکبر خاں کا بیٹا شہباز خان اس کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی بے تکلف ہو چکا تھا۔ وہ ایک قومی ہیکل اور خوش وضع نوجوان تھا اور سردار کا بیٹا ہونے کے باعث اسے قبیلے کے لوگوں میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ آس پاس کی تمام بستیوں میں وہ ایک بہترین سوار اور نشانہ باز مانا جاتا تھا، لیکن اس کی یہ خوبیاں مراد

علی کو متاثر کرنے کے لیے کافی نہ تھیں۔ وہ پہلی ملاقات میں ہی اپنی ذہانت اور تعلیمی قابلیت کا اس پر کوئی اچھا اثر نہ ڈال سکا۔اس نے مراد علی سے متعارف ہوتے ہی پہلے اُسے مکان کے مردانہ حصے میں وہ کمرہ دکھایا جہاں اس نے اپنے شکار کیے ہوئے شیروں اور چیتوں کی کھالیں جمع کر رکھیں تھیں۔پھر اچھی نسل کے گھوڑوں کے متعلق بات چل نکلی اور وہ اسے اپنے اصطبل میں لے گیا۔لیکن تھوڑی دیر بعد جب گاؤں کے لوگ مراد علی کی طرف متوجہ ہونے لگے تو شہباز کا احساسِ برتری آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔اگلے دن مراد علی بستی کی ہر محفل کا موضوع بن چکا تھا۔عام حالات میں شہباز خاں کو اپنے ایک مہمان کی آؤ بھگت پر خوش ہونا چاہیے تھا۔لیکن اسے اپنی چھوٹی سی سلطنت میں کسی اور بادشاہ کی مداخلت پسند نہ تھی۔ایک اچھا سوار، ایک بہترین نشانہ باز، ایک نڈر شکاری اور ایک کامیاب زمیندار ہونے کے علاوہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا اطمینان یہ تھا کہ قبیلے میں اپنے باپ کے بعد اُسے انتہائی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ کمسن لڑکا اس بستی میں پاؤں رکھتے ہی ہر محفل کا چراغ بن چکا ہے۔اُسے زیادہ اُلجھن اس وقت ہوئی جب مراد علی شیخ فخر الدین کے ساتھ میسور، دکن، پونا اور کرناٹک کے سیاسی حالات پر بحث کر رہا تھا اور اس کا باپ بھی انتہائی انہماک سے اس کی باتیں سُن رہا تھا۔

اس محفل کے برخاست ہونے کے بعد جب اسے تنہائی میں مراد علی سے باتیں کرنے کا موقع ملا تو اس نے کہا۔" مراد تم بہت خوش قسمت ہو کہ اس عمر میں اتنا کچھ سیکھ چکے ہو، مجھے افسوس ہے کہ میری تعلیم بالکل ادھوری رہ گئی۔مجھے صرف گاؤں کے مولوی نے چند کتابیں پڑھائی تھیں۔امی جان مجھے حیدر آباد بھیجنا چاہتی

تھیں۔ لیکن میں گھر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ابا جان بھی اس پر خوش تھے کہ میں حیدر آباد جاؤں۔ پھر جب میں بڑا ہوا تو خالو جان نے یہاں آ کر کئی بار اصرار کیا کہ میں ادھونی کی فوج میں شامل ہو جاؤں۔ وہ یہ کہتے تھے کہ میں بہت جلد ترقی کر جاؤں گا۔ لیکن ابا جان ادھونی کی فوج کا نام تک سننا پسند نہیں کرتے۔ وہ الٹا خالو کو سمجھایا کرتے ہیں کہ تم اپنے لڑکے کو سپاہی بنانے کی بجائے کسی اچھے کام پر لگاؤ۔ اب میرے خالو کا لڑکا ہاشم بیگ دو سو سواروں کا سردار بن چکا ہے۔ اور میں یہیں ہوں۔ خالو جان جب بھی آتے ہیں۔ ابا جان سے یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لڑکے پر ظلم کیا ہے۔ اگر یہ فوج میں ہوتا تو ادھونی کے تمام نوجوانوں سے آگے نکل جاتا۔

مراد علی نے کہا۔ ''آپ کو سپاہی بننے کا شوق ہے؟''

شہباز نے جواب دیا۔ ''مجھے گھوڑا دوڑانے اور شکار کھیلنے کے سوا کسی چیز کا شوق نہیں، لیکن ادھونی سے جب بھی ہمارا کوئی رشتہ دار آتا ہے تو وہ پہلا سوال یہی پوچھتا ہے کہ تم فوج میں بھرتی کیوں نہیں ہوتے۔ اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ مجھے بزدلی کا طعنہ دے رہا ہے۔''

مراد علی مسکرایا۔ ''ادھونی کی فوج میں بھرتی ہونے سے کوئی آدمی بہادر نہیں بن جاتا۔ بہادر صرف وہ ہوتے ہیں جو کسی مقصد کے لیے لڑتے ہیں۔ چچا جان برسوں سے ایک سپاہی کا لباس اتار چکے ہیں لیکن ادھونی یا حیدر آباد کی فوج کا کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان سے زیادہ بہادر ہے۔''

شہباز خاں نے کہا قدرے مطمئن ہو کر کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ میرے متعلق ہاشم بیگ کی طرح تمہاری رائے بھی شاید یہی ہو کہ میں اپنی کاہلی کی وجہ سے فوج میں

شامل نہیں ہوا۔"

مراد علی نے جواب دیا۔ "نہیں بھائی جان! میں آپ کے متعلق کبھی بری رائے قائم نہیں کر سکتا اور اگر کبھی ہاشم بیگ نے یہ سوچا کہ اس نے کن مقاصد کے لیے تلوار اٹھائی ہے تو اسے آپ کی بستی کے ایک معمولی کسان کی زندگی بھی قابل رشک نظر آئے گی۔ اگر مجھ سے کوئی یہ کہے کہ تم ادھونی کی فوج کا سپہ سالار بننا چاہتے ہو یا میسور کی بستی میں ایک گمنام کسان کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو میں کسان کی زندگی کو ترجیح دوں گا۔"

شہباز علی کو مراد علی کی یہ بات پسند نہ آئی۔ تاہم وہ اس بات پر ایک طرح کا اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ معظم علی کا بیٹا اسے فوج کا کوئی بڑا عہدے دار نہ ہونے کے باوجود قابلِ احترام سمجھتا ہے۔

مراد علی تنویر کی برات کی آمد سے پانچ دن قبل وہاں پہنچا تھا اور یہ پانچ دن اس کے لیے زندگی کا نا قابلِ فراموش حصہ بن چکے تھے۔ گھر میں ننھی ثمینہ سایے کی طرح اس کے ساتھ رہتی تھی۔ تنویر اس سے پردہ کرتی تھی لیکن بلقیس کو جب کبھی تھوڑی بہت فرصت ملتی وہ اسے اپنے پاس بلا لیتی اور گزرے وقتوں کی باتیں شروع کر دیتی۔

ایک صبح تنویر اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ثمینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ تنویر نے ایک شرارت آمیز تبسم کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ثمینہ یہ کہتی ہیں کہ تمہارے سرنگاپٹم والے بھائی کی ناک چپٹی ہے۔"

"کون کہتی ہے؟" ثمینہ نے غضبناک ہو کر پوچھا۔

"میں کہتی ہوں۔" ثمینہ کی سہیلی نے جواب دیا اور میں یہ بھی کہتی ہوں کہ وہ

گنجا بھی ہے۔"

دوسری سہیلی نے کہا۔"اری میں نے بھی اسے دیکھا ہے اس کا رنگ بالکل سیاہ ہے۔"

"ٹھہرو!" ثمینہ نے منہ بسورتے ہوئے چلمن اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔تنویر نے کہا۔"اب یہ امی جان سے ہماری شکایت کرے گی۔"

چند منٹ بعد تنویر کی ایک سہیلی نے صحن کی طرف دیکھا اور بدحواس ہو کر کہا۔" اری تنویر غضب خدا کا وہ چڑیل اسے اس طرف لا رہی ہے۔"

تنویر نے چلمن کی اوٹ سے صحن کی طرف دیکھا۔ثمینہ مراد علی کا ہاتھ پکڑے دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی اور اُسے کہہ رہی تھی۔" بھائی جان میں نے جھوٹ بولا تھا۔آپ کو امی جان نے نہیں بلایا تھا۔آپ تھوڑی دیر یہاں ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔"

مراد علی کو تذبذب اور پریشانی کی حالت میں چھوڑ کر وہ کمرے میں داخل ہوئی اور بولی اب اچھی طرح دیکھ لو۔"

تنویر نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی اور دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے۔"ثمینہ خدا کے لیے شرم کرو، جاؤ انہیں باہر لے جاؤ ورنہ میں بری طرح پیٹوں گی۔"

ثمینہ تنویر کے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہو کر بولی۔" آپ پھر تو نہیں کہیں گی کہ ان کی ناک چپٹی ہے؟"

"خدا کی قسم بالکل نہیں"

ثمینہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ کمرے سے باہر نکلی اور مراد علی کا ہاتھ

پکڑتے ہوئے بولی۔ ’’آیئے بھائی جان!‘‘

’’کیا بات تھی ثمینہ؟‘‘ اس نے صحن سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

’’کچھ نہیں بھائی جان، وہ مذاق کر رہی تھیں۔‘‘

’’کون مذاق کر رہی تھیں؟‘‘

’’آپا کی سہیلیاں‘‘

’’کس کے ساتھ‘‘

’’میرے ساتھ۔‘‘

’’لیکن تم نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ اپ کو امی جان بلاتی ہیں؟‘‘

’’اس لیے کہ وہ آپ کو اچھی طرح دیکھ لیں۔‘‘

’’کون‘‘

’’وہی جو یہ کہتی تھیں کہ آپ کی ناک چپٹی ہے۔‘‘

’’کون کہتی تھیں؟‘‘

’’آپا جان کی سہیلیاں‘‘

مراد علی نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ’’اور تمہارا خیال کیا ہے کہ میر ناک چپٹی نہیں؟‘‘

ثمینہ نے رک کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور ہنستے ہوئے بولی ’’بالکل نہیں‘‘۔



اکبر خاں کی تیاریوں سے معلوم ہوتا تھا کہ ادھونی کی برات بڑی دھوم دھام سے آنے والی ہے۔ مکان سے باہر ایک کھلے میدان میں خیمے اور شامیانے نصب

کیے جا رہے تھے۔ اکبر خاں اور شہباز خاں دن بھر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے تھے۔ مراد علی کو بیکار بیٹھنا پسند نہ تھا۔ وہ ان کے کام میں ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتا۔ لیکن بستی کے لوگ فوراً مداخلت کرتے اور کہتے، نہیں جی۔ آپ مہمان ہیں، ان کاموں کے لیے ہم موجود ہیں۔ اکبر خاں کو نمائش کس معنی دے نجتے تھی۔ لیکن اذھونی سے اسے اس قسم کے پیغامات مل چکے تھے کہ برات دھوم دھام سے آئے گی اسوا سے اپنی سادگی اور اسے اپنی سادگی کے باوجود کسی کی زبانی یہ سُننا گوارا نہ تھا کہ اس ن اپنی بیٹی کی شادی پر بُخل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ مہمانوں کی آؤ بھگت کے لیے وہ اپنے تمام وسائل جمع کرنے میں مصروف تھا۔ پانچویں روز اکبر خاں کے قبیلے کے لوگ گاؤں سے باہر جمع ہو کر حیرت و استعجاب کے عالم میں برات کے شاہانہ ٹھاٹھ دیکھ رہے تھے تیس ہاتھیوں پر دولھا اور اس کے خاندان کے علاوہ اذھونی کے بڑے بڑے امرا اور سلطنت کے اعلیٰ عہدے دار سوار تھے ہاتھیوں کے پیچھے کوئی پانچ سو آدمی گھوڑں پر سوار تھے اور ان کے پیچھے ساز و سان کی لدی ہوئی گاڑیوں کے ساتھ پیاسہ سپاہیوں نوکروں اور خیمہ برداروں کا ایک ہجوم چلا آ رہا تھا برات کے ساتھ کئی طائفے شہنائیاں بجا رہے تھے اور آتش بازوں کا ایک گروہ گولے اور ہوائیاں چھوڑ رہا تھا،

مہمانوں کی مجموئی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی لیکن اکبر خاں نے قریباً دو ہزار مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست کر رکھا تھا مراد علی کو یہ معلوم تھا کہ دولھا کا باپ اذھونی کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے لیے برات کی شان و شوکت غیر متوقع نہ تھی تاہم یہ بات اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی کہ مہمانوں کے ساتھ اذھونی کے چند باج گزار مرہٹہ سردار بھی تھے۔ اکبر خاں اس کے قریب

کھڑا شیخ فخر الدین سے انتہائی غصے کی حالت میں کہہ رہا تھا۔ ''شیخ صاحب یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ میری لڑکی کی برات پر میری قوم کے بدترین دشمنوں کو لے کر آئیں گے۔ مرزا طاہر بیگ کو مرہٹوں کے متعلق میرے جذبات کا علم تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے یہ حماقت کی ہے۔'' اور شیخ فخر الدین اسے سمجھا رہا تھا۔ ''بیٹا! تم نے ادھونی کے شاہی خاندان سے رشتہ جوڑا ہے۔ اور یہ لوگ ادھونی کے باج گزار ہیں۔ اگر تم طاہر بیگ کو پیغام بھیج دیتے تو وہ یقیناً تمہارے جذبات کا احترام کرتا۔ لیکن اب تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔''

براتی اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں سے اتر کر وسیع شامیانے کے نیچے جمع ہو رہے تھے اور گاؤں کے لوگ ان کے گھوڑے اور ہاتھی سنبھالنے میں مصروف تھے۔

رات کے وقت کھانا کھلانے کے بعد مہمانوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مختلف خیموں میں جگہ دی گئی۔ دولھا اور اس کے خاندان کے بعض افراد اور رادھونی کے چند معززین کو مکان کے مردانہ حصے میں ٹھہرایا گیا۔ مراد علی دیر تک مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف رہا۔ اور بالآخر شامیانے کے نیچے پڑی ہوئی ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ اچانک اسے شہباز خاں کی آواز سنائی دی۔ ''مراد علی! مراد علی!'' اور اس نے جلدی سے اٹھ کر کہا۔ ''بھائی جان میں یہاں ہوں۔ کیا بات ہے؟''

شہباز نے اس کے قریب آ کر کہا۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ چلیے آپ کو ابا جان بلا رہے ہیں۔''

مراد علی اس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد مکان کے مردانہ حصے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے اندر شیخ فخر الدین بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اکبر خاں اس کے قریب دوسری چارپائی پر بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے مراد علی کو

دیکھتے ہی کہا۔ ”بیٹا تم کہاں چلے گئے تھے؟“

”چچا جان میں باہر شامیانے کے نیچے لیٹ گیا تھا۔“

اکبر خاں نے کہا۔ ”تمہارا خیال ہے کہ آج میرے گھر کے اندر تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں؟“

”نہیں چچا جان، میرا خیال تھا کہ یہاں صرف مہمانوں کو ٹھہرنا چاہیے۔“

”میرے نزدیک کوئی مہمان تم سے بہتر نہیں، تم یہاں آرام کرو۔“

مراد علی کچھ کہے بغیر ایک بستر پر لیٹ گیا۔

☆

اگلے روز اکبر خاں کے گاؤں میں ایک میلے کا سا سماں تھا۔ مہمانوں کا ایک گروہ شامیانے کے نیچے جمع ہو کر قوالی سن رہا تھا۔ بعض مہمان اپنے خیموں کے اندر بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔ اور بعض کھلے میدان میں جمع ہو کر نیزہ بازی اور نشانہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لے رہے تھے۔ دولھا اور اس کا باپ چند معززین کے ساتھ حویلی کی چار دیواری کے اندر ایک شامیانے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

ہاشم بیگ ایک خوش وضع نوجوان تھا اور دولھا کے لباس میں ایک شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دائیں طرف شیخ فخر الدین اور اکبر خاں اور بائیں طرف طاہر بیگ اور اس کے خاندان کے چند عمر رسیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مراد علی ہاشم بیگ کے پیچھے ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ملک کے ماضی اور حال کے واقعات پر گفتگو ہو رہی تھی اور ادھونی کے سیاست دان اور فوجی افسر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ کسی نے سلطان ٹیپو کا ذکر چھیڑ دیا اور مراد علی اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سلطان ٹیپو کی ذات کئی زبانوں کے زہر آلودہ تیروں کا

ہدف بن چکی تھی۔

ادھونی کے ایک سردار نے کہا۔ ’’ٹیپو اس ملک کا مغرور ترین آدمی ہے۔ وہ کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے آپ کو حضور نظام الملک سے بھی بڑا سمجھتا ہے۔‘‘

دُوسرا بولا۔ ’’ٹیپو اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے وہ ہماری تہذیب اور روایات کا بدترین دشمن ہے۔ وہ اُونچ اور نیچ کی تمیز مٹانا چاہتا ہے۔ اس کے دربار میں کورنش بجا لانے یا جھک کر سلام کرنے کی ممانعت ہے وہ اپنے سامنے کسی رذیل ترین آدمی کا بھی سر جھکا کر کھڑا ہونا پسند نہیں کرتا وہ اسلام کی آڑ لے کر اس ملک کے شرفاء کو رذیلوں اور بھکاریوں کے ہاتھوں ذلیل کروانا چاہتا ہے۔ میسور میں ادنیٰ اور اعلیٰ کو ایک سطح پر لانے کا جو تجربہ اس نے شروع کیا ہے۔ اس کے نتائج اس ملک کے تمام حکمرانوں کے لیے بے حد خطرناک ہوں گے۔ اس نے اپنی رعایا کے ادنیٰ لوگوں میں ایک نیا احساس پیدا کر دیا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے عوام کسی نہ کسی دن میسور کے حالات سے ضرور متاثر ہوں گے۔ ہم یا تو انھیں اپنے مساوی درجہ دینے پر مجبور ہو جائیں گے یا ہمیں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ان کے ساتھ ایک تباہ کن جنگ لڑنی پڑے گی۔‘‘

ادھونی کے ایک فوجی افسر نے کہا۔ ’’ٹیپو جیسا بے تدبیر انسان ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اس نے ساری دُنیا کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا ہے اور وہ جس طوفان کو مدت سے دعوت دے رہا ہے وہ بہت جلد میسُور کی سرحدوں پر نمودار ہونے والا ہے۔ اس دفعہ ہم اور ہمارے انگریز اور مرہٹہ اتحادی پُرانی غلطیوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اب ہماری پہلی منزل سرنگا پٹم ہو گی۔‘‘

ایک مرہٹہ سردار بولا۔ ’’صاحبان ہمیں اس کی فوجی قوت سے کوئی خطرہ نہی

لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر ہم نے متحد ہو کر اس کے خلاف فوراً کارروائی نہ کی تو چند سال بعد ہمیں پچھتانا پڑے گا۔ میسور کے وہ شرفا جو اپنی خاندانی عزت اور وقار بچانے کیلیے آج ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں۔ ایک ایک کر کے مغلوب ہوتے جائیں گے۔ ٹیپو جسے بعض لوگ ایک بے تدبیر انسان سمجھتے ہیں۔ اپنی رعایا کی محبت خریدنا جانتا ہے۔ اس نے عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہزاروں گھرانے سرکاری زمینوں پر آباد کر دیے ہیں۔ وہ بنجر علاقے جہاں اناج کا ایک دانہ پیدا نہیں ہوتا تھا اب لہلہاتے کھیتوں اور باغوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس نے لاکھوں انسانوں کو کنوئیں اور نہریں کھودنے اور سڑکیں بنانے کے کام پر لگا دیا ہے۔ اس لیے یہ لوگ اسے اپنا دیوتا سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ہمیں میسور کی فوج اور میسور کے عوام کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

مرزا طاہر بیگ نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔" جی، آپ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ آپ ہماری تیاریوں سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ ہم لوگ صرف حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔"

اکبر خاں بے چینی کی حالت میں کرسی پر بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا اور شیخ فخر الدین بار بار اُس کے کان میں کہہ رہا تھا۔" نہیں بیٹا، حوصلے سے کام لو۔ تمہیں اس معاملے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے۔"

مراد علی کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا اور وہ اچانک اُٹھ کر چلایا، " مرزا صاحب اگر حکم سے آپ کا مطلب انگریزوں کا حکم ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس محفل میں زبان کھول

رہاہوں۔ آپ اس شخص کے مہمان ہیں جسے می اپنا باپ سمجھتا ہوں۔لیکن آپ نے اس شخص کو موضوع بحث بنایا ہے جسے میں صرف میسور ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی عزت اور آزادی کا آخری محافظ سمجھتا ہوں۔''

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا۔ ادھونی کے مغرور اُمراء حیرت، پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اس نوجوان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کی موچھوں کے بال ابھی تک سیاہ نہیں ہوئے تھے۔مراد علی کی نگاہیں ساری محفل کو دعوتِ مبازرت دے رہی تھیں۔اس نے کہا۔'' آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ سلطان ٹیپو نے اپنے دربار میں کورنش بجالانے کی رسم بند کردی ہے۔مجھے افسوس ہے کہ آپ نے سلطان کو صرف ان چند لوگوں کی نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے حکومت کی کرسیوں پر بیٹھ کر صرف اپنے ہم جنسوں کو ذلیل کرنا سیکھا ہے۔سلطان ٹیپو ایک حکمران ہے لیکن حکمران سے کہیں زیادہ وہ اپنے آپ کو ایک انسان سمجھتا ہے۔اور اسے انسانیت کی تذلیل گوارا نہیں۔اس نے زندگی کے آداب انسانیت کے اس عظیم ترین محسن سے سیکھے ہیں۔جس نے کالے اور گورے، ادنیٰ اوراعلیٰ کا فرق مٹایا تھا۔جس نے ایک حبشی غلام کو خاندانِ قریش کے دوش بدوش کھڑا کردیا تھا۔

آپ کو یہ اعتراض ہے کہ سلطان ٹیپو ساری دنیا کے ساتھ قوت آزمائی کرنا چاہتے ہیں۔لیکن آپ اس بات سے بے خبر نہیں ہوسکتے کہ اس وقت بھی ان کے ایلچی پونا اور حیدر آباد کے حکمرانوں کو امن اور صلح کا پیغام دے رہے ہیں۔

آپ کو یہ شکوہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے بھوکے اور ننگے انسانو کو خوش حالی اور آسودگی کا راستہ دکھا کر ایسے معاشرے کی طرح ڈال رہا ہیں جو اس ملک سے اونچ

اور نیچ کا امتیاز مٹا دے گا۔ اور یہ آپ کے خلاف ایک سازش ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ انسانیت کے ان دشمنوں کی سازش کا جواب ہے جنہوں نے اس ملک کے کروڑوں انسانوں کو صدیوں تک ان کے پیدائشی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔

آپ کو اپنی اور اپنے انگریز اور مرہٹہ ساتھیوں کی فوجی قوت پر ناز ہے لیکن میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ اب میسور ان لوگوں کی شکارگاہ نہیں رہا۔ جنہوں نے بھوکے، نادار اور بے بس انسانوں کو پاؤں تلے روندنا سیکھا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا دفاعی حصار ہے۔ جو عزت اور آزادی کی فضا میں سانس لینا سیکھ چکے ہیں۔ وہاں آپ کا مقابلہ کسی ایسے حکمران سے نہیں ہوگا۔ جس نے اپنی رعایا کی ہڈیوں پر عشرت کدے تعمیر کیے ہوں۔ بلکہ ایک ایسے حکمران سے ہوگا جو اپنے خون اور پسینے سے اپنی رعایا کی پرورش کر رہا ہے۔

میں اس ملک کے مستقبل کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کرسکتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ سلطان ٹیپو کی فتح انسانیت کی فتح ہوگی۔ اور ان کی شکست حیدرآباد یا پونا کی افواج کی بجائے ان لٹیروں اور رہزنوں کی فتح ہوگی جو سات سمندر عبور کرنے کے بعد اس ملک کی عزت اور آزادی کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہیں۔ آج آپ لوگ سلطان ٹیپو کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ اگر میسور میں ان کا پرچم سرنگوں ہوا تو وہ دن دور نہیں جب اس ملک کے تمام حکمران یہ کہیں گے کہ وہ مجاہد جس کا تاج اُتار کر ہم نے انگریزوں کے قدموں میں ڈالا تھا۔ اس ملک کی آزادی کا آخری محافظ تھا۔''

مراد علی نے اپنی تقریر ختم کی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا شامیانے سے باہر نکل آیا۔ محفل کا سکوت ٹوٹ چکا تھا۔ اور حاضرین ایک دوسرے سے کانا پھوسی

کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بلند آواز میں احتجاج کر رہے تھے۔ ''یہ کون تھا؟۔ٹیپو کا جاسوس یہاں کیسے آ گیا؟ اس کی زبان نوچ ڈالنی چاہیے۔''

اکبر خاں نے اپنی کرسی سے اٹھ کر کہا۔ ''آپ لوگ اس محفل میں اگر ٹیپو کو موضوع بحث نہ بناتے تو یہ ناخوشگوار سورت پیدا نہ ہوتی۔ مراد علی ٹیپو کا سپاہی ہے۔ اس کے والد اور اس کے دو بھائی ٹیپو کے جنڈے تلے انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں۔ اس کے چچا اور اس کے دادا' اس کے ماموں اور اس کے نانا پلاسی کے معدان میں شہید ہُوئے تھے۔ مجھے اس سے یہ توقع نہ تھی کہ کسی محفل کا خوف یا احترام سے کوئی غلط بات سُننے پر مجبور کر دے گا۔ مجھے سرنگا پٹم' پونا یا حیدر آباد کی سیاست سے کوئی دل چسپی نہیں اور آپ حضرات سے میں یہ عرض کروں گا کہ آپ لوگ یہ اپنی جنگی قابلیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک شادی کی تقریب پر جمع ہوئے ہیں۔''

ادھونی کے ایک سردار نے کہا۔ '' لیکن اس نے ہماری توہین کی ہے ہم کل کے بچے کی یہ زبان درازی برداشت نہیں کر سکتے۔''

ایک خوش پوش اور بارُعب آدمی جو طاہر بیگ کے قریب بیٹھا ہُوا تھا' اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے کہا۔ ''بھئی اس نے ہماری توہین نہیں کی۔ اس نے تمہیں یہ سمجھایا ہے کہ ہر محفل ہر بات کے لیے موزوں نہیں ہوتی۔ اگر وہ نوجوان ٹیپو کا سپاہی ہے تو ہمیں اس کی جرات اور ہمت کی داد دینی چاہیے۔ اس نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور ادھونی کی فوج کے افسروں کے سامنے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔ اب ہمیں کسی اور موضوع پر گفتگو کرنی چاہیے۔''

یہ میر نظام خاں کا بھتیجا امتیاز الدولہ تھا اور اس کے الفاظ حاضرین کے لیے

ایک حکم کا درجہ رکھتے تھے۔

مراد علی انتہائی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں ڈیوڑھی سے باہر کھڑا تھا۔ شہباز خاں باہر نکلا اور یہ کہہ کر اس کے قریب سے گزر گیا۔ ''مراد تم نے اچھا نہیں کیا۔''

مراد علی نے اپنے دل پر ایک جھٹکا محسوس کیا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ '' آپ نے آپا جان کی شادی کے خرمے نہیں کھائے؟''

مراد علی نے مڑ کر دیکھا اور ثمینہ نے اپنی جھولی کھول کر اس کے آگے کر دی۔ '' لیجیے!'' اس نے کہا۔

مراد علی نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک خرمہ اٹھا لیا۔

ثمینہ نے کہا۔ ''نہیں اور لیجیے۔ یہ سب آپ کے لیے ہیں۔ کچھ کھا لیجیے اور باقی سرنگا پٹم لے جائیے۔''

مراد علی نے کہا۔ ''ثمینہ تم انہیں اپنے پاس رکھو۔ جب میں یہاں سے جاؤں گا تو لے لوں گا۔''

اکبر خاں ڈیوڑھی سے نمودار ہوا اور مراد علی نے محسوس کیا کہ اب اسے شاید کسی انتہائی ناخوشگوار صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن اکبر خاں اس کی توقع کے خلاف مسکرا رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''مراد مجھے ڈر تھا کہ تم روٹھ گئے ہو گے۔ میں نے شہباز کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اس نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کی۔''

مراد علی کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُمڈ آئے اور اس نے کہا۔ '' چچا جان میں بہت شرمسار ہوں۔ مجھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔''

اکبر خاں نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''بیٹا تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور مجھے تم پر فخر ہے۔''

''لیکن چچا جان وہ آپ کے مہمان تھے۔''

''تم نے ان کے دماغ درست کر دیئے ہیں۔ امتیاز الدولہ تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوا ہے وہ نظام کا بھتیجا ہے اور اس نے تمہارے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ چلو تم اپنے کمرے میں بیٹھو۔ میں اسے وہاں لے آتا ہوں۔''

مراد علی اور اکبر خاں دوبارہ حویلی میں داخل ہوئے اور ثمینہ وہاں سے کھسک گئی۔ اکبر خاں شامیانے کی طرف چلا گیا اور مراد علی دیوان خانے کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ادھونی کے اُمراء کے سامنے اپنی تقریر کے بعد اسے نظام کے بھتیجے کے ساتھ ملاقات کے تصور سے ایک الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔

چند منٹ بعد اکبر خاں اور امتیاز الدولہ کمرے میں داخل ہوئے اور وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امتیاز الدولہ مصافحہ کرنے کے بعد اس کے قریب بیٹھ گیا اور اکبر خاں نے کہا۔

''اب آپ اطمینان سے باتیں کیجیے۔

اکبر خاں باہر نکل گیا اور امتیاز الدولہ نے مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔'' تمہارا نام مراد علی ہے؟''

''جی ہاں''

''سلطان کی فوج میں تمہارا عہدہ کیا ہے؟''

مراد علی نے جواب دیا۔ ''جناب، فوجی مکتب سے فارغ التحصیل ہونے کے

بعد میں ان دنوں رخصت پر ہوں۔ اس کے بعد مجھے چند مہینے کسی رسالے میں ایک ادنیٰ افسر کی حیثیت سے کام کرنا پڑے گا۔ پھر اگر مجھے کسی ذمہ داری کا اہل سمجھا گیا تو کسی دستے کی کمان دی جائے گی۔"

امتیاز الدولہ نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں تمہاری باتوں سے بہت متاثر ہوا ہوں اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سلطان ٹیپو کے متعلق دکن کے ہر آدمی کے وہ خیالات نہیں جو تم اس محفل میں سن چکے ہو۔ وہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو انہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ اور جو دکن اور میسور کے موجودہ اختلافات کو اپنے مستقبل کے لیے اچھا شگون خیال نہیں کرتے۔ اور میں ان میں سے ایک ہوں۔ مجھے نظام الملک اور سلطان ٹیپو کے درمیان کوئی ایسی خلیج نظر نہیں آتی جسے پاٹا نہ جا سکتا ہو۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ میسور اور دکن کے حقیقت پسند اور صحیح الخیال لوگ جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کی اجتماعی بقا کے لیے دونوں حکومتوں کے اختلافات دور کرنے کی مخلصانہ کوشش جاری رکھیں۔"

مراد علی نے جواب دیا۔ "اگر آپ کے خیالات یہ ہیں تو میں آپ سے ملنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میسور کا ہر باشعور آدمی پانچوں وقت نماز کے بعد میسور اور دکن کے اتحاد کے لیے دعا کرتا ہے۔ اور وہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کے ہر سانس کے ساتھ صرف دکن اور میسور ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر مسلمان کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور وہ سلطان ٹیپو ہیں۔"

امتیاز الدولہ نے کہا۔ "کاش میں بھی تمہاری طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ نظام الملک کے متعلق کچھ کہہ سکتا، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ حضور نظام الملک،

سلطان ٹیپو کو اپنا حریف سمجھتے ہیں۔تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن سلطان ٹیپو میرے جیسے بے بس انسانوں کی طرح حضور نظام کو بھی صحیح راستہ دکھا سکیں گے۔ قدرت نے انہیں جس مقصد کے لیے منتخب کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔ جو رہنما تمہاری عمر کے نوجوانوں میں یہ جذبہ پیدا کر سکتا ہے اسے نظام الملک کو متاثر کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں صدقِ دل سے یہ دعا کرتا ہوں کہ سلطان کے ایلچی نظام الملک کو انگریزوں اور مرہٹوں سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں۔

جب تم اس محفل میں تقریر کر رہے تھے تو میں محسوس کر رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ دکن اور میسور کے درمیان جنگ چھڑ گئی تو دکن کے لوگ مجھے نظام کے سپاہیوں کی اگلی صف میں دیکھیں گے۔ میں اس کے لیے لڑوں گا میں اپنے سینے پر گولی کھاؤں گا۔ لیکن مرتے دم بھی سلطان ٹیپو کی شکست کے لیے دعا نہیں کر سکوں گا۔میری آخری خواہش یہی ہو گی کہ دکن اور میسور کے درمیان ایک دائمی اتحاد کا معاہدہ میرے خون کی روشنائی سے لکھا جائے میں بار بار یہ سوچتا ہوں کہ آج تک جنوبی ہندوستان کی سرزمین پر اس ملک کے باشندوں کا جو خون گرا ہے وہ صرف فرنگی استبداد کی آبیاری کے کام آیا ہے۔"

مراد علی خاموشی سے امتیاز الدولہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔اور اس کی گفتگو سے ایسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اور کی بجائے اپنے آپ کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

شیخ فخر الدین کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔"میرا خیال تھا کہ آپ باہر قوالی سن رہے ہیں۔"

امتیاز الدولہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیا۔" شیخ صاحب،

یہ ایام قوالی سننے کے لیے موزوں نہیں۔ میں اس نوجوان سے اپنی قوم کے حال اور مستقبل کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔"

شیخ فخر الدین نے واپس دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "تو مجھے اس محفل میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اپنے مستقبل کی منزل بہت قریب نظر آتی ہے۔اور میں ان دنوں صرف اپنے ماضی کے متعلق سوچا کرتا ہوں۔"

امتیاز الدولہ نے کہا۔ "نہیں شیخ صاحب تشریف رکھیے، شاید ماضی کے متعلق آپ کی باتیں سن کر ہم اپنے حال اور مستقبل کی تلخیوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھول جائیں۔"

شیخ فخر الدین ہنستا ہوا امتیاز الدولہ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔ "لیکن اگر میرے ماضی کی تلخیاں آپ کے حال اور مستقبل سے زیادہ ہوئیں تو؟"

امتیاز الدولہ مسکرایا۔ "تو ہم آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کریں گے۔"

شیخ فخر الدین نے کہا۔ "جناب میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میرے پہلو میں دل ہی نہیں ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ معظم علی جیسے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور میں یہاں بھٹکتا پھروں۔"

"معظم علی کون تھا"

"معظم علی مراد کے والد تھے۔"

"آپ انہیں جانتے تھے؟"

"جی ہاں! اور میرے لیے اپنے مستقبل کے متعلق چند حسین امیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر خدا نے مجھے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت دی تو

میں کسی دن اس نوجوان کو دیکھوں گا جسے جاننا میری زندگی کی سب سے بڑی سعادت تھی۔''

''آپ انہیں کب ملے تھے؟''

''ہماری ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب میں اپنی بہن اور بھانجیوں کے ساتھ دلی سے حیدر آباد آرہا تھا۔اور راستے میں ڈاکوؤں نے ہمارے قافلے پر حملہ کر دیا تھا اُس وقت ہمیں چاروں طرف موت دکھائی دیتی تھی۔پھر چند آدمی اچانک ہماری مدد کو پہنچ گئے۔ان میں سے ایک معظم علی اور دوسرا اکبر خاں تھا۔ڈاکو کئی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور میں معظم علی اور اکبر خاں کو دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ خدا نے ہماری اعانت کے لیے دو فرشتے بھیج دیے ہیں۔''

اب معظم علی اور اکبر خاں کی شخصیتیں شیخ فخر الدین کی گفتگو کا موضوع بن چکی تھیں اور مراد اور امتیاز الدولہ اس کی باتوں میں ایک رنگین کہانی کی دلکشی محسوس کر رہے تھے۔

شہباز خاں کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔''جناب مہمان دستر خوان پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں چلیے۔''

وہ اُٹھ کر باہر نکل آئے۔مراد علی تذبذب کی حالت میں امتیاز الدولہ اور فخر الدین کے پیچھے آرہا تھا۔شہباز خاں نے مراد علی کا بازو پکڑتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔''مراد میں اپنے طرزِ عمل پر بہت نادم ہوں۔ ابا جان مجھ پر بہت خفا ہوئے تھے۔میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔''

مراد علی کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور اس نے جواب دیا۔''آپ کو معذرت کی ضرورت نہیں۔میں محسوس کرتا ہوں۔کہ اس محفل میں آپ کی خاطر مجھے

اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیے تھا۔ امتیاز الدولہ سے ملاقات کے بعد مراد علی کی ذہنی الجھن بہت حد تک دور ہو چکی تھی۔ تاہم ادھونی کے باقی مہمانوں کے طرزِ عمل سے وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ ان کے دلوں پر ابھی تک اس کی تقریر کی تلخی باقی ہے۔ فوج کے عہدہ دار خاص طور پر اس کے ساتھ باتیں کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اسے عام مہمانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن طاہر بیگ اور ہاشم بیگ کی بے اعتنائی اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھی۔ اس نے چند بار ان سے ہم کلام ہونے کی کوشش کی۔ لیکن اُن کی نگاہیں بہت حوصلہ شکن ثابت ہوئیں۔

طاہر بیگ کے متعلق وہ یہ سوچ سکتا تھا کہ وہ ایک بڑی عمر کا آدمی ہے اس کے علاوہ ادھونی کا ایک بہت بڑا جاگیردار اور فوج کا ایک اعلیٰ افسر ہونے کی وجہ سے بھی سے ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن ہاشم کو وہ شہباز خاں کی طرح اپنا بھائی سمجھتا تھا۔ اور اسے اس بات کا رنج تھا کہ اسے اکبر خاں کی بیٹی کے شوہر کے سامنے اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کا موقع نہیں ملا۔ وہ بار بار ہاشم بیگ کی طرف دیکھتا۔ اور اپنے دل میں کہتا۔ ''میرے بھائی تم اکبر خاں کے داماد ہو یہ درست ہے کہ تم ادھونی میں پیدا ہوئے ہو اور میں نے سرنگا پٹم میں آنکھ کھولی ہے لیکن ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہو سکتے۔''

اگلے دن برات رخصت ہو چکی تھی۔ شیخ فخر الدین براتیوں کے ساتھ ادھونی جا چکے تھے۔ مراد علی بھی واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن اکبر خاں نے اصرار کر کے دو دن اور اسے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ تیسرے دن وہ رخصت ہوتے وقت یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ مدتوں اکبر خاں کے گھر میں رہ چکا ہے۔ اور وہ بلقیس کی دعائیں لینے کے بعد گھر سے نکلا۔ اکبر خاں، شہباز خاں اور ثمینہ دروازے تک اس کے

ساتھ آئے۔ ڈیوڑھی سے باہر گاؤں کے کئی آدمی اسے خدا حافظ کہنے کے لیے کھڑے تھے۔ اکبر خاں دونو جوانوں کو میسور کی سرحد تک مراد علی کا ساتھ دینے کا حکم دے چکا تھا۔ اور وہ اپنے گھوڑوں سمیت دروازے پر کھڑے تھے۔ جب وہ اکبر خاں اور شہباز سے بغل گیر ہونے اور گاؤں کے دوسرے آدمیوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ثمینہ کی طرف متوجہ ہوا تو ثمینہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُمڈ آئے۔ اُس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''چچا جان تو یہ کہا کرتے تھے کہ تم کبھی نہیں رویا کرتی۔''

ثمینہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ لیکن جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کی رکاب پکڑتے ہوئے کہا۔ ''میں نے وہ چھوہارے آپ کی خورجین میں ڈال دیے تھے اور مٹھائی بھی۔

پانچواں باب

ایک دن جین فرحت کے مکان کے اس کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس میں اس نے اپنے شوہر اور دو بڑے بیٹوں کی یادگاریں جمع کر رکھی تھیں۔ دیوار کے ساتھ کھونٹی پر ٹنگی ہوئی ایک تلوار کی خوب صورت نیام ذرا گرد آلود تھی۔ جین برابر کے کمرے ایک کپڑا اٹھا لائی اور اس نے تمام چیزوں کی صفائی شروع کر دی۔ تلواروں، بندوقوں اور دوسرے ہتھیاروں کی گرد جھاڑنے کے بعد اس نے ایک الماری کھولی اور کتابوں کو صاف کرنا شروع کر دیا۔

فرحت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی تم یہاں کیا کر رہی ہو اندر گرمی ہے آؤ باہر بیٹھیں۔“

جین دو تین الفاظ سے زیادہ نہ سمجھ سکی۔ اور اس نے ایک کتاب سے گرد جھاڑ کر الماری میں رکھتے ہوئے فرحت کو فرانسیسی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

فرحت نے کہا۔ ” کاش میں تمہاری زبان سمجھ سکتی۔ یہ دیکھو انور علی کا خط آیا ہے سمجھتی ہو خط!“

فرحت کے ہاتھ میں کاغذ دیکھنے اور انور علی کا نام سننے کے بعد جین کے لیے سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ اس خط کے متعلق کچھ کہہ رہی ہے۔ اس نے کاغذ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

انور علی ۔۔۔۔۔؟

انور علی کا خط فرحت نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

جین انور علی کا خط ۔۔۔۔۔ انور علی کا خط۔ کہہ کر ہنس پڑی۔

فرحت نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ کاش میں تمہیں سمجھا سکتی کہ اس میں کیا لکھا ہے! چلو باہر بیٹھیں یہاں بہت گرمی ہے۔جین کچھ سمجھے بغیر اس کے ساتھ باہر نکل آئی اور وہ صحن میں ایک درخت کے نیچے موڑھوں پر بیٹھ گئیں۔مراد علی باہر کے دروازے سے نمودار ہوا۔اور اس نے قریب آکر کہا۔امی جان میں ایک اہم خبر لایا ہوں۔ ہماری فوج پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔پھر وہ جین کی طرف متوجہ ہو کر فرانسیسی زبان میں بولا۔میں نے امی جان کو یہ خبر سنائی ہے کہ ہماری فوج پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔اور میں آپ کے لیے بھی ایک خوش خبری لایا ہوں۔ موسیو لیگرانڈ دیوان خانے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

جین نے حیران ہو کر کہا۔وہ آگیا ہے؟ لیکن مجھے اس نے کوئی اطلاع نہیں دی۔پچھلے خط میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں تھا کہ وہ سرنگاپٹم آرہا ہے۔

مراد علی نے جواب دیا۔ان کی فوج شمال کی طرف جارہی ہے اور وہ ایک ہفتہ کے لیے رخصت لے کر آئے ہیں۔وہ مجھے راستے میں ملے تھے۔

جین نے انور علی کا خط جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔مراد علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔یہ تمہارے بھائی کا خط ہے۔مراد علی نے کاغذ پکڑتے ہوئے اپنی ماں سے پوچھا۔ امی جان یہ کب آیا ہے؟ ابھی آیا ہے بیٹا۔میری سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ میں تمھاری عدم موجودگی میں جین سے باتیں نہیں کر سکتی۔تم اسے خط پڑھ کر سُنا دو۔

مُراد علی نے خط کھول کر دیکھا۔اور جین کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔آپ لیگرانڈ سے مل آئیں۔ پھر آپ کو بھائی جان کا خط پڑھ کر سُنا دوں گا۔

نہیں میں ابھی سُننا چاہتی ہوں۔

مراد علی نے انور علی کے خط کا فرانسیسی ترجمہ شروع کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

امی جان میں بخیریت ہوں۔ اُمید ہے کہ مُراد چچا اکبر خاں کے گاؤں سے واپس آ گیا ہو گا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جین آپ کے ساتھ خوش رہتی ہے اور اس کی صحت بہتر ہو رہی ہے۔ ہم آج اپنے مستقر سے شمالی سرحد کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ جنگ کے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور مجھے ہر لمحہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

دلاور خاں کی صحت اب خراب رہتی ہے اور میرا ارادہ ہے کہ اسے گھر بھیج دیا جائے۔ اس عمر میں اسے آرام کی بہت ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ وہ اگلے مہینے آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ مجھے گزشتہ دو ماہ سے لیگرانڈ کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر جین کے پاس اس کا کوئی خط آیا ہو تو مجھے ضرور بتا دیں کہ وہ کس حال میں ہے۔۔

االسلام آپ کی دُعاؤں کا طالب

انور علی۔

فرحت نے جین سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیٹی جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔

مُراد علی نے فرانسیسی زبان میں فرحت کی ترجمانی کر دی اور جین اُٹھ کر مکان کے مردانہ حصے کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لیگرانڈ کے سامنے کھڑی یہ کہہ رہی تھی۔ معاف کیجیے آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ انور علی کا خط آیا تھا اور میں مُراد علی سے اُس کا ترجمہ سُن رہی تھی۔

وہ ٹھیک ہے نا؟

ہاں۔

لیگرانڈ نے کہا۔ جین بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

وہ بیٹھ گئی۔

لیگر انڈ بولا۔میرا ساتھی بنگلور سے شمال کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔اور مجھے اس شرط پر ایک ہفتے کی چھٹی دی گئی ہے کہ سرنگا پٹم سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔وہ پرسوں تک پہنچ جائیں گے۔اور تین چار دن تک یہاں قیام کریں گے۔موسیو لالی نے مجھے کہا تھا کہ جنگ کے امکانات بہت بڑھ گئے ہیں۔ممکن ہے کہ تمہیں دیر تک سرنگا پٹم سے دُور رہنا پڑے۔ان حالات میں اگر تم شادی کرنا چاہو تو یہ موقع ہے۔جین اگر تم پسند کرو تو چار دن بعد میرے تمام فرانسیسی دوست ہماری شادی میں شریک ہوسکیں گے۔ اور ہمارے دستے کا پادری ہماری شادی کی رسومات ادا کردے گا۔مجھے انور علی کی غیر حاضری کا افسوس ہوگا۔ لیکن تم سمجھ سکتی ہو کہ ہم کیسے حالات سے گزر رہے ہیں۔

جین چند ثانیے گردن جھکائے سوچتی رہی اور لیگر انڈ اس کے چہرے کے اثار سے اس کے دل کی صحیح کیفیت کا اندازہ نہ لگا سکتا۔اس نے کہا:

جین پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔اگر تمہیں اعتراض ہو تو ہم کسی بہتر وقت کا انتظار کر سکتے ہیں۔لیکن میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ میرے متعلق تمہارے خیالات کیا ہیں۔ہماری رفاقت چند حادثات کا نتیجہ تھی۔تاہم میں یہ فرض کر چکا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔ اور تمہارے بغیر میرے لیے یہ دنیا کوئی معنی رکھتی۔مریشس سے روانہ ہوتے وقت میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ دوبارہ ملنے کے بعد ہم ایک دن کے لیے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا پسند کریں گے۔لیکن اب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے لیے میری رفاقت زندگی کا ایک مسئلہ تو ہو سکتی ہے لیکن زندگی کا اہم ترین مسئلہ نہیں بن سکتی۔

جین نے کہا۔لیگرانڈ تمہیں یہ شکایت ہے کہ میں یہاں کیوں ٹھہری ہوں تو اس وقت تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔

نہیں جین تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔میں ان لوگوں سے متعارف ہونا اپنے لیے قدرت کا سب سے بڑا انعام سمجھتا ہوں۔میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم ایک دریا کے مختلف کناروں پر رہتے تھے۔پھر قدرت نے اٹھا کر ہمیں منجدھار میں پھینک دیا اور ہم نے اضطراری حالت میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔اب طوفان گزر چکا ہے اور ہم ساحل پر پہنچ چکے ہیں۔اب تمہیں زندگی کی نئی منازل کی طرف قدم بڑھانے کے لیے میرا ہاتھ پکڑنے کی ضرورت نہیں۔میں تمھارے لیے سہارا نہیں بن سکتا۔اب میں تمہیں یہ موقع دینا چاہتا ہوں کہ تم ماضی کے تمام واقعات کو نظر انداز کر کے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کرو۔اگر تمھارا یہ فیصلہ ہو کہ تم میری رفیقہ حیات بن کر خوش رہ سکتی ہو تو میں اس غریب الوطنی میں بھی یہ محسوس کروں گا کہ دنیا میرے قدموں میں ہے لیکن اگر تم یہ محسوس کرو کہ میں اس قابل نہیں تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔

جین نے کہا۔لیگرانڈ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے تمہیں دُکھ پہنچا ہو۔

نہیں جین تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔تم ایسی بات کر ہی نہیں سکتی۔تم بہت رحم دل ہو لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تم صرف رحم اور مروت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا مستقبل ایک ایسے آدمی کو سونپ دو جس کی رفاقت سے تمہارے سینے میں زندگی کے تمام ولولے سرد ہو کر رہ جائیں۔

جین مسکرائی۔اگر میں یہ کہوں کہ میرے دل میں اب زندگی کی کوئی تڑپ یا

ولولہ باقی ہی نہیں رہا تو تم کیا کہو گے؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔جین میری باتوں کو مذاق میں نہ ٹالو۔میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ شادی کے متعلق تم اپنے کسی سابقہ فیصلے کی پابند نہیں ہو۔ اور تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ میں کہاں تک تمہاری توقعات پوری کر سکتا ہوں۔

جین نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔لیگرانڈ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔خُدا کے لیے یہ تو سوچو تمہارے سوا دنیا میں میرا کون ہے۔

لیگرانڈ نے پریشان ہو کر کہا۔مجھے معاف کردو۔جین مجھے معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔میں زندگی کی ہر مُصیبت برداشت کر سکتا ہوں لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

جین نے کہا۔لیگرانڈ اگر میرے طرزِ عمل سے تمہیں کوئی دُکھ ہوا ہے تو میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔میری پریشانی کی بڑی وجہ کچھ اور تھی۔ابھی مراد علی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بھی پرسوں یہاں سے کوچ کر رہا ہے۔ان حالات میں کس منہ سے اس کی ماں کو یہ خبر سُنا سکتی ہوں کہ ہم نے اچانک شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔انور علی، مراد علی اور ان کی والدہ سے زیادہ اس دنیا میں ہمارا کوئی دوست نہیں، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم شادی کے لیے اس دن کا انتظار کریں جب وہ دونوں بھائی گھر پر موجود ہوں اور ان کی والدہ جنہیں اب میں بھی اپنی ماں سمجھتی ہوں ہماری خوشی میں حصہ لے سکیں۔

لیگرانڈ کے چہرے سے رنج و ملال کے بادل چھٹ چکے تھے وہ مسکرایا جین پیاری جین مجھے معاف کردو۔میں قیامت تک ایسے دن کا انتظار کر سکتا ہوں۔میں

وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک بہتر حالات پیدا نہیں ہوتے میں اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔



۱۷۸۵ء کی گرمیوں میں گنیش پنت کی کمان میں مرہٹوں کا ایک لشکر دریائے کرشنا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ پیشوا اور نانا فرنویس کی کوششوں سے مرہٹوں میں پھر ایک بار وہ ولولہ پیدا ہو چکا تھا جو پچیس برس قبل انہیں پونا سے پانی پت کے میدان تک لایا تھا۔ ہندوستان کے طول وعرض سے مرہٹہ سردار اپنی اپنی افواج کے ساتھ پیشوا کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ ناگپور سے مدھوجی بھونسلے بارہ ہزار آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا۔ اندور سے تکوجی اپنے توپ خانے کے علاوہ بیس ہزار پنڈارہ فوج کے ساتھ میسور پر چڑھائی کے لیے تیار تھا۔ پرس رام بھاؤ اور رگھوناتھ راؤ کی افواج بھی میسور پر یلغار کرنے کے لیے نانا فرنویش کے حکم کا انتظار کر رہی تھی۔

ان عظیم تیاریوں کے بعد نانا فرنویس کے ایلچی میر نظام علی پر ڈورے ڈال رہے تھے۔ میر نظام علی ٹیپو کے بدترین حاسدوں اور بدخواہوں میں تھا۔ تاہم میسور کے خلاف جنگ کی صورت میں اپنے نقصانات کا اندازہ کرتے ہوئے اسے سخت اُلجھن محسوس ہوتی تھی۔ اسے اپنی قوت پر ناز تھا لیکن ماضی کے تجربات اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھے کہ طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے میسور کی سرزمین موزوں نہیں ہے۔ وہ کچھ عرصہ نانا کے وکیل کو ٹالتا رہا لیکن جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ مرہٹے میسور پر حملہ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور وہ تنہا اپنی قوت سے سلطنتِ خداداد پر ضرب کاری لگا سکتے ہیں تو وہ جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہو

گیا۔ متحدہ افواج کے ابتدائی مستقر کے لیے اردگر کا مقام منتخب کیا تھا اور اس نے نومبر کے آخر میں پینتیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں کا رُخ کیا۔

نظام کے اردگر پہنچنے کے چند دن بعد ملک کے طول و عرض سے مرہٹوں کی ایک لاتعداد فوج وہاں جمع ہو چکی تھی۔ مرہٹوں کا پڑاؤ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ مرہٹہ سپاہیوں کے حوصلے بڑھانے کے لیے وہ پروہت، جوگی اور سادھو بھی وہاں پہنچ چکے تھے، جو سلطان ٹیپو کی شخصیت کو جنوبی ہندوستان میں ہندو غلبہ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس فوج میں وہ رہزن اور لٹیرے بھی شامل ہو گئے تھے جنہیں صرف میسور کی دولت کے ساتھ دلچسپی تھی۔

نظام کا اس جنگ میں شریک ہونا خالصتہً ایک سیاسی مسئلہ تھا۔ تاہم درباری گویے، شاعر اور خوشامدی اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا غازی ہے۔ فتح کی اُمید پر فتح کے جشن شروع ہو چکے تھے۔ میر نظام علی رقص و سُرور کی محفلوں میں مرہٹہ راجوں اور چیدہ چیدہ سرداروں کے درمیان میرِ مجلس کی حیثیت سے بیٹھتا تھا۔ شراب کے دور چلتے تھے۔ رقاصاؤں، گویوں اور سازندوں پر سونے چاندی کے سکوں کی بارش ہوتی تھی اور پھر جب یہ محفلیں برخاست ہوتی تھیں اور یہ لوگ کسی خیمے میں جمع ہو کر جنگ کی تجاویز پر غور کرتے تھے تو سب سے زیادہ بحث اس بات پر ہوتی تھی کہ فتح کے میسور کی زمین اور خزانے کس طرح تقسیم ہونے چاہییں۔ قریباً ڈیڑھ ماہ کی بحث و تمحیص کے بعد میر نظام علی اور مرہٹہ حکمرانوں کے مابین جنگ کی تفصیلات اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق سمجھوتہ ہو چکا تھا اور پڑاؤ میں ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ حیدآباد اور پونا کے ایک عام سپاہی سے لے کر بڑے سے بڑے افسر

تک ہر شخص کی آواز یہ تھی کہ اب کی سُلطان ٹیپو کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

چند دن بعد ادگرد سے مسلح افواج کا یہ سیلاب عظیم جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ مرہٹوں کا لشکر اسی ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا اور میر نظام علی کے جھنڈے تلے چالیس ہزار سوار پچاس ہزار پیادہ سپاہی تھے۔ نانا فرنویس، میر نظام علی کی طرح انگریزوں کو بھی اس جنگ میں شامل کرنے کی ہر امکانی کوشش کر چکا تھا۔ لیکن انگریزوں کے پُرانے زخم ابھی تک مندمل نہیں ہوئے تھے اور وہ ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے تاہم نانا فرنویس اور میر نظام علی کو اس بات کا یقین تھا کہ جب انگریزوں کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ سلطان ٹیپو ان کی لاتعداد فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو وہ میسور کی تقسیم میں حصہ دار بننے کے لیے بلا توقف میدان میں کود پڑے گے۔ پونا اور حیدرآباد میں انگریزوں کے ایجنٹ انہیں اس بات کا یقین دلا چکے تھے کہ کمپنی سُلطان ٹیپو کے ساتھ اپنے سابقہ معاہدوں کا صرف اس وقت تک احترام کرے گی جب تک کہ میسور کی دفاعی قوت باقی ہے۔

میر نظام علی خاں اپنی فوج کی کمان تہور جنگ کو سونپ کر حیدرآباد واپس چلا گیا۔ نانا فرنویس کو بھی زیادہ عرصہ کے لیے پونا سے غیر حاضر رہنا پسند نہ تھا۔ پیشوا کے دربار میں اس کے کئی حریف موجود تھے۔ لیکن مرہٹہ لشکر میں بددلی پھیل جانے کے ڈر سے اس نے کچھ عرصہ کے لیے پونا جانے کا ارادہ بدل دیا۔

شہباز خاں تنویر کو لانے کے لیے ادھونی گیا ہوا تھا اور اس کے والدین گزشتہ آٹھ دس روز سے سخت پریشانی کی حالت میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک دن شہباز خاں کا پتہ کرنے کے لیے اکبر خاں نے گاؤں سے دو سوار روانہ کیے لیکن چند گھنٹوں کے بعد ایک سوار واپس آ گیا اور اس نے یہ کہا کہ شہباز خاں اور تنویر ہمیں

راستے میں ہی مل گئے تھے اور تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے۔

سہ پہر کے وقت شہباز خاں ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ پہنچ گیا۔ کہار تنویر کی ڈولی رہائشی مکان کے صحن میں لے گئے۔ جہاں گاؤں کی عورتوں کا ایک ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ تنویر لجاتی، شرماتی اور سمٹتی ہوئی ڈولی سے اُتری اور گاؤں کی عورتیں آگے بڑھ بڑھ کر اس سے گلے ملنے لگیں۔ شہباز خاں کچھ دیر مکان کے مردانہ حصے میں اپنے باپ سے باتیں کرتا رہا اور جب گاؤں کی عورتیں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں تو وہ اپنی ماں کو سلام کرنے کے لیے رہائشی مکان میں داخل ہوا۔ بلقیس، تنویر اور ثمینہ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بلقیس نے اسے دیکھتے ہی شکایت کے لہجے میں کہا۔ بیٹا تم نے ہمیں بہت ہی پریشان کیا۔ اگر ادھونی میں تمہارا اتنا ہی جی لگ گیا تھا تو ہمیں کم از کم خط ہی بھیج دیتے۔

شہباز نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ امی جان تنویر سے پوچھ لیجیے میں بے قصور ہوں۔ یہ ایک مجبوری تھی ورنہ میرا تین دن سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ تھا۔

کیا مجبوری تھی؟ ماں نے پوچھا۔

شہباز خاں نے جواب دینے کی بجائے ثمینہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ثمینہ تم باہر جاؤ میں امی سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ثمینہ سراپا احتجاج بن کر اٹھی اور منہ بسورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

شہباز خاں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ امی جان آپ یہ وعدہ کریں کہ آپ مجھ سے خفا نہیں ہوں گی۔

بلقیس نے کہا۔ بیٹا مجھے یقین ہے کہ تم نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہو گی جس

سے تمہارے والدین کو شرمسار ہونا پڑے۔ تم پریشان کیوں ہو؟

شہباز نے جواب دیا۔ امی جان صرف یہ ڈر ہے کہ جب ابا جان کو پتا چلے گا تو وہ بہت خفا ہوں گے۔ میں۔۔۔۔ میں ادھونی کی فوج میں شامل ہو چکا ہوں۔

بلقیس کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ شہباز خاں نے کہا۔ امی جان خدا کے لیے میری طرف اس طرح نہ دیکھیے۔ میرے لیے اس کے طعنے ناقابلِ برداشت تھے۔ میں یہ نہیں سن سکتا تھا کہ میرے ابا جان جنگ سے ڈرتے ہیں۔ میں خالو جان اور ان کے رشتہ داروں کی باتوں سے یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ ہمیں بزدل سمجھتے ہیں۔

بلقیس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور اس نے کہا۔ شہباز! حیدرآباد اور ادھونی کی کسی ماں کا لال تمہارے ابا کو بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ وہ لوگ ابھی تک زندہ ہیں جنہوں نے پانی پت کے میدان میں ان کی جرات اور مردانگی دیکھی ہے۔ بتاؤ تمہارے خالو نے کیا کہا تھا؟

خالو جان نے کچھ نہیں کہا امی جان وہ صرف اس بات پر افسوس کرتے تھے کہ ابا جان جنہیں کسی بڑی فوج کا سپہ سالار ہونا چاہیے تھا۔ اب صرف ایک کسان کی زندگی پر قناعت کر چکے ہیں۔

تمہارے ابا جان بیس سال کی عمر میں ادھونی کے سپہ سالار سے زیادہ جانتے تھے۔

امی جان جہاں تک میرے فوج میں بھرتی ہونے کا تعلق ہے، خالو جان اس معاملے میں بے قصور ہیں۔ یہ میرا اپنا فیصلہ تھا۔ ان کے خاندان کا ہر نوجوان فوج میں ملازم تھا۔ کئی ایسے تھے جو عمر میں مجھ سے بہت چھوٹے تھے۔ جب میں ان سے

ملتا تھا تو ان کا سوال یہی ہوتا تھا کہ تم فوج میں بھرتی کیوں نہیں ہوتے ۔ تنویر سے پوچھ لیجیے ۔ ان کے خاندان کی لڑکیاں تک مجھ سے مذاق کرتی تھیں ۔

بلقیس نے کہا ۔ اور تمہاری غیرت جوش میں آ گئی ۔ مگر تم بھول گئے کہ تمہارے باپ کے لیے تمہاری یہ حرکت کتنی تکلیف دی ہوگی ۔

تنویر نے کہا ۔ امی جان ۔ بھائی اس معاملے میں بے قصور ہیں ۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے دو تین راتیں وہ سو نہیں سکے ۔

فوج کی ملازمت کے متعلق تمہاری خالہ جان کو تمہارے ابا کے خیالات معلوم تھے ان کا یہ فرض تھا کہ وہ اسے سمجھاتیں ۔

امی جان انہوں نے سمجھایا تھا ۔ انہوں نے بہت مخالفت کی تھی لیکن ان کے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ بھائی جان کی جگہ اگر میں ہوتی تو مجھے بھی یہی فیصلہ کرنا پڑتا ۔ ابا جان جب یہاں ہجرت کر کے آئے تھے تو حالات اور تھے لیکن اب ادھونی کے کسی بڑے خاندان کے لڑکے کیلئے فوجی ملازمت سے انکار کرنا ممکن نہیں ۔

بلقیس نے کہا ۔ اب اس مسئلے پر بحث کی ضرورت نہیں ۔ شہباز تم ایک غلطی کر چکے ہو اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس غلطی کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے ۔ تمہارے ابا جان کے لیے یقیناً یہ بات نا قابلِ برداشت ہوگی ۔ وہ تمہیں کسی صورت فوج میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے ۔

شہباز نے کہا ۔ امی جان میں بھرتی ہو چکا ہوں ۔ اب شامل نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ وہ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں گے ۔ خدا کے لیے ابا جان کو سمجھانے کی کوشش کیجیے ۔ اور اگر آپ یہ محسوس کرتی ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کچھ

نہیں کرسکتیں تو خاموش رہیے۔ میں ادھونی جا کر ان کی خدمت میں خط لکھ دوں گا۔ پھر جب تک ان کا غصہ فرو نہیں ہوگا۔ میں گھر نہیں آؤں گا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ادھونی کا ہر نوجوان فوج میں شامل ہو چکا ہے۔ خالو جان اور ہاشم بیگ بھی فوج میں ملازم ہیں تو میرے فوج میں شامل ہو جانے سے کون سی قیامت آجائے گی۔ ابا جان اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ ہم مہابت جنگ کی رعایا ہیں اور انہیں ادھونی کی حفاظت کے لیے فوج کی ضرورت ہے۔

بلقیس نے جواب دیا۔ بیٹا میرے سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اس مسئلے میں صرف ایک ماں کا فرض ادا کرنا ہے۔ میں اب یہ کوشش کروں گی کہ میرے بیٹے اور میرے شوہر کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو جائے۔ لیکن جب تک میں تمہارے باپ سے بات نہ کرلوں تمہیں یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔

اگلے روز صبح کی نماز کے تھوڑی دیر بعد اکبر خان دیوان خانے کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہباز خاں جھجکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور چند ثانیے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کے سامنے کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ ابا جان آپ نے مجھے بلایا ہے۔

اکبر خاں نے اس کی طرف دیکھے بغیر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بیٹھ جاؤ! شہباز بیٹھ گیا۔ باپ کے تیور دیکھ کر وہ اپنے دل میں انتہائی ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ اکبر خان نے اچانک گردن اٹھائی اور اور اس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ شہباز روہیل کھنڈ میں ہمارے قبائل کا یہ رواج تھا کہ جب کسی سردار کا بیٹا اپنی مہم سے کامیاب ہو کر لوٹتا تھا تو اس کے قبیلے کے تمام لوگ خوشیاں مناتے تھے۔ تم اپنے خیال کے مُطابق ادھونی میں ایک بہت بڑا کارنامہ سر

انجام دے کر آئے ہو اور میرے قبیلے کے لوگوں کو خبر تک نہیں ہوئی ۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اپنی غریب الوطنی کے باوجود مجھے اپنا سردار سمجھتے ہیں اور میری خوشی اور غم میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتے ہیں ۔ جب انہیں یہ پتہ چلے گا کہ میرے بیٹے نے انہیں اپنی زندگی کی پہلی کامیابی کی خوشی میں شامل ہونے کے قابل نہیں سمجھا تو انہیں کتنا افسوس ہوگا ۔

اکبر خاں کا یہ اندازِ گفتگو شہباز کے لیے نیا تھا اور وہ اس تمہید کو ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا ۔ اکبر خاں نے اچانک اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا ۔ تمہیں ادھونی کی فوج کے عہدہ داروں کی قسمت پر رشک آتا ہوگا اور اب شاید تم یہ سمجھتے ہوگے کہ تم شیروں کی صف میں کھڑے ہوگئے ہو لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تم ان گیدڑوں کے ساتھ جا ملے ہو جنہیں پیٹ بھرنے کے لیے ہمیشہ کسی لاش کی تلاش ہوتی ہے ۔ روہیل کھنڈ سے ہجرت کرنے کے بعد میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ ہمارے قبیلے کے لوگوں کو ایک ایسی جائے پناہ مل جائے جہاں یہ محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ پال سکیں ۔ معظم علی نے ہمیں میسور میں آباد ہونے کی دعوت دی تھی لیکن انگریزوں ، مرہٹوں اور میر نظام علی کی جارحانہ عزائم کے باعث میسور کا مستقبل اس وقت مجھے غیر یقینی نظر آتا تھا اور میں روہیل کھنڈ کی تباہی دیکھنے کے بعد ان لوگوں کو جنگ کی آگ سے دُور رکھنا چاہتا تھا ۔ میں یہاں اس شرط پر آباد ہوا تھا کہ مجھے حیدر آباد یا ادھونی کی فوج کے لیے کرائے کے سپاہی مہیا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گی ۔ لیکن تم نے اب بڑھاپے میں مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میرا فیصلہ غلط تھا اور اس ملک میں سلامتی کا راستہ وہی تھا جو معظم علی نے اختیار کیا تھا ۔ اُن کے پاس اتنا کچھ تھا کہ وہ کسی گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر خوش حالی اور فارغ البالی کے دن

بسر کر سکتے تھے لیکن وہ سرنگاپٹم گئے اور حیدر علی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ یہ جانتے ہوئے کہ میسور میں آزادی کی ہر سانس کے بدلے انہیں اپنی زندگی کی لاتعداد راحتیں قربان کرنی پڑیں گی۔ جب میں نے ان کی اور ان کے دو بیٹوں کی شہادت کی خبر سنی تھی تو میں یہ محسوس کرتا تھا کہ کاش وہ سرنگاپٹم جانے کی غلطی نہ کرتے۔ لیکن آج مین یہ سمجھتا ہوں کہ وہ جان کنی کے وقت بھی ایسی تکلیف محسوس نہیں کرتے رہے ہوں گے جو اس وقت مجھے محسوس ہو رہی ہے۔ وہ جس موت کی تمنا کرتے تھے وہ میری زندگی سے ہزار گنا بہتر تھی۔ اس وقت ان کی رُوح کو یہ تسکین ہو گی کہ ان کے باقی دو بیٹوں نے بھی وہی راستہ اختیار کیا ہے جو انہیں عزیز تھا۔ تم اگر ادھونی کی فوج کے سپہ سالار بن جاؤ تو بھی میں مرتے وقت یہی محسوس کروں گا کہ میں اس دنیا میں کوئی قابلِ فخر یادگار نہیں چھوڑ سکا۔ میں اپنی جو پونجی خدا کی راہ میں نہیں لٹا سکا۔ وہ مجھ سے چوروں ڈاکوؤں نے چھین لی ہے۔ تم اپنے خالو اور ہاشم بیگ کو دیکھ کر سپاہی بننے کے لیے بے تاب تھے اور میری زندگی کی دوسری غلطی یہ تھی کہ میں نے ایک ایسے خاندان میں تنویر کا رشتہ کر دیا جس کا اولین فرض اس ملک میں اسلام کے بدترین دشمنوں کے لیے کرائے کے سپاہی مہیا کرنا ہے۔

لیکن اب بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو قدم اُٹھا چکے ہو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ میں یہ گوارا نہیں کروں گا کہ اب تمہیں بزدلی کا طعنہ دیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم نے جو راستہ اختیار کر لیا ہے اس کی آخری منزل کیا ہو گی۔ لیکن کاش تم اس باپ کی بے بسی کا اندازہ لگا سکتے جس کا بیٹا میدانِ جنگ میں لڑ رہا ہو اور وہ اس کی فتح کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا بھی نہ کر سکتا ہو۔ آج تمہاری ماں میرے پاس سفارش لے کر آئی تھی اور اس نے مجھ سے یہ التجا کی تھی کہ میں تم پر خفا ہونے کی بجائے تمہاری

کامیابی کے لیے دُعا کروں۔ لیکن جب میں نے اسے یہ جواب دیا کہ شہباز ادھونی کی فوج کا ملازم ہے اور ادھونی کی فتح ان مقاصد کی شکست ہو گی جن کے لیے معظم علی اور اس کے بیٹوں نے جان دی تھی۔ کیا تم یہ دُعا کر سکتی ہو کہ کسی دن تمہارے بیٹے کے ہاتھ انور اور مُراد کے خون سے رنگے جائیں تو اس کے پاس میری بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ صرف یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی کہ دکن اور میسور میں جنگ نہیں ہو گی۔ میں یہ نہیں سوچ سکتی کہ میر نظام علی مرہٹوں اور انگریزوں کے اُکسانے پر میسور پر چڑھائی کر دے گا۔

شہباز خاں کے جسم پر کپکپی طارہ ہو چکی تھی۔ اس نے ملتجی آواز میں کہا۔ ابا جان جب میں بھرتی ہوا تھا تو میرے ذہن میں اس قسم کے سوالات نہیں تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں معظم علی کے بیٹوں کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا۔

اکبر خاں چلایا۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ تم فوج میں بھرتی ہوتے وقت مہابت جنگ اور نظام کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہو۔ اور میں تمہیں غداری کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے صرف کسی کے طعنوں سے تنگ آ کر فوج میں بھرتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ تمہیں ایک مدت سے اس بات کا شوق تھا۔ تم طاہر بیگ کے خاندان کے لوگوں کی نظروں میں اُونچا بننے کے لیے کسی لڑائی میں حصہ لینے سے دریغ نہیں کرو گے۔ تم آج سے ادھونی کی فوج کے سپاہی ہو اور میں آئندہ تمہیں کبھی یہ سوچنے کی دعوت نہیں دوں گا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ آج سے ہمارے راستے مختلف ہیں۔

ثمینہ کمرے میں داخل ہوئی۔ شہباز کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کیلئے صورتِ حالات کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اکبر خاں کا بازو

پکڑتے ہوئے کہا۔ابا جان چلیے کھانا تیار ہے۔

جب اکبر خاں نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے مُنھ بسورتے ہوئے کہا۔ابا جان۔ بھائی جان نے کیا قصور کیا ہے؟

کچھ نہیں جاؤ۔تم باہر کھیلو!

ثمینہ آب دیدہ ہو کر شہباز کی طرف متوجہ ہوئی۔ بھائی جان آپ باہر چلے جائیں۔ابا جان آج بہت خفا ہیں۔۔

پھر وہ چند ثانیے اکبر خاں کی طرف دیکھنے کے بعد بولی۔ چلیے ابا جان کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور امی جان آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

اکبر خاں نے اُسے بازو سے پکڑتے ہوئے۔ اپنی گود میں بٹھالیا اور اس نے اپنے ننھے بازو اس کے گلے میں ڈال دیے۔

شہباز خاں اپنے باپ کے چہرے پر ایک ہلکا سا سکون دیکھ کر یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب طوفان گزر چکا ہے۔

چھٹا باب

نظام اور مرہٹوں کی افواج میسور کی طرف بڑھیں اور انہوں نے شمالی سرحد کی بستیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بادامی کا محاصرہ کر لیا۔ بادامی کی حفاظت کے لیے تین ہزار سپاہی متعین تھے۔ اتحادیوں کی فوج تقریباً تین ہفتے شہر پناہ پر گولہ باری کرتی رہی لیکن اسے فصیل توڑنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر انہوں نے ۲۰ مئی ۱۷۸۶ء کے دن یلغار کر کے فصیل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب چاروں طرف سے ہزاروں خندق عبور کر کے سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے تو انہیں ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ میسور کی فوج نے خندق کے آس پاس جگہ جگہ بارود کی سرنگیں بچھا رکھی تھیں۔ اچانک ایک سمت سے بارود کے دھماکوں کا سلسلہ شروع ہوا اور آن کی آن میں چاروں اطراف سے حملہ آور فوج کو گرد و غبار اور دھوئیں کے بادلوں نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ حملہ آور سینکڑوں لاشوں اور زخمیوں کو فصیل کے آس پاس چھوڑ کر سراسیمگی کی حالت میں پیچھے ہٹے لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ فصیل پر یلغار کر رہے تھے۔ شہر کے محافظوں نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا لیکن حملہ آوروں کے سیلاب کے آگے اُن کی پیش نہ گئی۔ وہ اپنی بندوقوں، سنگینوں، نیزوں اور تلواروں سے فصیل پر چڑھنے والوں کا راستہ روک رہے تھے۔ لیکن جہاں دشمن کا ایک آدمی زخمی ہو کر گرتا وہاں دس اور اُس کی جگہ لینے کے لیے موجود تھے۔ تھوڑی دیر میں شہر پناہ کے کئی حصوں پر دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا اور میسور کے جانباز گلیوں میں لڑتے ہوئے قلعے کی طرف ہٹ رہے تھے۔ جب یہ لوگ قلعے میں داخل ہو رہے تھے تو دشمن نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کر کے دروازے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قلعے کی فصیل سے

شدید گولہ باری کے باعث انکی پیش نہ گئی۔ حملہ آوروں نے پے در پے یلغار کر کے قلعے کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن میسور کے جانبازوں نے اُن کے حوصلے خاک میں ملا دیے۔ نظام اور پیشوا کے لشکر کو قریباً سولہ سولا شیں چھوڑ کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ قلعے کے محافظوں کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔ لیکن دشمن کی تعداد کے پیشِ نظر اُن کے کنادار کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ زیادہ دیر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قلعے کی فوج جس تالاب سے پانی حاصل کرتی تھی، وہ شہر میں تھا اور دشمن نے شہر پر قبضہ کرتے ہی پانی بند کر دیا تھا۔ جب پانی کی قلت کے باعث کئی آدمی ہلاک ہو گئے اور کماندار کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آئندہ چند دن میں اسے کوئی کمک نہیں مل سکتی تو اس نے اپنے سپاہیوں کی جان بخشی کی شرط پر قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا۔

بادامی کی فتح کے بعد نانا فرنویش نے مرہٹہ افواج کی قیادت ہری پنت کے سپُرد کی اور خود پونا چلا گیا۔ ہری پنت نے گجندر گڑھ کے قلعے پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ کافی مضبوط تھا لیکن میسور کے ایک نمک حرام افسر نے دشمن سے رشوت لے کر قلعہ کے دروازے کھول دیے۔

اس سے قبل مرہٹوں کا ایک لشکر گنیش پنت کی قیادت میں کٹھور کے قلعے پر حملہ کر چکا تھا۔ لیکن یہاں ان کا مقابلہ ٹیپو کے نامور سپہ سالار برہان الدین کے ساتھ تھا۔ برہان الدین نے مرہٹوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ پونا کی حکومت نے تکوجی ہلکر کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ گنیش پنت کی مدد کے لیے پیش قدمی کا حکم دیا۔ ہلکر نے براہِ راست کٹھور کے قلعے پر حملہ کرنے کی بجائے آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اس

اثناء میں شاہنور کا نواب عبدالحکیم ا خان سلطان کے ساتھ غداری کر کے مرہٹوں کے ساتھ مل گیا اور مل کر اور گنیش پنت کی افراج کٹھورا کا محاصرہ چھوڑ کر اپنے نئے اتحادی کو مدد دینے کی نیت سے شاہنور کی طرف بڑھیں۔ برہان الدین نے مرہٹوں کا پیچھا کیا اور شاہ نور کے قریب ان پر حملہ کر دیا لیکن نواب شاہ نور اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔اس کے بعد مرہٹوں نے کٹھور اور لکشھور کے اضاع کے چند قلعوں پر قبضہ کر لیا۔برہان الدین کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کر سکتا۔ وہ کمک پہنچنے تک مدافعانہ طریقِ جنگ سے دشمن کو مختلف محاذوں پر زیادہ سے زیادہ دیر الجھانے کے لیے کوشاں رہا۔

انھی ایام میں نظام اور مرہٹوں کی شہ پا کر کورگ کے جنگجو نائر دوبارہ بغاوت کر چکے تھے اور سلطان ٹیپو کو شمالی محاذ کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینی پڑی۔ کورگ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد سلطان بنگلور پہنچا اور وہاں سے اس نے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔بنگلور سے روانہ ہوتے وقت اس کے ساتھ چالیس ہزار جانباز تھے جو کئی میدانوں میں مردانگی کے

ا حیدر علی نے ۱۷۷۶ء میں عبدالحکیم خاں کو مرہٹوں کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم کی سزا دینے کے لیے شاہنور پر قبضہ کر لیا تھا۔لیکن اس کے بعد عبدالحکیم سے اطاعت کا وعدہ لے کر اسے چار لاکھ سالانہ خراج کے عوض شاہنو کی سلطنت واپس دے دی۔اس کے بعد نواب حیدر علی نے عبدالحکیم کے ساتھ اپنے تعلقات زیادہ

مضبوط بنانے کے لیے اپنی صاحبزادی کی شادی اس کے بڑے بیٹے کے ساتھ کر دی تھی اور اپنے بڑے بیٹے کریم صاحب کا رشتہ نواب شاہنور کی بیٹی کے ساتھ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ حیدر علی نے شاہنور کی سلطنت کا وہ حصہ بھی جو مرہٹوں نے چھین لیا تھا۔ فتح کر کے نواب عبد الحکیم کے حوالے کر دیا۔ لیکن نواب شاہنور نے ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ جب

اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب میسور پر نظام اور مرہٹوں کے لشکر کی فتح یقینی ہے تو اس نے سلطان ٹیپو کے خلاف بغاوت کر دی۔"

جوہر دکھا چکے تھے۔ راستے میں مختلف مقامات پر باج گزار سرداروں اور پالیگاروں کے دستے اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا اور سلطان ٹیپو مرہٹوں کی رسد اور کمک کے راستے مسدود کرنے کے لیے ندیوں، نالوں اور دریاؤں کی طغیانیوں سے پورا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

حیدر آباد اور پونا کی افواج کے سپہ سالاروں کو یہ یقین تھا کہ سلطان کا اولین مقصد برہان الدین کی اعانت ہے لیکن ایک دن پونا اور دکن کے حکمران حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ خبر سن رہے تھے کہ شیرِ میسور کی افواج ادھونی کے دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ ادھونی کا گورنر مہابت جنگ نظام کا بھتیجا بھی تھا۔ اور داماد بھی۔ سلطان ٹیپو جیسے جہاں دیدہ سپاہی کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ میر نظام علی تنگھدرہ کے جنوب میں اپنا مضبوط ترین قلعہ بچانے کے لیے فوراً اس طرف متوجہ ہو گا جب سلطان کی افواج ادھونی کے قلعہ پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ تو مہابت جنگ کے ایلچی نظام اور پیشوا کے دربار میں یہ فریاد کر رہے تھے کہ ادھونی کی حفاظت کا مسئلہ دکن کے حکمران خاندان کی عزت اور وقار کا مسئلہ ہے۔

مہابت جنگ نے تباہی سر پر دیکھی تو ایک خطیر رقم پیش کر کے سلطان کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن سلطان ٹیپو نے اس کے ایلچی کو جواب دیا کہ اگر مہابت جنگ میری دوستی کا طلب گار ہے تو اسے خود میرے پاس آنا چاہیے۔ اگر وہ مرہٹوں کا ساتھ چھوڑ دے تو میری اس کے سات کوئی عداوت نہیں

لیکن مہابت جنگ کو نظام اور مرہٹوں سے اعانت کی پوری اُمید تھی اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سلطان کو چند دن کے لیے جنگ ملتوی کرنے پر آمادہ کیا جائے سلطان ٹیپو کو بھی اس بات کا پورا یقین تھا کہ نظام اور مرہٹے ادھونی کو خطرے میں دیکھ کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ اس لیے وہ مہابت جنگ کو کمک پہنچنے سے پہلے پہلے ادھونی پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔

☆

طاہر بیگ کی بیوی عطیہ اور اس کی بہو تنویر اپنے عالیشان مکان کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں دریچے کے سامنے کھڑی تھیں۔ شہر میں چاروں اطراف سے توپوں اور بندوقوں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے اور فضا میں دھوئیں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ زینے پر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دم بخود ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

ہاشم بیگ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔" ابا جان کا حکم ہے کہ میں آپ کو قلعے کے اندر پہنچا دوں۔ شہر پر دشمن کا دباؤ بڑھ رہا ہے آپ میرے ساتھ چلیں نوکر سامان لے کر آجائینگے، عطیہ نے کہا لیکن تمھارے ابا جان تو کہتے تھے کہ شہر کو چند ہفتوں کے لئے کوئی خطرہ نہیں؟ ہاشم بیگ نے کہا امی جان آپ جلدی کریں آپ کا وہاں جانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ شہباز خان زخمی ہو گیا ہے

اس کی دیکھ بھال کے لئے کسی اچھے طبیب کی ضرورت تھی اس لئے ہم نے اسے گھر لانے کی بجائے قلعے کے اندر پہنچا دیا ہے۔

عطیہ اور تنویر کچھ دیر سکتے کے عالم میں ہاشم بیگ کی طرف دیکھتی رہیں بالآخر تنویر چلائی، خالہ جان آپ کیا سوچ رہی ہیں خدا کے لئے جلدی کیجیے پھر اس نے ہاشم بیگ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی بھائی جان کب زخمی ہوئے؟

ان کی حالت اب کیسی ہے؟ خدا کے لئے سچ سچ بتائیے وہ زندہ ہیں نا؟

ہاشم نے جواب دیا ابھی دشمن کی گولہ باری کے باعث شہر کی فصیل کا ایک برج گر پڑا تھا اور وہ نیچے آگئے تھے ہم نے انھیں اینٹوں کے ڈھیر سے نکالا تو ان کے سر اور ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اب وہ ہوش میں ہیں جراح کا خیال ہے کہ ان کے زخم زیادہ شدید نہیں اور وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد عطیہ اور تنویر قلعے کے ایک کمرے میں شہباز کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں شہباز خان بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی خون بند نہ ہونے کے باعث اس کے ماتھے پر پٹی کا کچھ حصہ سرخ ہو چکا تھا شہباز کا چہرہ ایک ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا آئینہ دار تھا تاہم وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا تنویر میں ٹھیک ہوں میں بالکل ٹھیک ہوں تمھیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پانی مانگا تنویر جلدی سے اٹھ کر پانی کا کٹورا لے آئی عطیہ نے اسے اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ شہباز نے ہاتھ بڑھا کر کٹورا پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ سیدھا کٹورے کی طرف جانے کی بجائے اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا تنویر نے اپنی خلہ کی طرف دیکھا اور بڑی مشکل سے اپنے سسکیاں بند کرتے ہوئے پانی اس کے منہ سے لگا دیا پانی پلانے کے بعد عطیہ نے اس کا سر تکیے پر رکھ

کر سسکیاں لینے لگی۔ شہباز نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا خالہ جان اسے سمجھایئے دیکھیے میں بالکل ٹھیک ہوں

تنویر نے کہا بھائی جان آپ مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کریں میں آپ کی بہن ہوں مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جب میں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

کیا معلوم ہو گیا تھا؟ شہباز نے برہم ہو کر کہا

بھائی جان آپ کی آنکھیں۔

شہباز نے چند ثانیے کوئی بات نہ کی۔ بالآخر اُس نے کہا۔ تنویر سر کے زخم کے باعث کبھی کبھی میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا جاتی ہے۔ لیکن طبیب کہتا تھا کہ یہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔ دیکھو اب میں کمرے کی ہر چیز دیکھ سکتا ہوں۔ اٹھ کر میرے سامنے بیٹھو اور میرا امتحان لے لو۔

عطیہ نے کہا۔ بیٹی سر پر زخم آنے سے کبھی کبھی ایسی حالت ہو جاتی ہے، تمھیں حوصلے سے کام لینا چاہیے۔

شہباز نے کہا۔ تنویر مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ابا جان کو میرے زخمی ہونے کی خبر نہیں دو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے اس حالت میں دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ طبیب نے مجھے بہت تسلی دی ہے۔

شام کے قریب طاہر اور ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوئے۔ شہباز نے ان کے قدموں کی آہٹ پا کر آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ’’خالہ جان اب میری آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ دیکھیے میں خالو جان اور ہاشم بیگ کو دیکھ سکتا ہوں۔‘‘

طاہر بیگ نے آگے بڑھ کر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ’’شہباز میں

تمہارے لیے بہت اچھی خبر لایا ہوں۔ تہور جنگ اور ہری پنت چالیس ہزار سواروں کے ساتھ یہاں پہنچنے والے ہیں۔اس کے علاوہ حضور نظام نے حیدر آباد سے مغل علی خاں کو پچیس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کر دیا ہے۔میسور کی فوج بہت جلد محاصرہ اُٹھانے پر مجبور ہو جائے گی۔"

لیکن شہباز کے لیے اس خبر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔اس نے سراپا احتجاج بن کر کہا" خالو جان طبیب کو بلایئے میری آنکھوں کے سامنے پھر اندھیرا چھا رہا ہے۔"



سلطان ٹیپو نے تہور جنگ ہری پنت اور مغل علی خاں کی افواج کی آمد کی خبر سنی تو اس نے ادھونی پر فوراً قبضہ کرنے کے لئے چند شدید حملے کیے لیکن ادھونی کے دفاعی استحکامات کے باعث اسے کامیابی نہ ہوئی پھی جب پینسٹھ ہزار سواروں کا لشکر ادھونی کے قریب پہنچ گیا تو سلطان نے شہر پر قبضہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر کے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔

نظام اور مرہٹوں کی فوئی مداخلت نے اگرچہ سلطان ٹیپو کو ادھونی کے قلع پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا موقع نہ دیا۔لیکن اس کی ایک بہت بڑی جنگی چال کامیاب ہو چکی تھی۔اس نے دشمن کے لئے ایک نیا محاذ کھول کر اس کی بیشتر افواج کو عین اس وقت عریائے تنگبھدرہ عبور کے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔جب کہ برسات شروع ہونے کو تھی اتحادی اگر اپنے جنگی پلان پر عمل کرتے تو وہ دریائے تنگبھدرہ کے پار رسد اور بارود کے ذخیر جمع کرتے اہوا پنے فوجی اڈے قائم کرنے سے پہلے جنوب کی طرف نہ بڑھتے لیکن اب وہ ضروری انتظامات کئے بغیر آگے آ چکے تھے۔ برسات کی آمد آمد تھی اور تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان بیشتر علاقہ جہاں سے انہیں

طغیانی کے دنوں میں رسد ملنے کی امید ہو سکتی تھی ابھی تک سلطان کی افواج کے قبضہ میں تھا۔ ہری پنت اور مغل علی خاں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ برسات کی طغیانیوں کے باعث ان کے لئے رسد اور کمک کے راستے بالکل مسدود ہو جائیں گے۔ مہابت جنگ کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ادھونی سے نکال کر راچور پہنچ جائے مہانے جنگ نے ادھونی کے امرا سے مشورہ کرنے کے بعد ہری پنت کی ہدایات پر عمل تھا چنانچہ ایک دن ادھونی کے قلعے کے دروازے پر ہاتھیوں، گھوروں پالکیوں کی قطاریں دھڑی تھیں مہابت جنگ اور دوسرے روسا اپنے بال بچوں سمعت ان پر سوار ہو رہے تھے بعض خواتین ڈولیوں میں سوار ہو کر قلعے سے باہر نکل رہی تھی۔ قلعے کے اندر ایک مکان کے سجادہ دمرے میں طاہر بیگ کے خاندان کے چند افراد جمع تھے۔ شہباز خان بستر پر لیٹا ہوا تھا اور تنویر سراپا التجا بن کر طاہر بیگ عطیہ اور خانان کی دوسری عورتوں سے کہہ رہی تھی خدا کے لئے بھائی جان کو سفر پر مجبور نہ کیجئے۔ طبیب نے آپ کے سامنے یہ کہا تھا کہ اگر انھوں نے چند ہفتے چلنے پھرنے سے پرہیز نہ کیا تو یہ ہمشہ کے لئے بینائی سے محروم ہو جائیں گے۔

طاہر بیگ نے کہا بیٹی فکر نہ کرو، اس بات کی پوری احتیاط کی جائے گی کہ انہیں راستے میں کوئی تکلیف نہ ہو میرے نوکر انہیں بستر سمعیت یہاں سے اٹھا کر لے جائیں گے۔

تنویر نے کہا خالو جان خدا کے لئے اس بات پر اصرار نہ کیجیے۔ مجھے معلوم ہے کہ راستے میں دشمن ضرور حملہ کرے گا۔ اور آپ کے لئے ان کی حفاظت ایک مسئلہ بن جائیں گے۔

طاہر بیگ نے کہا لیکن جب میسور کی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی تو ان کا کیا

رہے گا؟

میں میسور کے سپاہیوں کو جانتی ہوں وہ ایک زخمی اور بے بس انسان پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

ایک عمر رسیدہ عورت نے کہا مرزا صاحب آپ کی بہو کا خیال درست ہے شہباز کے لئے اس حالت میں سفر کرنا یقیناً تکلیف کو ہوگا اور اگر ان کی بینائی چھن جانے کا خطرہ ہے تو آپ اصرار نہ کیجیے پھر اگر آپ یہاں ہیں تو ان کے ٹھہرنے میں کیا حرج ہے۔

طاہر بیگ نے کہا اچھی بیٹی گر تمھارا یہی خیال ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن تم جلدی کرو قافلہ تیار کھڑا ہے۔

تنویر نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا آپ خالہ جان کو بھیج دیجیے میں یہیں رہوں گی میں بھائی جان کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی انہیں میری ضرورت ہے

شہباز جو انتہائی سکون کے ساتھ یہ بحث سن رہا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور چلایا تنویر محبت تمھاری قطعاجورت نہیں خدا کے لئے تم فوراً خالہ جان کے ساتھ چلی جاؤ

اس کے ساتھ ہی شہباز نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا تنویر نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے بستر پر لٹاتے ہوئے کہا بھائی جان خدا کے لئے آپ لیٹے رہیے۔

شہباز نے کان میں کہا تنویر اگر تم پانچ منٹ کے اندر اندر یہاں سے نہ نکل گئیں تو میں پیدل قافلے کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاؤں گا خالہ جان اسے لے جائے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔

عطیہ نے کہ ۱۹ ابیٹی تنویر اب جد نہ کرو تمہیں معلوم ہے کہ جب دشمن شہر پر قبضہ

کرے گا تمھارا یہاں تہزان تمھاعت بھائی کے لئے کتنا تکلیف دہ ہوگا لیکن اگر تم نہیں مانتی تو میں بھی یہیں رہوں گی۔

خاندان کی عمر رسیدہ عورتوں کے سمجھانے اور شہباز سے مزید ڈانٹ ڈپٹ سننےکے بعد تنویر بادل نا خواستہ اپنی خالہ اور باقی عورتوں کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئی لیکن کمرے سے باہر نکلتے وقت اس کی آنکھوں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔

☆

قافلے کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہاشم بیگ اپنے اپنے مورچے سنبھال چکے تھے شہباز نیم خوابی کی حالت میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور ایک نوکر جسے طاہر بیگ اس کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اس کے بستر سے چند قدم دور فرش پر لیٹا خراٹے لے رہا تھا۔ دوپہر کے وقت شہباز کو پیاس محسوس ہوئی اور اس نے نوکر کو آواز دی۔ لیکن جواب میں اسے نوکر کے خراٹے بےحد ناگوار محسوس ہوئے۔ پانی کی صراحی اس کے بستر سے چند قدم دور پڑی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا صراحی کی طرف بڑھا۔ لیکن تین چار قدم اٹھانے کے بعد اس نے سر میں درد کی ٹیسیں محسوس کیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔ تاہم اس نے اس بےبسی کی حالت میں نوکر کو دوبارہ آواز دینا گوارہ نہ کیا۔

قدرے توقف کے بعد وہ سنبھل کر قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر فرش پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے صراحی ٹٹولنے لگا۔ اچانک اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

”کون ہے؟“ اس نے کرب انگیز لہجے میں سوال کیا۔

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ کوئی دبے پاؤں اس کے قریب آ رہا ہے اس کے بعد اسے صراحی سے پانی نکلنے کی آواز سنائی دی اور پھر کسی نے بھرا ہوا پیالہ اس کے منہ کو لگا دیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیالہ اور دوسرے ہاتھ سے پانی پلانے والے کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''خدا کے لیے بتاؤ، تم کون ہو؟''

جواب میں اسے دبی دبی سسکیاں سنائی دیں اور وہ پانی کا پیالہ فرش پر رکھ کر بلند آواز سے چلایا۔ ''تنویر، تنویر، تم! ـــــــــ تم یہاں کیسے آ گئیں؟ تمھیں اس وقت یہاں سے کوسوں دُور ہونا چاہیے تھا!''۔

تنویر نے دوبارہ پیالہ اس کے منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''بھائی جان، آپ پہلے پانی لیں۔''

شہباز پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد اُٹھ کھڑا ہو گیا اور تنویر اسے بازو سے پکڑ کر بستر پر لے گئی۔ شہباز بار بار یہ پوچھ رہا تھا۔ ''تنویر خدا کے لیے بتاؤ تم کہاں چھپ گئی تھیں۔ تم گئی کیوں نہیں؟ اگر خدانخواستہ دشمن کے سپاہی یہاں پہنچ گئے ہوتے تو کیا ہوتا؟''

تنویر نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''بھائی جان آپ نے مجھے قافلے کے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مجھے قافلے کو راستے میں چھوڑ کر واپس نہیں آنا چاہیے۔ میں شہر سے نکلتے ہی بہلی سے اُتر کر ایک گھوڑے پر سوار ہو گئی تھی۔ شہر سے چند میل دور جا کر میں نے خالہ جان سے کہہ دیا تھا کہ میں واپس جا رہی ہوں۔ دو نوکروں نے تھوڑی دور میرا پیچھا کیا تھا۔ لیکن میں نے انھیں ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھیج دیا۔''

شہباز نے کہا۔ ''تنویر مجھے معلوم نہیں تمھاری اس غلطی کا انجام کیا ہو گا لیکن میرا

یہ کہنا غلط تھا کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش تم یہاں ہوتیں۔ میں اپنی جرات اور مردانگی کا ثبوت دینے کے لیے ادھونی کی فوج میں بھرتی ہوا تھا لیکن اب مجھے معلوم ہوا کہ میں بہادر نہیں ہوں۔ ابھی تمہاری آنے سے چند ثانیے قبل میں ایک بچے کی طرح چلا چلا کر رونا چاہتا تھا۔ طبیب نے مجھے بالکل جھوٹی تسلیاں دی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ میں بہت جلد ہمیشہ کے لیے بینائی سے محروم ہو جاؤں گا۔''

بھائی جان' مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھ کر مہت خفا نہیں ہوں لیکن خالو جان اور ہاشم کیا کہیں گے۔'' مجھے ان کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ مَیں انھیں یہ جواب دے سکوں گی کہ مَیں شہباز کی بہن ہوں۔''

مہابت جنگ کے ادھونی سے نکلنے کے بعد مغل علی خاں اور تہور جنگ نے دریائے تنگبھدرہ کے جنوب میں سلطان ٹیپو کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینا غیر ضروری خیال کیا۔ چنانچہ شہزادہ مغل علی خاں واپس حیدر آباد چلا گیا اور تہور جنگ کے تحت مغل اور مرہٹہ افواج نے کنچن گڑھ کا رخ کیا۔ جہاں ہری پنت کا بیشتر لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

سلطان ٹیپو نے کسی تاخیر کے بغیر دوبارہ ادھونی کا رخ کیا۔ ادھونی کی فوج کے افسر اور سپاہی مہابت جنگ کے فرار ہو جانے اور مغل علی خان اور تہور جنگ کے لشکر کی پسپائی کے باعث بد دل ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کسی قابلِ ذکر مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔

اس صورتِ حال کو ادھونی کا حکمران طبقہ اپنی تاریخ کا بدترین سانحہ سمجھتا تھا

لیکن عوام کے جذبات ان سے مختلف تھے۔ وہ اگر کوئی خطرہ محسوس کرتے تھے تو وہ میسور کے لشکر کی طرف سے نہ تھا۔ بلکہ ان مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہیوں کی طرف سے تھا جنہیں ادھونی کی حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب شہزادہ مغل علی خاں اور تہور جنگ کی فوج کے ساتھ ہزاروں مرہٹے ادھونی میں داخل ہوں گے تو ادھونی کے حکمران طبقے سے تعلق رکھنے والے چند خاندانوں کے سوا کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں رہے گی۔ سلطان کی فتح ان کے نزدیک انسانیت کی فتح تھی اور جب سلطان کا لشکر شہر میں داخل ہوا تو وہ اپنے گھروں کی کوٹھریوں اور تہ خانوں میں چھپنے کی بجائے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر اس کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ میسور کے کسی سپاہی کی تلوار نیام سے باہر نہ تھی۔ کسی کے چہرے پر فتح کا غرور نہ تھا۔ خوشی کے نعروں اور مسرت کے قہقہوں کی بجائے اُن کی زبانوں پر خاموش دعائیں تھی۔ جو لوگ آئے دن دکن کے اُمراء کی خود پسندی اور رعونت کے مظاہرے دیکھنے کے عادی تھے۔ ان کے لیے میسور کے حکمران کی سادگی اور انکساری ایک نئی بات تھی۔ رعب و جلال کا پیکر مجسم ایک خوب صورت گھوڑے پر سوار تھا۔ لیکن اس کی نگاہیں تماشائیوں کی طرف ایک فاتحانہ غرور سے دیکھنے کی بجائے زمین میں گڑھی جا رہی تھیں۔ مسلمان اسے ایک درویش، ایک ولی اور ایک بزرگ سمجھتے تھے۔ ہندوؤں کی نگاہ میں وہ ایک دیوتا تھا اور ادھونی کی تمام بیٹیاں اسے اپنی عزت کا محافظ سمجھتی تھیں۔



شہباز گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اپنے بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔ تنویر ایک دریچے کے سامنے کھڑی قلعے کے کشادہ صحن کی طرف جھانک رہی تھی جہاں میسور کے سپاہی جمع

ہو رہے تھے۔

شہباز نے کہا۔" تنویر آؤ بیٹھو جاؤ۔ پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں جو ہونا ہے ہو رہے گا۔"

تنویر آگے بڑھ کر اس کے قریب ایک مونڈھے پر بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی۔" بھائی جان وہ ابھی تک نہیں آئے بہت دیر ہو گئی۔ خالو جان کہتے تھے کہ اگر ہمیں قیدی بنالیا گیا تو بھی میں کوشش کروں گا کہ ہمیں اسی مکان میں رہنے دیا جائے۔"

شہباز نے جواب دیا۔" فاتح لشکر اپنے قیدیوں سے مشورہ نہیں لیتا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو اور ابھی تو انھیں قیدیوں کی چھان بین کرنے میں بھی کافی وقت لگے گا۔ تنویر میں بہت شرمسار ہوں، تم پر مصیبت میری وجہ سے آئی ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب تک تمھارے لیے یہاں سے بھاگ نکلنے کا موقع تھا، میرے لیے بستر سے سر اٹھانا محال تھا اور آج میں دو گھنٹوں سے اِسی طرح بیٹھا ہوا ہوں اور مجھے کوئی نہیں ہوئی۔ آج مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری بینائی کبھی خراب نہیں تھی۔ اگر تم اجازت دو تو میں باہر جا کر ان کا پتا کروں؟"

تنویر نے کہا۔" نہیں نہیں بھائی جان میں آپ کو بستر سے اُٹھنے کی اجازت نہیں دوں گی۔

طبیب بار بار یہ تاکید کر چکا ہے کہ آپ کو صرف مکمل آرام خطرے سے بچا سکتا ہے۔"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ تنویر کا دل دھڑکنے لگا اور وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ ''دشمن نے عام سپاہیوں کو آزاد کردیا ہے۔ لیکن افسروں کے متعلق یہ فیصلہ ہُوا ہے کہ انھیں جنگ کے زمانہ میں قید رکھا جائے گا۔ ہمیں اس وقت قلعے سے باہر کسی کیمپ میں منتقل کیا جارہا ہے مجھے صرف دو منٹ کے لیے آپ کے پاس آنے کی اجازت ملی ہے۔ میرے ساتھ دو سپاہی آئے ہیں اور وہ دروازے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں آپ کے ساتھ وہ کیا سلوک کریں گے۔ صرف یہ پتا چلا ہے کہ وہ عورتیں اور بچے اس قلعے میں ہیں انھیں سرِ دست شہر کے مکانات میں منتقل کردیا جائے گا مجھے قلعہ خالی کر وانے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ بظاہر اس بات کے کوئی آثار نظر نہیں آتے کہ دشمن اسے اپنی فوج کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے سلطان ٹیپو قلعے کا معائنہ کرنے کے بعد فوراً اپنے پڑاؤ میں چلے گئے ہیں۔ وہ یہاں سے فوج کے صرف چند دستے لے گئے۔ دشمن قلعے کی بھاری توپیں بھی یہاں سے اُٹھوا کر باہر لے جا رہا ہے۔ ابا جان کو یقین ہے کہ سلطان کی فوج آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گی اور اگر انھیں سلطان یا ان کی فوج کے کسی بڑے افسر کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع مِلا تو وہ ان سے یہ درخواست کریں گے کہ جب تک آپ تندرست نہیں ہوتے آپ کو یہیں رہنے دیا جائے۔ میں آپ کو ایک اور خبر سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے ابھی مُرادعلی کو دیکھا ہے۔

شہباز نے چونک کر کہا۔ مُرادعلی ـــــــ سرنگا پٹم والا مُرادعلی؛ آپ نے اس کے ساتھ کوئی بات کی ہے؟ نہیں اس کا دھیان دوسری طرف تھا اور مجھے اس حالت میں اس سے ملاقات کرنا گوارا بھی نہ تھا۔

تنویر نے پُوچھا۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ کوئی اور نہیں تھا؟

ہاں میں نے اسے پانچ چھ قدم کے فاصلے سے دیکھا تھا اور میری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔

باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی اور ہاشم بیگ نے کہا۔ سپاہی مجھے بلا رہے ہیں۔تنویر کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ ہاشم بیگ ایک ثانیہ توقف کے بعد دروازے کی طرف بڑھا اور تیزی سے قدم اُٹھاتا ہُوا باہر نکل گیا شہباز اور تنویر دیر تک پریشانی اور اضطراب کی حالت میں بیٹھے رہے۔



کوئی ایک گھنٹہ بعد نوکر پریشان صورت کمرے میں داخل ہُوا اور اُس نے شہباز سے کہا۔حضور میسور کی فوج کا ایک افسر اور تین سپاہی دروازے پر کھڑے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دس منٹ کے اندر اندر یہ مکان خالی کر دینا چاہیے۔ قلعے کے تمام مکان خالی ہو رہے ہیں۔میں نے انھیں بہت سمجھایا کہ اس مکان میں ایک پردہ نشین بی بی اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔جن کے لیے دو قدم چلنا بھی وہ افسر کہتا ہے کہ یہ مکان ہر حالت میں خالی کرنا پڑیگ گا۔ اگر اس میں کوئی ایسا آدمی ہے جو چل نہیں سکتا تو میرے سپاہی اُسے اٹھا کر لے جائیں گے۔ میں خود ان سے بات کرتی ہوں۔“تنویر یہ کہہ کر اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوں باہر نکل گئی۔

تنویر! تنویر! ٹھرو تم باہر مت جاؤ!“شہباز یہ کہہ کر بستر سے اُٹھا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر وہ اچانک مُڑا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبا کر فرش پر بیٹھ گیا۔

نوکر جو تذبذب کی حالت میں دروازے کے سامنے کھڑا تھا، آگے بڑھا اس نے شہباز کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک مونڈھے پر بٹھا دیا۔

مکان سے باہر میسُور کی جوج کا افسر تنویر سے کہہ رہا تھا۔ محترمہ مَیں آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ اس قلعے کو خالی کرنا کیوں ضروری ہے میں صرف اپنے سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ آپ کا بھائی اگر چلنے پھرنے کے قابل نہیں تو اسے اٹھا کر اسے لے جانے لا جانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے پاس اب گفتگو کے لیے زیادہ وقت نہیں۔

تنویر نے کہا۔ آپ مُراد علی کو جانتے ہیں وہ آپ کی فوج میں ہے؟

ہماری جوج میں اس نام کے کئی آدمی ہو سکتے ہیں۔ آپ کس مُراد علی کے متعلق پُوچھ رہی ہیں؟

وہ سرنگاپٹم کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کا نام انور علی ہے۔ ان کے والد کا نام معظم علی تھا جو میسُور کی جوج کے بہت بڑے افسر تھے ان کے دو بھائی صدیق علی اور مسعُور علی چند سال قبل انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہُوئے شہید ہو گئے تھے۔

وہ مُراد علی اس وقت یہیں ہیں اور ان کے بھائی انور ہمارے افسر ہیں۔ لیکن آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق؟

وہ میرے بھائی ہیں۔

افسر نے پریشان ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ اگر آپ مُراد علی اور انور علی کی بہن ہیں تو مجھے بھی اپنا بھائی سمجھیے۔

آپ مراد علی کو میرا پیغام لے جاتا ہُوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ آپ کو ہر صُورت میں یہ مکان خالی کرنا پڑے گا۔

نوجوان افسر اور سپاہی چلے گئے اور تنویر واپس آ کر اپنے بھائی کے کمرے میں

داخل ہوئی۔

شہباز اپنا سر ہاتھوں میں دبائے مُونڈھے پر بیٹھا تھا۔ تنویر نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کرتے ہُوئے کہا۔ بھائی جان آپ بستر پر لیٹ جائیں، ابھی آپ کو بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

شہباز اس کا سہارا لے کر آگے بڑھا اور بستر پر لیٹ گیا۔

تنویر نے اس کے چہرے سے اس کی تکلیف کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔'' کیا بات ہے بھائی جان آپ پھر درد محسوس کر رہے ہیں؟''

میں ٹھیک ہوں۔'' شہباز نے شکایت کے لہجے میں کہا،'' تنویر تمھیں باہر نہیں جانا چاہیے تھا__ وہ کیا کہتے تھے؟''

وہ کہتے تھے کہ ہم یہاں رہ سکتے۔''

اور تم نے مُراد علی سے رحم کی درخواست کی ہوگی؟''

بھائی جان آپ کو اس بات پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ مُراد اور انور میسور کی فوج کے سپاہی ہونے کے باوجود میرے بھائی ہیں اور مَیں اُن سے ایک بہن کا حق مانگ سکتی ہُوں۔''

شہباز نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ تنویر اب ان کے ساتھ ہمارے تمام رشتے

ٹوٹ چکے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں نے زخمی ہونے سے پہلے میسور کے چار سپاہیوں کو گولی کا نشان بنایا تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی مُراد یا انور نہ تھا۔ ورنہ میں بندوق چلاتے وقت یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا کہ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اب اگر تم انھیں کوئی پیغام بھیجا ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ فو

رأیہاں آئیں گے ممکن ہے کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ بھول جائیں کہ میں ان کے خلاف لڑ چکا ہُوں لیکن مَیں کس مُنھ سے یہ کہ سکوں گا کہ میں ان کی طرف سے کسی انسانی سلوک کا حقدار ہوں تنویر میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ تم ان سے میرے لِیے رحم کی درخواست کرو، اگر تم ان حالات میں بھی انھیں اپنا بھائی سمجھتی ہو تو ان سے یہ کہو کہ وہ تمھیں ابا جان کے پاس پہنچا دیں لیکن میرے لیے رحم کی بھیگ مانگ کر مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ کرنا۔ کاش تم واپس نہ آتیں!__ کاش وہ مجھے ملبے کے ڈھیر سے نا نکالتے اور آج میں اپنی بہن کی بے بستی دیکھنے کے لیے زندہ نہ ہوتا____ مجھ پر قدرت کا شاید آخری احسان یہ ہے کہ اب مجھے اب مُرادعلی کے سامنے شرم وندامت سے آنکھیں جھکانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اب اگر وہ آئے بھی تو مَیں تاریکی میں صرف ان کی باتیں سُن سکوں گا۔ میں آج صبح سے اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ میری آنکھیں ٹھیک ہو رہی ہیں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے پاوں سے چل کر قلعے کے باہر جا سکون گا لیکن میرے سر کے درد کا یہ دورہ معمول سے زیادہ طویل ہو گیا ہے اور اب مجھے وہ دُھندلی سی روشنی دکھائی نہیں دیتی۔،،

تنور نے کہا۔ بھائی جان آپ تھوڑی دیر لیٹے رہیں مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔

شہباز چند منٹ آنکھیں بند کیے خاموش پڑا رہا۔ بالآخر اس نے آنکھیں کھولیں اور کہا تنور اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری آنکھوں کے سامنےسے تاریکی کے بادسل آہستہ آہستہ چھٹ رہے ہیں۔ مجھے دریچے سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی ہے۔ میں تمھارا دھندلا سا عکس دیکھ سکتا ہوں لیکن مرادعلی یہاں آ جائے تو خدا کے لیے اسے میری آنکھوں کے متعلق کچھ نہ بتانا۔

تنویر نے اندیدہ ہوکر کہا بھائی جان اگر آپ کو طبی امداد کی ضرورت نہ ہوتی تو میں ابا جان کیے دوست کے بیٹوں کو اپنی بے بسی کا تماشا دیکھنے کی دعوت نہ دیتی میں بے غیرت نہیں ہوں ہماری آپ مجھے ایک بہن کا فرض ادا کرنے سے منع کریں اور میں آپ کے متعلق ہی نہیں بلکہ امی جان ابا جان اور ثمینہ کے متعلق بھی سوچتی ہوں“۔ث

ثمینہ ــــ میری ننھی ثمینہ!“ شہباز نے کرب انگیز لہجے میں کہا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں وہ تصور سے دور کوسوں دور اپنی بستی کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں ثمینہ کے قہقہے سُن رہا تھا::



نوکر نے دروازے جھانکتے ہوئے کہا۔“ حضور! میسور کی فوج کے دو افسر اندر آنا چاہتے ہیں۔ایک نے اپنا نام مراد علی بتایا ہے“۔

تنور نے کہا ”۔انھیں بلا ولاؤ“۔نوکر باہر نکل گیا

تنور نے کرسی سے اٹھ کر کہا ”۔ بھائی جان میں دوسرے کمرے میں جاتی ہوں لیکن آپ ان کے آنے پر اٹھنے کی کوشش نہ کریں!“

شمباز نے کوئی جواب نہ دیا۔تنویر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہُوئی برابر کے کمرے میں چلی گئی اور نُم وا دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔

مُراد اور انور کمرے میں داخل ہُوئے۔وہ ”السلام علیکم کہہ کر آگے بڑھے۔

شہباز صرف ان کے دُھندے لے سے نقوش دیکھ سکتا تھا۔اس نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا دایاں ہاتھ بڑھاتے ہُوئے کہا۔”وعلیکم السلام ــــ معاف کیجیے

میں سر میں تکلیف کے باعث اُٹھ نہیں سکتا۔"

مُراد علی سے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہُوئے کہا۔" یہ بھائی جان انور علی ہیں"۔

انور علی نے شہباز کا ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا"۔آپ کو دیکھنا میری زندگی کی ایک بہت بڑی خواہش تھی کہ ہماری ملاقات ان حالات میں ہوگی"۔

"آپ تشریف رکھیے"۔شہباز نے کہا،

وہ بستر کے قریب کرسیوں پر بیٹھ گئے،

مراد علی نے کہا، مجھے بہن تنویر کا پیغام سُن کر بہت پریشانی ہوئی تھی، آپ کی حالت کیسی ہے؟ آپ یہاں کب آئے تھے؟ اور آپ نے سر پر پٹی کیوں باندھ رکھی ہے؟

ہاشم اور اُس کے والد آپ کی قید میں ہیں میرے سر پر ایک معمولی سا زخم آ گیا تھا، زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے۔لیکن مجھے سر میں اکثر تکلیف رہتی ہے۔طبیت کا حکم ہے کہ میں تکیے سے سر اٹھانے کی کوشش نہ کروں۔"

انور علی نے کہا۔"سرکار زخم مندمل ہو جانے کے باوجود اگر آپ تکلیف محسوس کرتے ہیں تو آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیے۔آپ کے علاج کے لیے ہم اپنی فوج کے بہترین طبیبوں اور جراحوں کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔"

شہباز نے کہا۔"لیکن قبل اس کے کہ آپ میرے لیے کوئی تکلیف اُٹھائیں میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اُدھوفی کی فوج کا سپاہی ہوں اور آپ کی فوج کے ساتھ لڑائی میں زخمی ہُوا تھا۔"

انور علی نے جواب دیا۔میسُور کے طبیت علاج کرتے وقت دوست اور

دشمن کے درمیان امتیاز نہیں کرتے۔ ادھونی کی فتح کے بعد آپ کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ ہمارے سامنے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو کسی محفوظ جگہ منتقل کر دیا جائے ہاشم اور اس کے والد اگر گرفتار ہو چکے ہیں تو وہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ شہر سے باہر ایک کیمپ میں بھیجے جا چکے ہیں، وہاں آپ کے لیے ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا جا سکتا ہے اور علاج کے لیے بھی آپ کو تمام سہولتیں مہیا ہوں گی۔"

شہباز نے پوچھا" قیدیوں کا کیمپ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"کیمپ یہاں سے صرف پانچ میل دور ہے۔ لیکن آپ کے لیے بیل گاڑی کا انتظام ہو سکتا ہے اور اگر آپ بیل گاڑی پر سفر کرنا پسند نہ کریں تو ہمارے آدمی آپ کو کھاٹ پر اٹھا کر وہاں لے جائیں گے۔"

شہباز نے پوچھا۔" آپ ہمیں یہ مکان خالی کرنے کے لیے کتنا وقت دیں گے؟"

انور علی نے جواب دیا۔" مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کو پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں دے سکتے۔"

برابر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور تنویر اپنے سر پر ایک سفید چادر لیے نمودار ہوئی۔ آنکھوں کے سوا اُس کا تمام چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ انوار اور مراد احتراماً کھڑے ہو گئے۔

تنویر نے کہا۔" بھائی جان نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اُن کے لیے سفر کرنا بہت خطرناک ہے

شہباز نے مضطرب ہو کر کہا تنویر خدا کے لئے تم خاموش رہو

لیکن تنویر پر اس کی خفگی کا کوئی اثر نہ ہوا اس نے کہا مجھے معلوم نہیں کہ قلعہ

خالی کروانے میں آپ کی کیا مصلحت ہے لیکن اگر یہ سلطان کا حکم تو آپ ان سے کہیں کہ یہاں ایک بے بس زخمی آپ کی فوج کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ انور علی نے پریشان سا ہو کر کہا میری جانب سے آپ کو یہ اطمینان ہونا چاہیئے کہ ہم انہیں کوئی تکلیف نہیں دیں گئے۔

اگر کسی معمولی تکلیف سے بچنے کا و سال ہوتا ہ میں آپ سے کوئی التجا نہ کرتی لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں ہمشہ کے لئے بینائی سے کحروم نہ ہو جائیں بھائی جان اس وقت بھی آپ کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے۔

انور اور مراد چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑے رہے بالاخر انور علی نے کہا شہباز یہ قلعہ باروس اڑا دیا جائے گا۔ ہم اس معاملے میں بے بس ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو یہاں لے جانے میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جائے گا۔ تنویر نے کہا اگر یہ ضروری ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ہیں قیدیوں کے کیمپ میں بھجنے کی بجائے شہر میں اپنے مجکان کے اندر ٹھہرنے کی اجازت دے دیں

انور علی نے جواب دیا اگر شہر میں آپ کا مکان تھا تو اس قدر پرشان ہونے کی کیا ضرورت تھی آپ فوراً تیار ہو جائیں میں ابھی چند آدمی بلوا لیتا ہوں

شہباز نے کہا میں آپ کو ایک بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں اگر اکبر خان کے بیٹے کی حیثیت میں میرا آپ پر کوئی حق تھا تو وہ اس دن ختم ہو گیا تھا جس دن میں ادھونی کی فوج میں بھرتے ہوا تھا میں کسی حالت میں بھی گوارا نہیں کروں گا کہ آپ میری خاطر اپنی ذات کے لئے کوئی خطرہ مول لیں میں عام جنگی قیدیاں سے بہتر سلک کا مستحق نہیں ہوں۔ اس لئے اگر یہ قلعہ خالی کرنا ضروعی ہے تو میری پروانہ کیجئے میں قیدیوں تے کیمپ میں جانے کے لئے تیاہوں

انور علی نے جواب دیا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو صرف اتنی ہر

رعایت دی جا

رہی ہے جو ہر زخمی کے ساتھ برتی جاتی ہے اگر آپ شہر میں رہ سکتے ہیں تہ آپ کو قیکیاں کے کیمپ میں بیجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ممکن ہے کہ سلطان معظم آپ کی خاطر ہاشم اوران دے والد کو بھی شہر میں رہنے کی اجازت دے دیں انہیں صرف اس بات کی ضمانے دینی ہوگی کہ وہ جنگ کے دوران میں فرار ہو کر دوبارہ دکن کی فوج میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کرینگے اور یہ بھی ممکن ہے کی میسور اور دکن کی حکومتیں کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے اور سلطان معظم تمام قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر فرمادیں لیکن اب باتوں کا وقت نہیں مرادتم چند آدمی بلاؤ اور انہیں انگے گھر پہنچانے کا انتظام کروائیں میں ان کے علاج کے لئے کسی قابل طبیب کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں تنویر نے کہا بھائی جان میں نے ان کے چہروں پر جتح اور کامرانی کی مسکراہٹیں نہیں کیکھیں بلکہ ان کی آنکھوں میں آنسو کیکھے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب سلطان ٹیپو نے شہر میں داخل ہوتے وقت اپنے راستے میں ادھونی کے سپاہیوں کی لاشیں دیکھی ہوں گی تو ان کی بھی حالت ہوئی ہوگی ہماری بدقسمتی ہے کہ نظام نے ایک ایسے آدمی کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے جو صرف میسوء ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے مسلماتوں کے مستقبل کی امیدوں کا آخری سہارا ہے کوجودہ حالات میں ہم صرف یہی دعا کر سکتے ہیں کہ خدا نظام الملک کو صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے یا ہیں اتنی جرات اور ہمت دے کہ ہم ایک غلط راستے پر اس کا ساتھ دینے سے انکار کرسکیں

شہباز نے کہا تنویر میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ میں نے زخمی ہونے سے پہلے

میسور کے چار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ یقیناً مجھ سے بہتر مسلمان تھے اوراب اگر میں میسور کی فوج کے کسی آدمی کا احسان مند ہوتے وقت ندامت محسوس نہ کروں تو تم مجھے قابل نفرت نہیں سمجھو گی؟

تنویر نے آبدیدہ ہو کر کہا میں صرف جانتی ہوں کہ آپ میرے بھائی

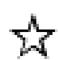
ہیں،

میں تمھارا بھائی ہوں اور تم میری خاطر یہاں ٹھہرنے پر مجبور ہو گئی تھیں میری بہن ہونے کے باعث تم میری کسی غلطی یا کوتاہی کو قابل سزا نہیں سمجھو گی میرے متعلق تمہیں اب یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایک سپاہی کی حیثیت میں میری زندگی ختم ہو چکی ہے قرت اب مجھے سلطان

ٹیپو کے خلاف تلوار اٹھانے کا موقع نہیں کے گی لیکن ہاشم تمھارا شوہر ہے اور تمہیں اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی ہے اس کا خاندان ادھونی کی شکست کا انتقام لینے کا کوئی موقع جائع نہیں بکل سکے گا تمہارا ضمیر بار بار یہ احتجاج کرے گا کہ وہ ایک غلط محاذ پر لڑ رہا تہ لیکن ایک بیوی کی حیثیت میں ادکی کوتاہیاں اور غلطیا تمہیں برداشت کرنی پڑیں گی تمہیں اپنی سرال کے خاندان کی عزت اور وقار کا خیال آئے گا تہ تم نظام اور اس کے اتحادیوں کی فتح کے لئے دعائیں مانگو گی لیکن جب تمہیں یہ خیال آئے گا کہ سلطان ٹیپو اسلام اور انسانیت کا بول بالا چاہتا ہے اور اس کے دائیں بائیں انور اور مراد جیسے لوگ کھڑے ہیں تو تمھارے لئے اس قسم کی عدائیں کتنی تکلیف دہ ہوں گی؟

تنویر نے کہا بھائی جان میں نے شادی سے پہلے کبھی اپنے مستقبل کے متعلق نہیں سوچا میں سرف یہ جانتی تھی کہ اپنی خالہ کے گھر جا رہی ہوں جب آپ ابا

جان کی مرضی کے خلاف ادھونی کی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے تو میں یہی سمجھی تھی کہ آپ کو خالو خان کے خاندان کے لوگوں کے طعنوں نے متاثر کیا ہے اور میں یہ دعا کیا کرتی تھی کہ آپ ایک سپاہی کی حیثیت میں اتنا نام پیدا کریں کہ ادھونی کا بڑے سے بڑا آدمی آپ پر رشک کرے لیکن یہ بات میرے وہم و گمان میں نہ تھی کہ جب سپاہیانہ جوہر دکھانے کا وقت آئے گا تو میرے بھائی اور میرے خاوند کو ایک غلط محاذ پر لڑنا پڑے گا اب میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں اور میری دعائیں صرف یہی ہوں گی کہ خدا میرے شوہر کو باطل کی بجائے حق کا ساتھ دینے کی جرات دے۔



مراد اور انور بلاناغہ شہباز کی تیمارداری کے لئے آتے تھے شہباز ان کی محبت اور خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا بے چارگی اور ندامت کے احساس کی تلخی کی جگہ اور تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا میسور کی فوج کے قابل ترین طبیبوں کے علاج سے اس کے سر کے درد کی شدت میں کچھ کمی آ چکی تھی لیکن اپنی بینائی میں وہ صرف یہ فرق محسوس کرتا تھا کہ تاریکی اور روشنی کی وہ آنکھ مچولی جو اسے کبھی انتہائی پر امید اور کبھی انتہائی مایوس بنا دیا کرتی تھی ختم ہو

چکی تھی اور اب اس کی نگاہوں کے سامنے قریباً مستقل طور پر ایک دھند لکا چھایا رہتا تھا اور اس دھندلکے میں وہ صرف چند قدم تک اپنے گرد و پیش کا ایک مبہم سا منظر دیکھ سکتا تھا۔

انور اور مراد کبھی چند منٹ کے لئے آتے تھے اور کبھی دو دو گھنٹے اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے تنویر جو پہلی ملاقات کے وقت اضطراری حالت میں سامنے آ گئی تھی اب ساتھ والے کمرے کے دروازے کی آڑ میں بیٹھ کر ان کی باتیں سنا کرتی تھی

جب مراد علی تنہا آتا تھا تو وہ کافی آزادی سے اس کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھیں لیکن انور علی کی موجودگی میں اسے ایک آدھ فقرے سے زیدہ بولنے کی جرات نہ ہوئی ان دی باتیں عام طور پر جنگی یا سیاسی حالات کی بجائے اپنے گھریلو معاملات کے متعلق ہوتیں شہباز انہیں دبھی اپنے سیر و شکار کے واقعات سناتا اور کبھی ثمینہ کی معصوم شرارتوں کا ذکر چھیڑ دیتا۔ انور اور مراد اسے اپنے بچپن کے واقعات سناتے ایک دن جیبن کا ذکر آ گیا اور انور علی نے شہباز کے استفسار پر اس کی سرگزشت بیان کر دی ہر ملاقات کے اختتام پر انور اور مراد شہباز اور اس کی بہن پر یہ تاثر چھوڑ جاتے کہ معظم علی اور اکبر خان کی اولاد کے تعلقات پر زمانے انقلابات اچر انداز نہیں ہو سکتے۔

ایک دن انور اور مراد خلاف معمول شہباز کی عیادت کو نہ آئے لیکن عشاء کی نماز کے بعد نوکر نے اطلاع دی کہ انور علی چند منٹ کے لئے حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے تنویر اپنے بستر سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور شہباز نے انور علی کو اندر بلا لیا۔

انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کسی تمہید کے بغیر کہا بھائی میں آج بہت مصروف تھا اس لئے آپ کی عیادت کو نہ آ کا مراد علی، علی الصباح ایک مہم پر روانہ ہو گیا ہے اور میں بھی رات کے پچھلے پہر یہاں سے جا رہا ہوں ہمارے سپہ سالان نے ادھونی کے قلعہ دار کو بری سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے کہ ہر طرح آپ کا خیال رکھے آج آپ کے خالو اور ہاشم بیگ کو قیدیاں کے کیمپ سے یہاں سے منتقل کرنے کے احکامات بھیج دیے گئے ہیں اس سلسلے میں آپ کے ساتھ کوئی خاص رعائت نہیں کی گئی ہے قلعہ دار نے ان تمام قیدیوں کو جن کے بال بچے یہاں ہیں شہر میں منتقل کرنے کا حکم کے کیا ہے باقی قیدیوں کو کسی اور قلیے میں بھیج دیا جائے گا۔ اگر آپ

چاہیں تو اپنی خالہ جان اور دوسرے رشتہ داروں کو یہاں بلا سکتے ہیں میں آپ سے مشورہ کئے بغیر آپ کے ابا جان کو خط لکھ دیا ہے اگر آپ کو اجازت مل جائیگی شہباز نے کہا لیکن میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آپ ابھی ابا جان کو میرے متعلق کوئی خبر نہ کیں؟

انور علی نے جواب دیا آپ کے ابا جان کے ساتھ میرا ابھی کوئی تعلق ہے میں نے بہت سوچ بچار کے بعد انہیں خط لکھنے کا فیصلہ کیا تھا

تنویر نے دروازے کع آڑس ے کہا بھائی جان آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جنگ ختم ہو چکی ہے۔

جنگ ختم نہیں ہوئی لیکن نظام مے متعلق ہیں یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ اب ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہوگا اب صرف پرہٹوں کو ایک عبرتناک شکست دینے کی ضرورت اور ہےس کے بعد نظام علی خان کو ہمای مصالحان بائیں اس قدر ناگوار محسوس نہیں ہوں گی۔

شہباز بستو سے اتھ کر بیٹھ گیا اور انور علی کی طرف ہاتھ برحات ہوئے بولا خدا حافظ کاش میں آپ کو اچھی طرح دیکھ سکتا خدا حافظ انور نے اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

دروازے کی طرف دو تین قدم اٹھانے کے بعد وہ کچھ سوچ کر رکا اور بولا تنویر بہین خدا حافظ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ان حالات میں چھور کر جا رہا ہوں

خدا حافظ بھائی جان: ________ خدا آپ کو ________ --

تنویر اپنا فقرہ پورا نہ درسکی ورانور علی کمرے سے باہر نکل گیا۔

شہباز نے کہا تنویر تم رک کیوں گئی تمہیں بلند آواز سے یہ کہنا چاہئے تھا کہ خدا

آپ کو فتح دے۔

ساتواں باب

ادھونی کی حفاظت اپنے ایک تجربہ کار سالار قطب الدین کو سونپ کر سلطان نے پڑوس کے ان پالیگاروں کی طرف توجہ کی جو جنگ میں نظام اور مرہٹوں کی فوج کی کامیابی یقینی سمجھ کر غداری کر چکے تھے۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد چند دنوں میں سُلطان کی افواج دریائے تنگبھدرہ قریب پہنچ گئیں۔ یہ اگست کا مہینہ تھا اور دریا کی طغیانی اپنے پُورے شباب پر تھی۔ اتحادی افواج برسات کے موسم میں جنوب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ترک کر کے تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان جمع ہو رہی تھیں۔ ہری پنت کو یقین تھا کہ سُلطان برسات میں تنگبھدرہ عبُور کرنے کا خطرہ مول نہیں لے گا اور اس کی ساری توجہ دھاوڑواڑ کے تمام علاقوں کو مُسخر کرنے پر مبذول تھی لیکن جب وہ بہادر بندہ کے قلعے کا محاصرہ کیے ہُوئے تھا اُسے یہ ناقابلِ یقین اطلاع موصول ہُوئی کہ سُلطان کے ہراول دستے دریا عُبور کر چکے ہیں اس خبر سے اتحادیوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور ہری پنت نے سُلطان کا راستہ روکنے کے لیے باجی پنت کی قیادت میں تیس ہزار تیز رفتار سواروں کی فوج روانہ کر دی لیکن اس لشکر کے پہنچنے سے پہلے سُلطان کی پوری فوج دریا کے پار اُتر چکی تھی۔

ہری پنت نے سُلطان ٹیپو کے کیمپ سے آٹھ میل دُور پڑاؤ ڈال دیا چند دن فریقین کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں اس عرصہ میں ٹکوجی ملکر اور گھوناتھ راؤ پٹوردھن کی افواج ہری پنت سے آملیں اور اس کے جھنڈے تلے ایک لاکھ مرہٹہ فوج جمع ہوگئی برسات کے موسم میں اتنی بڑی فوج کے لیے رسد کا سامان مہیا کرنا ایک پریشان کُن مسئلہ تھا، دریائے تنگبھدرہ اور ایک ناقابلِ عبور برساتی نالے کے درمیان سُلطان ٹیپو کا کیمپ دشمن کے پڑاؤ کی نسبت کہیں زیادہ محفوظ تھا

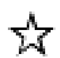
جنوب میں اس کی رسد اور کمک کے راستے کھلے تھے اور اس کی پنڈارا فوج کے سوار مرہٹوں سے باقاعدہ جنگ لڑنے کی بجائے اُن کے رسد و کمک کا نظام درہم برہم کرنے میں مصرُوف تھے مرہٹے سُلطان کے پڑاؤ پر ایک فیصلہ کن حملہ کر کے یہ صورتِ حال بدل سکتے تھے لیکن برساتی نالہ عُبور کرتے وقت انھیں میسور کے توپ خانے کی گولہ باری اکا سامنا کرنا پڑتا۔

ہرپنت نے اپنے کیمپ میں قحط اور بیماری کے آثار دیکھ کر شاہنور کا رُخ کیا سُلطان نے اُس کا پیچھا کیا اور شاہنور سے پانچ میل دُور پڑاو ڈال دیے یہاں پر سلطان کے ساتھ برہان اور بدرالزماں کی افواج شامل ہوگئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی بڈنور سے سلطان کے لشکر کے لیے سامانِ رسد کے لیے سینکڑوں بیل گاڑیاں پہنچ گئیں۔ مرہٹے شاہنور کے پاس پڑاوڈالے میسور کی افواج کی پیش قدمی کا انتظار کر رہے تھے۔ تہور جنگ اور نواب شاہنور کی افواج ان کے ساتھ شامل ہو چکی تھیں۔ اوران کی تعداد اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ وہ میسور کے ہر سپاہی کے بدلے پانچ آدمی میدان میں لا سکتے تھے۔ لیکن اپنی عددی برتری کے باوجود یہ عظیم لشکر میسور کی منظم، متحد اور تربیت یافتہ فوج کے سامنے ایک میلے کی بھیڑ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان میں فکر وعمل کی وحدت مفقود تھی۔ مرہٹے نظام کی افواج کو جنگ کے میدان میں آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ اور نظام کا لشکر ہر آزمائش میں مرہٹوں سے چند قدم پیچھے رہنا پسند کرتا تھا، پھر مرہٹہ فوج کی اپنی حالت یہ تھی کہ ان کا کوئی راجہ یا سردار اپنے باقی ساتھیوں کی نسبت زیادہ نقصان اٹھانے کیلئے تیار نہ تھا۔

اس کے علاوہ اپنی سرحد کے قریب ہونے کے باعث رسد اور کمک حاصل کرنے میں میسور کی افواج کو جو سہولتیں حاصل تھیں۔ وہ نظام اور مرہٹوں کی افواج

کو حاصل نہ تھیں۔ سلطان ٹیپو اپنے توپ خانے اور اپنی پیادہ فوج کو جنگ کے لیے ایک فیصلہ کن عنصر سمجھتا تھا اور وہ اپنے سواروں کو میدان میں لانے کی بجائے ان سے دشمن کی ناکہ بندی کا کام لینا زیادہ فائدہ مند سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس نظام اور مرہٹوں کی بیشتر فوج سواروں پر مشتمل تھی اور انہیں اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ دور دراز کے علاقوں سے غلہ اور چارہ مہیا کرنے میں مصروف رکھنا پڑتا تھا۔ پھر توپوں اور بندوقوں کی جنگ میں ایسے سواروں کے مقابلے میں جو صرف بھاگتے ہوئے دشمن پر یلغار کرنے کے عادی تھے۔ ڈٹ کر لڑنے والے پیادہ سپاہیوں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔

پونا اور حیدر آباد کی افواج حسبِ معمول خدمت گاروں، خیمہ برداروں، سازندوں، رقاصاؤں اور گویوں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ لائی تھی۔ بڑے بڑے راجاؤں اور سرداروں کی بیویاں ان کے ساتھ تھیں۔ شاہ نور میں غلے اور چارے کے گودام خالی ہو چکے تھے۔ آس پاس کسانوں کی کھیتیاں تباہ ہو چکی تھیں۔ یہ تمام حالات سلطان ٹیپو کے حق میں انتہائی سازگار تھے۔



ایک رات شدید بارش ہو رہی تھی۔ دکن اور مہاراشٹر کے رؤسا کے خیموں میں رقص و سرور کی محفلیں گرم تھیں۔ سلطان ٹیپو نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد دشمن کے

پڑاؤ کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن رات کی تاریکی اور بارش کی شدت کے باعث برہان الدین، مہا مرزا خاں اور میر معین الدین کی قیادت میں اس کی فوج کے تین قشون راستہ بھول کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ سلطان نے اپنی جمعیت کو سگنل دینے کے لیے ایک فائر کیا۔ لیکن

اسے معلوم ہُوا کہ اس کی اپنی کمان کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج پیچھے رہ گئی ہے۔ سلطان نے کچھ دیر انتظام کیا۔ اور پھر طلوعِ سحر کے ساتھ دشمن کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس عرصہ میں مرہٹے فرار ہو کر آس پاس کے ٹیلوں اور پہاڑ پر پناہ لے چکے تھے۔

صبح کی روشنی میں جب مرہٹوں نے سلطان کے ساتھ مُٹھی بھر آدمی دیکھے تو انہوں نے پلٹ کر پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد سلطان کا باقی لشکر بھی پہنچ گیا اور انہوں نے چند گھنٹوں کی شدید لڑائی کے بعد دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ چار دن بعد سلطان نے ایک اور حملہ کیا اور دشمن کے سینکڑوں سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ ہری پنت نے ایک طرف میسور کی فوج کے پے در پے حملوں سے شدید نقصان اٹھانے اور دوسری طرف رسد اور چارے کی مشکلات کے باعث شاہنوز کو خیر باد کہہ کر مشرق کا رخ کیا۔ اس کے میدان سے بھاگتے ہی نواب عبدالحکیم خاں، شاہنوز کو اپنے بیٹے کے حوالے کر کے فرار ہو گیا۔ اور اپنے لشکر سمیت اتحادیوں سے جا ملا۔

جب سلطان کی فوجیں شہر میں داخل ہوئی تو عوام جو مرہٹوں کی لوٹ مار سے تنگ آ چکے تھے مسرت کے نعروں سے اُن کا استقبال کر رہے تھے۔

شاہنور کی فتح کے بعد جنگ کا پانسا پلٹ چکا تھا اور سلطان کی افواج مرہٹوں کے لیے نئے نئے محاذ کھول رہی تھیں۔ ایک قشون میر معین الدین کی قیادت میں حیدر آباد کے سرحدی علاقوں کا رخ کر رہا تھا۔ دوسرا قشون جس کی کمان سلطان کے بہترین جرنیل برہان الدین کے ہاتھ میں تھی بنکاپور اور مصری کوٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ایک اور لشکر مہامرزا خاں کی قیادت میں رائچور اور کھتور کا رخ کر رہا تھا۔ اور

حسین علی خاں کی رہنمائی میں ایک لشکر پٹن کے گردونواح کے اضلاع میں پیشوا اور نظام کے پالیگاروں کی سرکوبی پر مامور تھا اور باقی لشکر سلطان کی قیادت میں مرہٹوں کے نئے پڑاؤ کی طرف یلغار کر رہا تھا۔

ہری پنت نے سلطان کی آمد کی اطلاع ملتے ہی تہور جنگ، بھونسلے اور حیدر آباد اور پونا کی افواج کے چیدہ چیدہ سرداروں کا اجلاس طلب کیا اور اُن سے مشورہ کرنے کے بعد کالکیری کی طرف ہٹنے کا فیصلہ کیا۔ سلطان کی فوج ابھی کوسوں دور تھی اور اتحادی بڑے اطمینان سے کالکیری کے راستے کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اچانک انہیں یہ اطلاع ملی کہ سلطان کے ہراول دستے غیر معمولی رفتار سے ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔

یہ خبر سنتے ہی لشکر کے ساتھ سفر کرنے والے گویوں، سازندوں، بھانڈوں اور رقاصاؤں میں سراسیمگی پھیل گئی اور انہوں نے اپنے سرپرستوں کو خیر باد کہہ کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ ہری پنت نے مرہٹہ راجوں اور سرداروں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو بھی واپس بھیج دیں۔ بعض لوگوں نے اس کی نصیحت پر عمل کیا۔ لیکن چند راجے اور سردار اپنی بیویوں سے جدا

ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ ہری پنت کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ فوج کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ بیکار نوکروں اور خدمتگاروں کی ایک بہت بڑی تعداد اور عیش و آرام کے غیر ضروری سامانوں سے لدے ہوئے اُونٹ اور گاڑیاں اس کی رفتار میں زبردست رکاوٹ پیدا کر رہی ہیں۔

لیکن یہ لوگ جنگ کو ایک تفریح سمجھتے تھے۔ اور ان میں سے کوئی اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ایک طرف میسور کے سپاہیوں کی یہ حالت تھی کہ جب

انہیں بھوک پیاس محسوس ہوتی تھی تو وہ گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے اپنے تھیلوں سے خشک روٹی یا اُبلے ہوئے چاول کے چند نوالے نکال کر کھا لیتے تھے۔ اور دوسری طرف پونا اور حیدر آباد کے امراء کی حالت یہ تھی کہ وہ صرف حجامت بنوانے میں کئی کئی گھنٹے ضائع کر دیتے تھے۔



ایک دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ انور علی میسور کے پندرہ سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹیلے کی چوٹی پر اپنے گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ ایک سپاہی نے نیچے وادی کے گنجان جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیجیے وہ آ گئے!''

انور علی نے وادی کی طرف دیکھا اور اُسے ہراول فوج کے چند دستے دکھائی دیے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ ٹیلے سے نیچے اُترتے وقت گھوڑوں کی سست رفتار اور ان کی جھکی ہوئی گردنیں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ ان سے بہت زیادہ کام لیا جا چکا ہے۔ ہراول فوج کے دستے انور علی اور اس کے سپاہیوں کو دیکھ کر وادی کے درمیان رک گئے۔

تھوڑی دیر بعد انور علی ہراول فوج کے سالار سید غفار کے سامنے کھڑا تھا اور فوج کے چیدہ چیدہ افسر اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

سید غفار نے کہا۔ ''کہو کیا خبر لائے ہو؟''

انور علی نے اپنے ہاتھ سے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس ٹیلے سے آگے دو میل کے فاصلے پر پہاڑی ہے اور اس پہاڑی سے چار میل دور ایک کھلے میدان میں دشمن کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ کل انہوں نے خلاف معمول دو منزلیں طے کی تھیں لیکن آج وہ آرام کر رہے ہیں۔''

سید غفار نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا۔ ''پھر ہمیں آگے جانے کی ضرورت نہیں ہم یہیں قیام کریں گے۔ سلطان معظم رات تک یہاں پہنچ جائیں گے۔ اور اگر ہماری توپیں بروقت پہنچ گئیں تو ہم پچھلے پہر حملہ کرسکیں گے۔ اب مجھے ایک نہایت خطرناک مہم کے لیے تین نہایت ہوشیار اور بہادر آدمیوں کی ضرورت ہے۔ یہ مہم جس قدر اہم ہے اسی قدر خطرناک ہے اور اس کی نوعیت ایسی ہے کہ میں اپنے کسی سپاہی کو حکم نہیں دے سکتا۔ مجھے صرف رضا کار چاہیں۔''

انور علی نے کسی توقف کے بغیر ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنا نام پیش کرتا ہوں۔'' اور اس کے بعد تمام افسروں نے ہاتھ بلند کردیے۔

سید غفار نے کہا۔ ''انور علی میں شکریے کے ساتھ تمہاری پیش کش قبول کرتا ہوں اور باقی دو آدمیوں کا انتخاب تم پر چھوڑتا ہوں۔ جن رضا کاروں نے ہاتھ بلند کیے ہیں وہ ایک صف میں کھڑے ہوجائیں۔''

تمام افسر جو وہاں موجود تھے ایک صف میں کھڑے ہوگئے۔ انور علی نے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک نظر دوڑائی اور اچانک اس کی نگاہیں ایک نوجوان پر مرکوز ہوکر رہ گئیں۔ یہ اس کا اپنا بھائی مراد علی تھا۔

انور علی چند ثانیے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ مراد تم کہاں تھے؟ میں نے تمہیں ہاتھ کھڑا کرتے نہیں دیکھا۔''

مراد علی نے جواب دیا۔ ''میں آپ کے پیچھے کھڑا تھا اور آپ ان سب سے اس بات کی گواہی لے سکتے ہیں کہ آپ کے بعد دوسرا ہاتھ میرا تھا۔''

انور علی نے صف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگانے کے بعد دوبارہ واپس مڑتے ہوئے ایک نوجوان کو اشارہ کیا اور وہ صف سے نکل کر الگ کھڑا

ہو گیا۔ اس کے بعد انور علی کچھ دیر باقی رضا کاروں کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''مراد تم بھی آجاؤ۔''

مراد علی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور دوسرے رضا کار کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا ہو گیا۔

سید غفار نے آگے بڑھ کر کہا۔ '' نہیں انور علی تم زیادتی کر رہے ہو، میں دو بھائیوں کو ایک خطرناک مہم پر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

سید غفار نے ایک اور افسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''شمشیر خاں تم آجاؤ۔'' پھر اس نے مراد علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ''مراد علی! معظم علی کے بیٹوں کو میرے سامنے اس بات کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ بہادر ہیں۔ تم فوراً سلطان معظم کے پاس جاؤ اور ان کی خدمت میں یہ عرض کرو کہ ہم اس جگہ ان کے احکامات کا انتظار کریں گے۔ اگر وہ رات کے وقت چند ہلکی توپیں یہاں پہنچا سکیں تو ہم پچھلے پہر دشمن پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اپنے دستے کے پانچ ساتھ لے جاؤ۔'

مراد علی تذبذب کی حالت میں سید غفار کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ '' جناب اگر آپ اسے گستاخی نہ سمجھیں تو میں روانہ ہونے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ بھائی جان کس مہم پر جا رہے ہیں؟''

سید غفار نے جواب دیا۔ ''یہ ایک مرہٹہ سپاہی کے بھیس میں دشمن کے پڑاؤ کا جائزہ لینے جا رہے ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد انور علی اور اس کے ساتھی مرہٹہ سپاہیوں کے لباس میں سید غفار کے سامنے کھڑے تھے اور سید غفار ان سے کہہ رہا تھا۔ ''ہم رات ہوتے ہی اس ٹیلے سے اگلی پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر تمہاری ہدایات کا انتظار کریں گے آدھی

ات تک تمہارا واپس پہنچ جانا ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت تک سلطان معظم بھی پہنچ جائیں گے۔

تمہیں شام ہوتے ہی دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دشمن کافی چوکس ہوگا۔ اور تمہیں پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ لیکن ایک بار دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کے بعد تمہارے لیے تمام ضرری معلومات حاصل کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ پڑاؤ میں دشمن کی توپوں اور بارود کے متعلق تمہاری معلومات جس قدر مکمل ہوں گی۔ اُسی قدر ہمارا کام آسان ہوگا۔

میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تمہارے لیے دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہونے کی آسان ترین صورت کیا ہوگی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ پڑاؤ سے باہر پہرے داروں کی ٹولیاں گشت کر رہی ہوں گی اور تمھارے لیے ان کے ساتھ شامل ہونا مشکل نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ محسوس کرو کہ تمھارے لیے رات کے وقت دشمن کے پڑاؤ سے باہر نکلنا مشکل ہے تو تمھیں رات کے اڑھائی بجے بندوق چلا کر ہمیں خبردار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس وقت تک ہماری فوج کا ایک حِصہ پڑاؤ کے قریب تمھارے اشارے کا انتظام کر رہا ہوگا۔"

انور علی نے جواب دیا۔" ایسی صورت میں مَیں صرف بندوق چلانے پر اکتفا نہیں کروں گا۔

بلکہ میں بارود کے کسی ذخیرے کو آگ لگانے کی کوشش کروں گا۔"

سید غفار نے کہا۔" لیکن میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم بلاوجہ اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اگر تم آدھی رات تک واپس آ کر سُلطان کی خدمت میں پڑاؤ کا صحیح نقشہ پیش کر سکو تو اس کا مطلب یہ ہوگا ہم آدھی

جنگ جیت چکے ہیں۔“

انور علی مُسکرایا۔” تو میں پُورے گیارہ بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔“



رات کے گیارہ بج چکے تھے سید غفار‘ غازی خاں‘ ولی محمد‘ سید حمید‘ رضا خاں اور چند اور بڑے بڑے افسر ایک خیمے کے اندر جمع ہو کر انور علی اور اس کے ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے ایک پہریدار خیمے میں داخل ہُوا اور اُس نے کہا” جوق دار انور علی پہنچ گئے ہیں۔“

غازی خاں نے کہا۔” اسے فوراً حاضر کرو!“

پہریدار چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد انور علی پانی اور کیچڑ سے لت پت خیمے میں داخل ہُوا۔

سید غفار نے پوچھا۔” تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟“

انور علی نے جواب دیا۔” میں انھیں دشمن کے پڑاؤ میں چھوڑ آیا ہُوں۔ وہ اس وقت پڑاؤ کے عین درمیان بارُود کے ایک بہت بڑے ذخیرے کے اِردگرد چکر لگا رہے ہوں گے اور ٹھیک تین بجے وہ بارُود کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔“

غازی خاں نے کہا۔” انور علی تمھیں سلطان معظم کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ وہ پہنچنے ہی والے ہیں۔“

انور علی نے کہا۔” جناب میں دس منٹ کے اندر اندر دشمن کے پڑاؤ کا پُورا نقشہ تیار کر سکتا ہوں۔“

غازی خاں کے اشارے پر ایک افسر نے خیمے کے کونے میں پڑا ہُوا لکڑی

کا ایک صندوق کھولا اور ایک کاغذ اور مختلف رنگوں کی کئی ڈلیاں نکال کر انور علی کو پیش کر دیں اور انور علی وہیں فرش پر بیٹھ کر نقشہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد خیمے سے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور افوج کے افسروں کی نگاہیں خیمے کے دروازے پر مرکوز ہو گئیں۔

سلطان ٹیپو، فوسیولالی اور اپنی فوج کے دوسرے افسروں کے ساتھ خیمے میں داخل ہُوا اور اس نے کسی توقف کے بغیر پُوچھا۔ ''دشمن کے پڑاؤ کے متعلق کوئی اطلاح آئی ہے؟''

سید غفار نے جواب دیا۔ ''حضور انور علی آ گیا ہے۔''

اور انور علی جو انتہائی انہماک سے نقشہ بنانے میں مصروف تھا۔ چونک کر اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر سلطان کو نقشہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''عالیجاہ میں یہ نقشہ مکمل نہیں کر سکا۔''

سُلطان مشعل کے قریب فرش پر بیٹھ گیا اور ایک منٹ نقشہ پر نظر دوڑانے کے بعد بولا۔

''تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور میرے سوالات کا جواب دو۔''

انور علی سُلطان کے سامنے بیٹھ گیا اور سُلطان نے اپنے ہاتھ کی انگلی سے ایک سرخ نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کیا ہے؟''

انور علی نے جواب دیا۔ ''عالیجاہ یہاں ن ہری پنت کی فوج ہے۔''

حیدر علی کی فوج کہا ہے؟''

انور علی نے جلدی سے نقشے پر چند نشان لگانے کے بعد کہا۔ ''عالیجاہ! ان کی فوج یہاں ہے ــــــ اس جگہ اُن کا توپ خانہ ہے ــــــ یہاں تہور جنگ کا خیمہ

ہے ___ اس جگہ اُن کی رسد اور بارُود کی گاڑیاں کھڑی ہے اس جگہ اُن کے سوار ہیں ___ اور اس جگہ اُن کے پیادہ دستے ہیں۔ اگر مجھے چند منٹ اور مل جاتے تو میں آپ کی خدمت میں مکمل نقشہ پیش کر سکتا تھا۔"

سُلطان نے کہا۔" نقشہ مکمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم صرف میرے سوالات کا جواب دیتے جاؤ ہُلکر کی فوج کہاں ہے؟"

عالیجاہ! وہ اس جگہ ہے پڑاؤ کے بالکل درمیان۔ اس کے دائیں جانب اس جگہ بھونسلے کی فوج ہے۔ اس جگہ نواب شاہنور کے چند دستے ہیں۔ یہ سیاہ رنگ کے تمام نشان دشمن کے توپ خانے ہیں۔ یہ پیلے نشانات دوسرے مرہٹہ سرداروں اور راجوں کی افواج ہیں۔ باہر کے نشانات پڑاؤ کے محافظ دستوں کی بیرونی چوکیاں ہیں۔"

سُلطان نے کہا۔" جہاں تک مجھے یاد ہے اس پڑاؤ کے آس پاس ایک برساتی نالہ ہونا چاہیئے۔"

انور علی جلدی سے ایک نیلے رنگ کی ڈلی کے ساتھ ایک لکیر کھینچتے ہُوئے کہا۔

"عالیجاہ وہ نالہ یہ ہے؟"

ہری پنت یقیناً اِن سب سے ہوشیار ہے۔ کم از کم اتنا علم ضرور رکھتا ہے کہ اگر رات کی تاریکی میں بھاگنا پڑا تو اسے کون سا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔"

انور علی نے نقشے پر ایک نشان لگاتے ہُوئے کہا۔" عالیجاہ! اگر ہم اپنی چند توپیں اس جگہ پہنچا سکیں تو ہری پنت کی فوج کو بھی کافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔"

توپوں کی ہمیں دوسرے مقامات پر زیادہ ضرورت ہے اور ہری پنت کی روکنے کی بجائے اُسے بھاگنے کا موقع دینا ہمارے لیے زیادہ سُودمند ہوگا۔ مجھے تو

ج کے کسی اور افسر سے اس کارگزاری کی اُمید نہ تھی۔ آج سے کئی سال قبل جب میری عمر بہت چھوٹی تھی تو ایک نامور مجاہد جو پانی پت کی جنگ میں حصہ لے چکا تھا سرنگا پٹم تھا اور میں نے اس سے پانی پت کے میدان کا نقشہ تیار کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ وہ اولوالعزم مجاہد تمہارا باپ تھا اور اس نے جو نقشہ بنایا تھا وہ آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

یہ کہہ کر سلطان اٹھا اور فوج کے افسروں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ انور علی یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے نقشے کی ہر تفصیل سلطان کے دماغ میں نقش ہو چکی ہے۔

سوار اور پیادہ فوج کے افسروں کو ضروری ہدایات دینے کے بعد سُلطان موسیو لالی کی طرف متوجہ ہُوا۔ رات کے ٹھیک اڑھائی بجے دشمن کے دائیں بازو پر تمہارے توپخانے کی گولہ باری شروع ہو جانی چاہیے۔ انور علی تمہاری رہنمائی کرے گا۔ بائیں بازُو سے سید حمید کی توپیں گولہ باری کریں گی۔"

انور علی نے کہا، عالیجاہ! گستاخی معاف لیکن ہم تین بجے سے پہلے حملہ نہیں کر سکتے۔"

"اور کیوں؟"

"عالیجاہ! میرے دو ساتھی دشمن کے پڑاؤ میں ہیں اور وہ ٹھیک تین بجے دشمن کے سب سے بڑے بارُودی ذخیرے کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔"

سُلطان مُسکرایا۔ "تم انعام کے مستحق ہو۔ جاؤ اپنے کپڑے تبدیل کرو، مرہٹہ سپاہی کا لباس تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

پھر سُلطان نے موسیو لالی اور توپ خانے کے دوسرے افسروں کی طرف متو

جہ ہو کر کہا۔ اب میں اپنے احکام میں ایک تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ توپخانوں کی گولہ باری بارُود کے ذخیرے کے دھماکے سے پندرہ منٹ بعد شروع ہونی چاہیے۔ اگر ہمارے آدمی ذخیرے کو آگ لگانے میں کامیاب نہ ہوں تو بھی ہمیں سوا تین بجے حملہ کر دینا چاہیئے۔"

چند منٹ بعد انور علی ایک چھوٹے سے خیمے میں اپنا لباس تبدیل کر رہا تھا۔

باہر سے مُراد علی نے آواز دی بھائی میں اندر آسکتا ہوں؟"

"آجاؤ!"

مراد علی اور لیگر انڈ خیمے میں داخل ہوئے۔

انور علی نے اپنی تلوار کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔ مراد! میں جانتا ہوں کہ تم میرے متعلق بہت پریشان تھے۔ لیکن اب باتوں کا وقت نہیں مجھے دشمن کے پڑاؤ میں کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ وہاں کسی نے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ تم کس راجے یا سردار کی فوج سے تعلق رکھتے ہو۔ لوگ صرف بارش کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ میرا سفر بہت دلچسپ تھا۔ ایک خیمے کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے طبلے اور سارنگی کے ساتھ ایک رقاصہ کی پائل کی جھنکار سنائی دی اور وہ ایک دلچسپ گیت گا رہی تھی لیکن مجھے صرف چند الفاظ یاد رہ گئے ہیں۔"

مُراد علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بھائی جان وہ ضرور سُنائیے!"

"وہ گا رہی تھی۔ آئی ہے برسات، بالم آئی ہے برسات۔ اور آگے مجھے یاد نہیں رہا۔ اب چلو!"

انور علی نے لیگر انڈ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرانسیسی زبان میں کہا۔ ہمیں راستے میں باتیں کرنے کے لیے کافی وقت ملے گا۔



اڑھائی بجے کے قریب بارش کی شدت میں کچھ کمی آ چکی تھی۔ اور انور علی فرانسیسی توپخانے کے کمانڈر موسیو لالی سے کہہ رہا تھا۔ اب دشمن کے پڑاؤ کی بیرونی چوکیاں یہاں سے بہت قریب ہیں۔ ہمیں اور آگے بڑھنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ آپ کی توپوں کا رُخ میرے دائیں طرف ہونا چاہیے۔ تین بجے تک آپ کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ دشمن آپ کے متعلق خبردار نہ ہو۔ اگر پڑاؤ آپ کی توپوں کی زد سے باہر ہو تو بھی آپ کو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ آپ کا اولین مقصد پڑاؤ میں سراسیمگی پھیلانا ہے۔ توپ خانے کو اس جگہ سے آگے لے جانے کے لیے آپ کو مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اب مجھے اجازت دیجئے، میں حملہ شروع ہونے سے پہلے اپنے رسالے کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔"

موسیو لالی نے کہا۔ بہت اچھا آپ جا سکتے ہیں۔

چند سپاہی جو انور علی کے ساتھ آئے تھے تھوڑی دور گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ انور علی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔

اچانک ایک آدمی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور آہستہ سے کہا۔" موسیو انور علی ٹھہریے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کون ______ لیگر انڈ؟" انور علی نے رُکتے ہوئے کہا۔

لیگر انڈ نے کہا۔" مجھے راستے میں آپ سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا۔"

"لیکن یہ باتوں کا وقت نہیں۔"

"میں زیادہ وقت نہیں لُوں گا۔"

" بہت اچھا کہیے۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" میں آپ سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے اس جنگ میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ جین کو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گے کہ وہ اس دنیا میں بے سہارا ہے۔"

چند ثانیے انور علی کے منھ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے لیگرانڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔میرے دوست تمھیں جین کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ تمھیں اس لڑائی میں آنچ نہیں آئے گی اور تم بہت جلد سرنگاپٹم جاسکو گے۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" مجھے اپنی زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر مجھے اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ آپ اُسے سہارا دے سکیں گے تو چہرہ میرے لیے اس قدر بھیانک نہیں ہو گا۔"

انور علی نے کہا۔" یہ وقت اور یہ مقام اس قسم کی شاعری کے لیے موزوں نہیں تمھاری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گزشتہ حادثات نے تمھیں اذیت پسند بنا دیا ہے اب میں اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ تم جنگ ختم ہوتے ہی شادی کر لو۔"

لیگرانڈ نے کہا۔" انوار علی مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے متعلق جین کے خیالات کیا ہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہا گر مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ اس کے لیے زندگی کا آخری سہارا بن سکتے ہیں اور آپ اُسے وہ سب کچھ دے سکتے ہیں جو میں نہیں دے سکتا۔ میں آپ کی زبان سے صرف یہ سُننا چاہتا ہوں کہ اگر مستقبل کے حالات یہ ثابت کر دیں کہ جین کو میری نسبت آپ کی زیادہ ضرورت ہے تو آپ اس کو مایوس نہیں کریں گے۔"

"لیگر انڈ تمھیں ایک دوزست کے مُنہ پر تھپڑ مارنے کی جُرأت نہیں کرنی چاہیے۔ میں جس جین کو جانتا ہوں وہ تمہاری ہے اور صرف تمہاری رہ کر ہی وہ میری نگاہوں میں کوئی عزت حاصل کرسکتی ہے۔ میں اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہ کہہ انور علی آگے بڑھا اور اپنے ایک ساتھی کے ہاتھی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ کر سوار ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں غائب ہو چکے تھے اور لیگر انڈا اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ جین مجھے اپنی کم مائگی کا احساس ہے۔ مین جانتا ہوں کہ ہمیں صرف حوادث کے سیلاب کی موجوں نے ایک دوسرے کا سہارا لینے پر مجبور کردیا تھا۔ ورنہ ہمارے راستے مختلف تھے۔ یہ میری خودفریبی ہے کہ میں نے تمھیں اپنی اُمیدوں اور آرزووں کا مرکز بنالیا ہے لیکن اگر تم اپنے مستقبل کے متعلق انور علی سے کوئی توقع وابستہ کرچکی ہو تو تم مجھ سے زیادہ نادان ہو۔"

☆

رات کے تین بجے دشمن کے پڑاؤ کے درمیان اک کا ایک مہیت شعلہ بلند ہوا۔ اور سپاہی ایک خوفناک دھماکے کی آوز سُن کر افراتفری کی حالت میں اپنے خیموں سے باہر نکلنے لگے۔ پھر چند منٹ بعد ایک طرف سے لاتعداد گھوروں کی ٹاپ سنائی دی اور ریسور کے برق رفتار دیتے مار دھاڑ کرتے ہوئے آن کی آن میں پڑاؤ کے عقب میں جا پہنچے۔ اس کے بعد دو اطراف سے توپوں کی دگنا دگن اور تیسری سمت سے بندوقوں کی آوازین سُنائی دینے لگیں۔

ہری پنت جو اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ چوکس تھا معمولی نقصان اٹھانے کے بعد راہ، فرار اختیار کرچکا تھا۔ لیکن باقی لشکر کی یہ حالت تھی کہ سپاہی اپنے

افسروں اور افسر اپنے سپاہیوں سے بے خبر تھے۔ ہر نواب، ہر راجہ اور ہر سردار اپنے کیمپ کی بجائے اپنے ساتھیوں کے کیمپ زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ جو افواج مشرق کی طرف تھیں وہ مغرب کا رُخ کر رہی تھیں اور جو مغرب کی طرف تھیں وہ مشرق کو اپنے لیے زیادہ محفوظ سمجھتی تھیں۔ ایک لشکر شمال سے جنوب کی طرف بھاگ رہا تھا تو دوسرا جنوب سے شمال کا رُخ کر رہا تھا۔

اس افراتفری کے عالم میں دوست دشمن کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ایک مرہٹہ فوج دوسری مرہٹہ فوج کے ساتھ اور ایک حیدر آبادی دستہ دوسرے حیدر آبادی دستے کے ساتھ گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ جو سپاہی ذرا ہوش و حواس اور ہمت سے کام لے کر اپنے مورچوں میں بیٹھ گئے تھے۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان توپوں اور بندوقوں کا رُخ کس طرف ہونا چاہیے۔ پو پھٹنے تک سینکڑوں مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہی زخمی اور ہلاک ہو چکے تھے۔ دائیں اور بائیں بازو سے میسُور کے توپ خانے اس قدر قریب آ چکے تھے کہ پڑاؤ کا کوئی حصہ ان کی گولہ باری سے محفوظ نہ تھا اور پڑاؤ کے باہر میلوں تک اتحادی لشکر کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

تہور جنگ، بھونسلے، ہُلکر اور دوسرے مرہٹہ اور مغل سردار جو انتہائی بے سرو سامانی کی حالت میں رات کی تاریکی ساتھیوں کو جمع کر رہے تھے انھیں جس قدر اپنی شکست اور تباہی کا افسوس تھا اسی قدر اس بات کا افسوس تھا کہ ہری اپنی بیشتر فوج اور سامانِ جنگ بچا کر میدان سے نکل چکا ہے۔

صبح کے آٹھ بجے تک پڑاؤ کے اندر مرہٹہ اور حیدر آبادی سپاہیوں کی رہی سہی مزاحمت بھی ختم ہو چکی تھی اور فاتح لشکر دشمن کے خالی گھوڑوں اور رسد اور بارُود سے لدی ہوئی بیل گاڑیوں اور اُونٹوں کی جمع کر رہا تھا۔ سلطان کے طوفانی دستے کئی

میل تک بھاگتے ہوئے دشمن کا پیکھا کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میسور کے سپاہیوں کے لیے۔ جو ایام جنگ میں زمین کے فرش پر سونے کے عادی تھے، دشمن کے کشادہ اور بیش قیمت ساز و سامان سے آراستہ خیمے عجائب گھروں سے کم نہ تھے۔

آٹھواں باب

دن کے دس بجے کے قریب سُلطان ٹیپو مغل علی خاں کے خالی خیمے میں رونق افروز تھا۔ یہ خیمہ مخمل کے پردوں اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھا۔ سلطان کے سامنے میز پر ایک کشادہ نقشہ کُھلا ہوا تھا اور چند آزمودہ کا جرنیل اس کے گرد کھڑے تھے۔ سلطان نے اپنے قلم سے نقشے پر چند نشان لگانے اور چند لیکریں کھینچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف مُتوجہ ہو کر کہا۔ اب ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ دشمن کا نیا پڑاوٗ کہاں ہوگا۔ اب وہ کسی میدان میں ہمارے سامنے آنا پسند نہیں کرے گا۔ ہماری اگلی منزل کوپال اور بہادر بندہ کے قلعے ہیں اور انھیں کھو بیٹھنے کے بعد دشمن کی رہی سہی ہمت بھی ٹُوٹ جائے گی۔

انور علی خیمے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا عالیجاہ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ قیدی عورتوں میں ہُلکر کی اہلیہ بھی ہے چند اور عورتیں بھی بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

سلطان نے کہا، ایسی اطلاع مجھے فوراً ملنی چاہیے تھی اور میں نے یہ حکم دیا تھا کہ خواتین کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے تم نے ان کے آرام کے لیے کیا بندوبست کیا ہے۔

انور علی نے جوب دیا۔ عالیجاہ! میں انھیں اس پڑاوٗ کے بہترین خیموں میں ٹھہرانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن وہ کہتی ہیں کہ جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو تا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا ہم باقی قیدیوں کے ساتھ رہنا پسند کریں گی۔

سُلطان نے کہا اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ تم میرے ساتھ

آؤ!

تھوڑی دیر بعد سلطان اپنے چند افسروں کے ساتھ قیدی عورتوں کے سامنے کھڑا تھا۔ مرہٹہ عرتیں اپنے سروں کے بال کھولے اپنے بچھڑے ہوئے شوہروں اور رشتہ داروں کا ماتم کر رہی تھیں سلطان کے رعب وجلال نے ان پر تھوڑی دیر کے لیے سکوت طاری کر دیا۔

سلطان نے کہا۔ آپ میں سے ہُلکر کی اہلیہ کون ہے؟

قیدی عورتیں چند ثانیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں۔لیکن کسی نے جوب نہ دیا، بالا آخر ایک ادھیڑ عمر کی بوقار عورت آگے بڑھی اور اُس نے ہمارے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟

سلطان نے اپنی کمر سے سبز رنگ کا ریشمی پٹکا کھولا اور ہُلکر کی بیوی کے سر پڑا لتے ہوئے کہا، ہُلکر کی بیوی کو میرے سامنے ننگے سر نہیں کھڑے ہونا چاہیئے۔میں اس ملک کی کسی عورت کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔

پھر سُلطان نے مڑ کرا نور علی کی طرف دیکھا اور کہا۔ انور علی تم ایک قابل عزت باپ کے بیٹے ہو اور میں تمھیں ایک نہایت اہم ذمہ دار سونپ رہا ہوں۔مجھے یقین ہے کہ تم ان کے آرام کا پورا خیال رکھو گے۔

انور علی نے جواب دیا۔ عالیجاہ! میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔

سلطان کچھ اور کہے بغیر اپنے خیمے کی طرف چل ریا۔ہلکر کی بیوی کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے ایک مرہٹہ سردار کی بیوی کی طرف دیکھا اور کہا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ایک سپنا دیکھا ہے۔وہ انسان نہیں ایک دیوتا ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا پاپ ہے۔

تھوڑی دیر فوج کا ایک افسر سُلطان کی طرف سے ہر قیدی عورت کو ایک ایک چادر اور دو دو مہریں تقسیم کر رہا تھا۔



اگلے دن سلطان ٹیپو اپنے گورنروں اور مختلف محازوں پر پھیلی ہوئی افواج کے سپہ سالاروں کے خطوط پڑھنے اور ان کے جواب لکھوانے میں مصروف تھا۔ دو کاتب قالین پر بیٹھے اس سے ہدایات لے رہے تھے۔ سُلطان کرسی پر بیٹھنے کی بجائے خیمے کے اندر آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ میر منشی ایک کشادہ میز کے قریب اور سلطان ٹیپو کے باڈی گارڈ دستے کا ایک افسر خیمے کے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

سلطان ٹہلتے ٹہلتے ایک خط کا جواب لکھوانے کے بعد میر منشی کی طرف مُتوجہ ہو تا اور وہ میز سے دُوسرا خط اٹھا کر پیش کر دیتا۔ ان خطوط میں حکومت کے ہر محکمے کے بڑے اور چھوٹے مسائل زیر بحث آتے تھے سلطان ہر خط کو صرف ایک نظر دیکھتا اور کسی توقف کے بغیر جواب لکھوانا شروع کر دیتا۔ لیکن اس کے خیالات اور الفاظ کے تسلسل کا یہ عالم تھا کہ کاتب بڑی مشکل سے اس کی رفتار کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ کبھی اپنے کسی سلار کو کسی اہم چوکی یا قلعے پر حملہ کرنے کی ہدایت لکھواتا۔ کبھی کسی مظلوم آدمی کی درخواست پڑھ کر مقامی حاکم کو اس کی دادرسی کی ہدایت کرتا۔ کبھی کسی عدالت کے غلط فیصلے پر اسے سرزنش کرتا اور کبھی کسی نئے صنعتی یا زرعی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے احکام صادر کرتا۔

سلطان ٹہلتے خیمے کے ایک دریچے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ باہر سے انور علی خیمے کے دروازے پر نمودار لیکن سلطان کے باڈی گارڈ کا اشارہ پا کر رُک گیا۔

سلطان چند جملے لکھوانے کے بعد اپنے میر مُنشی کی طرف متوجہ ہوا تو باڈی گارڈ نے

کہا۔ عالی جاہ! جوق دار انور علی حاضر ہے۔"

سلطان نے دروازے کی طرف دیکھا اور انور علی نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔

سُلطان نے اپنے ہونٹوں پر ایک شفقت آمیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

انور علی جوق دار نہیں رسالدار ہے۔"

انور علی نے اپنے دل مین خوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں اور تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ عالیجاہ! اگر اجازت ہو تو میں اپنے دو ساتھیوں کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

سلطان نے کہا مجھے ان کی کارگزاریوں کا اعتراف ہے اور میں نے انھیں ترقی دے دی ہے۔ سید غفار نے جن افسروں کے متعلق سفارش کی تھی ان میں تمھارا بھائی بھی ہے اور اسے تمھاری جگہ مل گئی ہے۔ اب میں تمھیں ایک اہم مہم ان میں تمھارا بھائی بھی ہے اور اسے تمھارجگہ مل گئی ہے۔ اب میں تمھیں ایک اہم مہم پر بھیجا چاہتا ہوں۔ قیدی عورتوں کو دشمن کے پڑاؤ میں پہنچانے کے لیے کسی ہوشیار او رفرض شناس آدمی کی ضرورت تھی اور میں نے تمھیں اس کام لے لیے منتخب کیا ہے۔ تم کل علی الصباح ان کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ اپنے ساتھ بلیس سوار لیتے جاؤ۔ ان کے لیے پالکیاں مہیا کی جارہی ہیں اور پالکیاں اٹھانے کے لیے دشمن کے چند قیدیوں کو رہا کر دو۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ راستے میں انھیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔"

عالیجاہ! میری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔"

"بہت اچھا تم جا سکتے ہو۔"

انور علی نے سلام کیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔



پونا اور دکن کی شکست خوردہ افواج تنگھدرہ کے آس پاس تمام علاقے اپنے لیے غیر محفوظ سمجھتے ہوئے دریائے کرشنا کے قریب جمع ہو رہی تھیں۔

ایک دن لشکر کے سردار ایک خیمے میں جمع ہو کر تازہ صورت حال پر بحث کر رہے تھے۔ تہور جنگ، ہلکر، بھونسلے اور دوسرے راجے اور سردار یکے بعد دیگرے متحدہ افواج کے سپہ سالار ہری پنت پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ اس بحث میں وہ لوگ زیادہ تلخی کا مظاہرے کر رہے تھے جو اپنی بیویاں میدان جنگ میں چھوڑ آئے تھے۔

ہری پنت غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور بلند میں آواز میں چلایا۔ ''آپ میں کوئی ایسا جو مجھے بزدلی کا طعنہ دے سکے میں نے بار بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ہم سیر و تفریح کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ جنگ کے لیے آئے ہیں اور ہماری جنگ ایک ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو کئی میدانوں میں انگریزی جوج کے بہترین جرنیلوں کے دانت کھٹے کر چکا ہے اس لیے ہمیں عورتوں کو ساتھ نہیں رکھنا چاہیے۔ میں آپ کو بارہا خبردار کیا تھا کہ عیش و آرام کے جو لوازمات آپ لوگ ساتھ لائے ہیں اس کے باعث ہمارے لیے نقل و حرکت میں بہت سی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں آپ کے لیے نوکروں اور خدمت گاروں کی دیکھ بھال اور حفاظت ایک مسئلہ بن چکی تھی۔ ہمارا مقابلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ تھا جس کے سپاہی جنگ کے ایام میں اپنے تھیلوں میں پڑی ہوئی دو سوکھی روٹیوں یا مٹھی بھر ابلے ہوئے چاولوں کو دو وقت کی ضرورت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کے ہمراہ ہزاروں اُونٹ اور سینکڑوں بیل گاڑیاں غیر ضروری ساز و سامان سے لدی ہوئی تھیں۔ ہم انتہائی

ضرورت کے وقت جتنا سفر ہفتوں میں کرتے تھے میسور کے سپاہی اتنا سفر دنوں میں کر لیتے تھے۔ میں نے دشمن کے حملے سے دو دن قبل آپ کی تھی کہ غیر ضروری سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیاں اور اُونٹ اور لاتعداد خدمت گاروں کو واپس بھیج دیا جائے۔ لیکن آپ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ رکھنے پر مُصر تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس رفتار سے ہم سفر کر رہے تھے اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ دشمن اپنے بھاری توپ خانے سمیت آگے بڑھ رہا تھا۔

پھر میں نے کالیکری کی طرف پیش قدمی کرتے وقت یہ کوشش کی تھی کہ ہمارا پورا لشکر ایک ساتھ آگے بڑھنے کی بجائے چھ حصوں میں تقسیم ہو کر سفر کرے۔ لیکن آپ کے لیے میرا یہ مشورہ قابل قبول نہ تھا۔ رات کے وقت جب بارش ہو رہی تھی تو میں نے یہ کہا تھا کہ دشمن صرف چند میل دُور ہے اور ہمیں آرام کرنے کی بجائے اس کے مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے لیکن آپ لمبی تان کر سو گئے۔ اور جن سپاہیوں کو آپ نے پڑاؤ کی حفاظت سونپی تھی وہ نمک حرام ثابت ہوئے۔

میرا قصور صرف یہ ہے کہ دشمن کے اچانک حملے کے وقت میں بیدار تھا اور

میرے

سپاہی آپ کے سپاہیوں کی نسبت زیادہ چوکس تھے اس لیے مجھے اپنی فوج بچا کر نکلنے کا موقع مل گیا۔ اگر آپ میں سے کوئی ڈٹ کر لڑتا تو وہ مجھے طعنہ دے سکتا تھا۔ لیکن آپ میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ میدان میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت ہم سب کے سامنے صرف اپنی جانیں بچانے کا مسئلہ تھا۔ فرق صرف یہ ہُوا کہ میں نے اپنی فوج اس وقت نکال لی تھی جب کہ پڑاؤ کے گرد دشمن کا گھیرا ابھی مکمل نہیں ہُوا تھا اور آپ اس وقت اپنے بستروں سے اٹھے جب

دشمن پوری شدت کے ساتھ چاروں اطراف سے حملہ کر چکا تھا۔

دن کے وقت دشمن کا حملہ کتنا ہی اچانک کیوں نہ ہوتا ہمارے لیے یہ صورت حالات پیدا نہ ہوتی۔ ہم پڑاؤ سے آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرتے لیکن رات کی تاریکی میں اس قدر غیر متوقع حملے کے بعد ہمارے لیے فوج کو منظم کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اب ہمیں ماضی کے متعلق سوچنے اور آپس میں جھگڑے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہمیں شکست ہوئی ہے لیکن اس وقت ہم یہ سوچنے کے لیے جمع ہوتے ہیں کہ ہم نے اس شکست سے کیا سبق حاصل کیا ہے۔

میرے دوستو: ہم نے ایک لڑائی میں شکست کھائی ہے لیکن جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے ہمارے پاس اب بھی اتنی فوج ہے کہ اگر ہم ہمت سے کام لیں تو چند ہفتوں میں سرنگا پٹم پہنچ سکتے ہیں مجھے یقین ہے کہ چند دنوں تک ہمیں پونا اور حیدر آباد سے مزید کمک پہنچ جائے گی اور ہم اس شکست کا بدلہ لے سکیں گے۔"

ایک مرہٹہ سردار نے اٹھ کر کہا "میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے ہماری ان عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے جو اس وقت دشمن کی قید میں ہیں؟"

ہری پنت نے جواب دیا۔ "میرے دوست یہ صرف آپ کی عزت کا مسئلہ نہیں ہم سب کی عزت کا مسئلہ ہے۔ اپنی عورتوں کو قید سے چھڑانے کے لیے ہم دشمن کو شکست دیں گے۔"

سردار نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم دشمن کو شکست نہ دے سکیں تو ہماری عورتیں ان کے قبضے میں رہیں گی؟"

ایک اور سردار نے اٹھ کر کہا اس وقت یہ بحث فضول ہے کہ اگر ہم سلطان ٹیپو

کے ساتھ مصالحانہ گفتگو سے ان عورتوں کو آزاد کرالیں تو بھی باغیرت مرہٹہ انھیں دوبارہ اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔"

ہلکرے نے اٹھ کر غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔" اگر تم میں سے کسی نے ان عورتوں کے متعلق کوئی بدکلامی کی تو میں اسکی زبان کھینچ لوں گا۔ میری بیوی بھی مسلمانوں کی قید میں ہے اور میں تم سب کے سامنے یہ علان کرتا ہوں کہ کوئی مرہٹہ عورت اس سے زیادہ قابل عزت نہیں۔"

اس چند مرہٹہ راجوں اور سرداروں کو طیش آگیا اور وہ ہلکر کے ساتھ بدکلامی پر اُتر آئے

اچانک ایک مرہٹہ نوجوان خیمے کے اندر داخل ہوا اور اس نے اگے بڑھ کر ہلکر کو پرنام کرتے ہوئے کہا" مہاراج: رانی صاحبہ دوسری قیدی عورتوں کے ساتھ پچھلی چوکی پر پہنچ گئی ہیں۔ میسور کی فوج کا ایک افسر اور بیس مسلح سپاہی ان کے ساتھ ہیں رانی صاحبہ ہماری چوکی پر رُک گئی ہیں اور ان کے ساتھ آنے والی تمام عورتیں یہ کہتی ہے کہ جب تک ہمارے آدمی ہمیں لینے کے لیے یہاں نہیں آئیں گے۔ہم آگے نہیں بڑھیں گی۔"

ایک مرہٹہ سردار نے کہا۔" جاؤ انھیں کہہ دو کہ یہاں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔"

ہُلکر نے تلملا کر کہا۔" تم اُن کے متعلق کچھ کہنے والے کون ہو؟"

سردار نے جواب دیا۔" آپ مجھے اپنی بیوی کے متعلق کچھ کہنے سے منع نہیں کرسکتے۔"" ہُلکر نے لاجواب ہو کر حاضرین مجلس کی طرف دیکھا اور کہا۔" میں ان کے استقبال کے لیے جارہاہوں۔ آپ میں سے کون ہے جو میرے ساتھ آنا چاہتا

ہے؟''

خیمے کے اندر تھوڑی دیر کے لیے سکوت طاری ہوگیا۔ پھر چھ مرہٹہ سردار یکے بعد دیگرے اٹھ کر آگے بڑھے اور ہلکر کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آئے۔

نوجوان ایلچی جو عورتوں کے متعلق پیغام لایا تھا، کچھ دیر تذبذب کے حالت میں کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔'' دشمن نے تمام عورتوں کو بھیج دیا ہے۔''

بھونسلے نے اس کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہُوے کہا'' بھاگ جاو یہاں سے تمام مرہٹے بے غیرت نہیں ہو سکتے۔''

نوجوان بد دل سا ہو کر خیمے سے باہر نکل آیا اور بھاگتا ہُوا ہلکر اور اس کے ساتھیوں سے جا ملا۔ خیمے سے تھوڑی دُور ہلکر نے اس کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔

'' عورتیں پیدل آئی ہیں؟''

''نہیں مہاراج۔ دشمن نے انھیں پالکیوں پر سوار کرا کے بھیجا ہے اور وہ لوگ جو ان کی پلکیاں اٹھا کر لائے ہیں ہماری اپنی فوج کے آدمی ہیں جنھیں دشمن نے رہا کر دیا ہے۔''



مرہٹہ عورتیں پالکیوں سے نکل لر درختوں کی چھاوں میں بیٹھی اپنے آدمیوں کا انتظار کر رہی تھیں میسور کے سوار اور وہ مرہٹہ قیدی جو اُن کے ساتھ آئے تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو سوار شمال کی طرف سے نمودار ہُوے اور تھوڑی دیر میں چوکی کے قیب پہنچ گے۔

چوکی کے ایک سپاہی نے بلند آواز میں کہا۔'' مہاراج ہلکر خود تشریف لا رہیں۔''

میسور کے سپاہی اپنے نوجوان سالار کے حکم سے آگے بڑھ کر ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔

ہلکر نے اپنے ساتھیوں کو جن میں سے اکثر اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تھے چند قدم دُور ہاتھ کے اشارے سے رُکنے کا حکم دیا۔ پھر وہ اور چھ اور سردار اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے اور سیدھے عورتوں کی طرف بڑھے۔ اور چند ثانیہ بعد یہ لوگ مُجرموں کی طرح اپنی بیویوں کے سامنے کھڑے تھے۔ ہلکر کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالآخر اس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ ''رانی میں شرمندہ ہوں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ رسوئی کی زندگی میرے لیے موت سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔'' ہلکر کی بیوی نے فوراً گفتگو کا رُخ بدلنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس نے پوچھا ''باقی لوگ کیوں نہیں آئے؟

ہلکر نے اصلی وجہ ظاہر کرنے کی بجائے جواب دیا ہم اُن کا انتظار نہیں کر سکے میں آپ سب کی سواری کے لیے ہاتھی لانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ ہاتھی تیار کرنے میں دیر ہو جائے گی۔''

وہ بولی۔ ''مہاراج آپ کو ہم سے پہلے میسور کے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اگر کسی بڑے انعام کے مستحق نہیں تو آپ کی طرف سے شکریہ کے حقدار ضرور ہیں۔''

ہلکر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا سپاہیوں کی طرف بڑھا۔ میسور کے سپاہیوں نے اُسے سلامی دی اور اس کے بعد اُن کا افسر آگے بڑھ کر ہلکر کے سامنے مؤدب کھڑا ہو گیا۔

ہلکر نے پوچھا تم ان کے افسر ہو۔"

جی ہاں!"

"تمھارا نام؟"

"انور علی؟"

میسور کی فوج میں تمھارا عہدا کیا ہے؟"

جی میں رسالدار ہوں۔"

میرا نام ہلکر ہے اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

انور علی نے کہا جی ہم نے صرف اپنا فرض پورا کیا ہے اور اب اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہیں سے واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"تمھیں کم از کم ایک دن میرے پاس ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ ہمارا پڑاؤ زیادہ دُور نہیں"

ہلکر نے اپنے گلے سے موتیوں کی ایک مالا اور سونے کی کنٹھی جس میں بیش قیمت ہیرے جڑے ہُوئے تھے اتاری اور انور علی کو پیش کرتے ہوئے کہا" میں آپکے سپاہیوں، اور یہ کنٹھی آپ کا انعام ہے۔" انور نے جواب دیا۔" ہلکر نے کدرے توقف کے بعد کہا۔" آپ سلطان ٹیپو کو میری طرف سے یہ پیغام دیں کہ انھوں نے میری گردن پر ایک پہاڑ رکھ دیا ہے اور وہ مجھے ناشکرا نہیں پائیں گے

انور علی نے ہلکر کو سلام کیا اور اپنے سپاہیوں کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ جن عورتوں کے ورثا انھیں واپس لینے کے لیے تیار نہ تھے وہ ہلکر کی بیوی کے پس ٹھہر گیئں اگلے روز ہلکر کی لعنت ملامت کے باعث چند اور سردار اپنی بیویوں کو واپس لینے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن بعض صورت یہ بُھولنے کے لیے تیار نہ تھے کہ

ان کی عورتیں مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکی ہیں۔ مرہٹہ قیدی جوان عوتوں کے ساتھ آئے تھے، ان کی پاک دامنی کی قسمیں کھاتے تھے۔لیکن مرہٹہ کیمپ میں ان متعصب برہمنوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی جو سلطان ٹیپو کے خلاف ایک جذباتی ہیجان پیدا کرنے کا کوئی موقع کھونے کے لیے تیار نہ تھے۔اب وہ ان عورتوں سے چند من گھڑت داستانیں منسوب کر کے اس واقعہ کو پوری مرہٹہ قوم کی عزت کامسلہ بنانا چاہتے تھے



تین دن بعد میسور کے خلاف جوابی کاروائی کی تجاویز پر غور کرن کے لیے خیدر آبادی اور مرہٹہ افواج کے راہنما ہری پنت کی خیمے، میں جمع تھے۔اس اجلاس میں ایک انگریز افسر مسٹر ہون بھی لموجود تھا، جو دو دن قبل پونا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ سر چارلس میلٹ سے خاص ہسایات لے کر وہاں پہنچا تھا۔ہلکر نے اس اجلاس کی کاروائی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تھااور حاضری مجلس اس کی غیر حاغری بہت محسوس کر رہے تھے ایک مرہٹہ سردار نے اٹھ کر یہ تجویز پیش کیا کہ ملکھر کو منانے کے لیے ایک وفد بھیجا جائے۔

ابھی اس تجویز پر بحث ہو رہی تھی کہ اندور کی فوج کا ایک افسر خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔" ہلکر مہاراج تشریف لا رہے ہیں۔"

چند منٹ بعد ہلکر خیمے کے اندر داخل ہوا۔ حاضرین مجلس نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی کرسیوں سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا ہری پنت نے اسے اپنے دائیں جانب بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیے بغیر چند قدم دور بیٹھ گیا۔

اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی اور ہری پنت نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

دوستو؛ اور بھائیو؛ ہم جن حالات کا سامنا کر رہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہمیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا چاہیے اگر ہم نے پیش قدمی میں مزید تاجر سے کام لیا تو تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان ہمارے کئی قلعے دشمن کے قبضے میں چلے جائیں گے۔ ہم نے گزشتہ لڑائیوں میں جو نقصانات اٹھائے ہیں ان کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ برسات کے موسم میں ہمارا رسد اور کمک کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ہمارے راستے میں وہ دشواریاں نہیں ہیں اب اگر ہم دریائے تنگبھد عبور کر کے جنوب کی طرف دشمن کے لیے محاذ کھول دیں تو اس کے لیے تنگبھد کے اس پار ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا برسات کے موسم میں دشمن کی کامیابیوں کا مدار اس کی پیادہ فوج پر تھا۔لیکن اب پہل ہمارے سواروں کے ہاتھ گی۔ اگر ہم نے آئندہ چند ماہ مدافعانہ کرروائی پر اکتفا کیا تو اگلے موسمِ برسات میں ہمارے لیے دریائے کرشنا کے پار ٹھہرنا بھی مشکل ہو جائے گا اگر ہم وقت ضائع نہ کریں تو جنگ کا فیصلہ ابھی ہمارے ہاتھ ہے۔''

ہلکر نے اٹھ کر کہا مجھے ڈر ہے کہ آئند برسات تک اگر ہمیں صرف بازوؤں پر بھروسہ کرنا پڑا تو دشمن کا لشکر پونا اور حیدرآباد کے دروازوں پر دستک دے رہا ہو گا۔''

بھونسلے نے اُٹھ کر کہا ہلکر مہاراج آپ کو ایسی گفتگو زیب نہیں دیتی۔ اگر آپ کے پاس کوئی بہتر تجویز ہو تو ہم سننے کے لیے تیار ہیں۔''

ہلکر نے جواب دیا۔'' میں یہاں کوئی تجویز لے کر نہیں آیا ہوں میں صرف یہ جانتا ہوں کہ انگریز جن کی شہ پر ہم نے یہ جنگ شروع کی تھی اس وقت کیا سوچ رہے ہیں؛ وہ ابھی تک میدان میں کیوں نہیں آئے سر چارلس میلٹ نے آپ کے

حوصلے بلند کرنے کے لیے اپنا ایلچی بھیجا چاہتا ہوں کہ وہ کیا پیغام لایا ہے؟''

حاضرین مجلس کی نگاہیں مسٹر یون پر مرکوز ہوگئیں وہ اٹھا اور ہلکر سے مخاطب ہو کر بولا

''یور ہائینس اگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے کوئی وعدہ کیا ہے تو وہ ضرور پورا کیا جائے گا۔ لیکن آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آپ کے میدان جنگ میں آنے سے پہلے ہم ایک مدت تک تنہا دشمن کے ساتھ لڑ چکے ہیں۔ اب ہمیں دوبارہ میدان میں آنے سے پہلے تیاری کی ضرورت ہے۔''

ہلکر نے طنزیہ آمیز لہجے میں جہا۔'' اور تمہاری تیاراس وقت مکمل ہوگی جب ہماری رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہہ چکا ہوگا۔ پھر تم صرف سلطان ٹیپو ہی سے نہیں بلکہ پونا اور حیدر آباد کی حکومتوں سے بھی اپنی شرائط منوا سکو گے۔ مسٹر میلٹ کئی بار ہمیں یہ تسلی دے چکے ہیں کہ لارڈ کارنوالس ایک مضبوط آدمی ہیں اور وہ گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالتے ہی میسور کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہمیں کب تک لارڈ کارنوالس کی تیاریوں کا انتظار کرنا پڑے گا؟''

مسٹر یون نے کہا۔'' یور ہائینس! آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس ایک مضبوط آدمی ہیں۔ اور وہ سلطان ٹیپو سے نپٹنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ لیکن انگلینڈ میں ایسے لوگ موجود ہیں جو صلحنامہ منگلور کی خلاف ورزی کر کے سطان ٹیپو سے جنگ چھیڑنے کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے لارڈ کارنوالس ایسے حالات پیدا کرنے کی فکر میں ہیں کہ میسور کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جنگ ناگزیر ہو جائے۔''

ہلکر نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں صرف معاہدہ منگلور جنگ سے

روکے ہوئے ہے اور لارڈ کارنوالس یہ معاہدہ توڑنے کے لیے کسی معقول بہانے کی تلاش میں ہیں۔''

مسٹر یون نے جواب دیا۔ یور ہائینس بہانہ تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں لیکن میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ ہمیں جنگ کی تیاری کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک لارڈ کارنوالس جنگ کے لیے تیار نہیں ہوتے وہ سلطان ٹیپو کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے رہیں گے اور جب ان کی تیاریاں مکمل ہو جائیں گی تو وہ کسی نہ کسی بہانے میسور پر چڑھائی کر دیں گے۔ لیکن ہم یہ کیوں نہ سمجھیں کہ جو قوم آج سلطان ٹیپو کو دھوکا دے سکتی ہے وہ کل ہمیں بھی دھوکا دے گی اور جن بہانوں کا سہارا لے کر تم ٹیپو کے ساتھ صلح کے معاہدوں کی خلاف ورزی کرو گے وہ کسی دن ہمارے خلاف بھی تلاش کیے جائیں گے؟''

محفل پر ایک سکوت چھا گیا اور ہلکر نے قدرے توقف کے بعد اپنی آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔ بھائیو۔ میری بات غور سے سنو! لارڈ کارنوالس ٹیپو کا دشمن ہے نہ ہمارے دوست۔ وہ امریکہ میں انگریزوں کی ایک بہت بڑی سلطنت کھو بیٹھنے کے بعد یہاں آیا ہے اور انگریزوں نیا سے یہاں اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ میسور کی سلطنت فتح کر کے ہمارے آگے ڈال دے۔ بلکہ اسے لیے بھیجا گیا ہے کہ انگریزوں نے جو نقصانات امریکہ میں اٹھائے ہیں وہ ہندوستان سے پورے کیے جائیں اور صرف میسور کی سلطنت یہ نقصانات پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہو گی۔ آج اگر میسور کی باری ہے تو کل ہماری باری آئے گی۔

سلطان ٹیپو کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اسے اپنے

راستے میں ایک بہت بڑی دیوار سمجھتے ہیں اور ہمیں ان کا راستہ صاف کرنے کے لیے اس دیوار کو گرانے کی حماقت نہیں کرنی چاہیے۔ اس دنیا میں اگر کسی کو ایک شریف دوست نہ مل سکے تو اسے یہ تمنا کرنی چاہیے کہ اس کا دشمن شریف ہو۔ اور سلطان ٹیپو ایک شریف دشمن ہے۔ اس کی شرافت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ہماری قوم کی جو بیٹیاں اس کی قید میں تھیں وہ اسے اپنا بھائی اور باپ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں اور جب انگریزوں نے میسور پر حملہ کیا تھا تو انھوں نے اننت پور کی فتح کی خوشی میں سینکڑوں بے بس عورتوں اور نہتے قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔"

ہری پنت نے کہا آپ کے خیالات میں یہ تبدیلی صرف اس لیے آئی ہے کہ ٹیپو نے ہمادی عورتوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا ہے لیکن آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ صرف اس کی ایک سیاسی چال تھی وہ یہ جانتا تھی وہ یہ جانتا تھا کہ اگر ان عورتوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی گئی تو تمام مرہٹہ ریاستوں میں آگ جائے گی اور ہم اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے سرنگاپٹم پہنچنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

ایک نوجوان لڑکی خیمے میں داخل ہوئی اور اس نے بلند آواز میں کہا جو سرنگاپٹم پہنچنے کی ہمت رکھتے ہیں انھیں خطرے کے وقت اپنی بیویوں اور بہنوں کو چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔'

مجلس پر ایک سناٹا چھا گیا چند اور عورتیں خیمے کے اندر داخل ہوئیں نوجوان لڑکی نے آگے بڑھ کر ایک مرہٹہ سردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا میرا پتی یہاں موجود ہے اور میں اس سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں نے کیا پاپ کیا ہے؟ کیا میرا قصور یہ تھا کہ میں ایک عورت تھی اور بھاگتے وقت اس سے پیچھے رہ گئی تھی

میں اور میری بہنیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہمارے پتی کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں اور ہم ننگے درائن کا ماتم کر رہی تھیں۔ سلطان ٹیپو ہمارا دشمن تھا لیکن اس نے ہمیں اپنے سر ڈھانپنے کے لیے چادریں دیں ہم اس کی قید میں تھیں لیکن میسور کے دسی سپاہی کی مجال نہ تھی کہ وہ آنکھ اٹھا کر ہماری طرف دیکھ سکے سلطان نے ہمیں عزت سے یہاں بھیجا لیکن یہاں پہنچ کر ہم اپنے متعلق بھی نہیں کر سکتا میں پوچھتی ہوں کہ تمھاری غیرت اس وقت کہاں گئی جب تم ہمیں دشمن کے قبضے میں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے؟"

راجہ بھونسلے نے نوجوان لڑکی کے الفاظ سے متاثر ہو کر کہا بہنو؟ تمھیں یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی اگر کسی نے تمھارے متعلق کوئی بری بات کہی ہے تو اس نے بڑا پاپ کیا ہے اور میں اس لشکر کے ہر سپاہی کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔"

☆

ایک ادھیڑ عورت نے کہا مہاراج ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ہلیں گی جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے متعلق ہمارے خاوندون نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

آپ اپنے آدمیوں کے خیموں میں چلی جائیں اگر کسی کا پتی اعتراض کرے گا تو ہم اس سے نپٹ لیں گے ہماری نظر میں تم سب دیویاں ہو۔" بھونسلے یہ کہہ کر آگے بڑھا اور ایک سردار کو ہاتھ سے پکڑ کر بولا تم کیا سوچ رہے ہو اٹھو اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ ہم جنگ کے متعلق کل سوچیں گے۔"

بھونسلے کی تقلید میں باقی سردار اور راجے دوسری عورتوں کے خاوندوں کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا رہے تھے اعتراض کرنے والوں کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں تھوڑی دیر

بعد تمام عورتیں اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ ان کے خیموں میں جا چکی تھیں۔"

نواں باب

پونا اور حیدر آباد کی فوج ابھی حملے کی تیاریاں کر رہی تھیں کہ سلطان نے دریائے تنگبھدرہ آس پاس چند چوکیوں اور قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد بہادر بند کا محاصرہ کر لیا اپنے محلِ وقوع اور دفاعی استحکامات کے لحاظ سے بہادر بند کا قلعہ مرہٹوں کا عظیم ترین مستقر تھا اور سلطان نے اس قلعے پر اس وقت حملہ کیا تھا جب کہ اتحادیوں کی ایک لاکھ سے زیادہ فوج صرف چند میل دُور پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ ۸ جنوری ۱۷۸۷ء کی صبح میسور کی فوج نے ایک شدید حملے کے بعد اس قلعے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن دشمن کی شدید مزاحمت کے باعث اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

چند گھنٹے بعد سلطان کا لشکر دوسرے حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ اتحادی لشکر کے پڑاؤ سے ایک ایلچی سفید جھنڈا اٹھائے نمودار ہُوا اور اس نے سلطان کے ساتھ صلح کی بات شروع کر دی سلطان نے فوراً جنگ بند کرنے کا حکم دیا لیکن چار دن تک اتحادیوں کے ساتھ صلح کی شرائط طے نہ ہو سکیں اور سلطان کو یہ اندازہ ہُوا کہ صلح کی گفتگو شروع کرنے سے دشمن کا اصل مقصد صرف مزید تیاری کے لیے وقت حاصل کرنا ہے چنانچہ ۳۱ جنوری کی صبح میسور کے لشکر نے بہادر بندہ کے قلعہ پر گوالہ پر دوبارہ گولہ باری شروع کر دی قلعے کا مرہٹہ کمانڈ کمانڈنٹ مارا گیا اور سپاہیوں نے بیرونی اعانت سے مایوس ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔

بہادر بندہ کا قلعہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد اتحادی کیمپ میں بددلی پھیل چکی تھی ایک راجہ دوسرے راجہ اور ایک سردار کو کوس رہا تھا نظام کے سپاہی مرہٹوں کو اور مرہٹہ سپاہی نظام کے لشکر کو بُزدلی بے حیائی اور بزدلی کے طعنے دے رہے تھے حیدر آباد اور پونا کے درباروں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل اتحادی لشکر کے پڑاؤ میں

پہنچ چکے تھے اور انھیں یہ یہ سمجھا رہے اتھے کہ ابھی تمھارا کچھ نہیں بگڑا ہے۔ اگر اب بھی تم آپس کے اختلافات دُور کر کے متحد اور منظم ہو جاؤ تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔ میسور کی فوف اپنے محدود وسائل کے ساتھ چند ہفتوں یا چند مہنیو سے زیادہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر تم کچھ عرصہ اور ہمت سے کام لو تو ایسٹ انڈیا کمپنی میدان میں آجائے گی۔ لیکن فوج کے کیمپ میں ہلکر کی طرح کئی اور سردار بھی اب کھلے بندوں اس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے تھے کہ انگریز ہمارے ساتھ دھوکا کر رہے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم میسور کو ادھ موا کر کے ان کے آگے ڈال دیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اگر اس جنگ نے طول کھینچا تو ہماری اپنی حالت میسور سے مختلف نہیں ہو گی۔ پھر انگریز کو اس بات کی پوری آزادی ہو گی کہ وہ ہمارا حلیف بن کر میسور کی سلطنت کا ایک بڑا حصہ ہتھیا لے یا ٹیپو کا حلیف بن کر ہمارے خلاف اعلان جنگ کر دے۔

سلطان ٹیپو کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اگر جنگ کی طوالت کے باعث انگریزوں کو تیاری کا موقع مل گیا تو اسے دو محازوں پر لڑنا پڑے گا۔نظام اور پیشوا کو صلح پر آمادہ کرنے کی اب یہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ جنگ کو کسی تاخیر کے بغیر ختم کر دیا جائے۔ مرہٹہ کیمپ کے حالات اس سے پوشیدہ نہ تھے۔اس کے جاسوس اسے پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ چنانچہ اس نے کسی توقف کے بغیر اتحا دیوں کے پڑاو پر حملہ کر دیا۔یہ حملہ جس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا اسی قدر شدید تھا۔ہلکر کے سوا جس نے جنگ شروع ہوتے ہی اپنے سپاہیوں کو میدان سے نکال لیا تھا باقی مرہٹہ افواج سخت تباہی کا سامنا کر رہی تھیں۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر میدان صاف ہو چکا تھا اور سلطان کے طوفانی دستے

بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔ نظام کا لشکر جو اب تک صرف تماشائیوں کی حیثیت میں اپنے حلیفوں کی کارگزاری دیکھنے کا عادی تھا پہلی بار شیر میسور کی قوت کا صحیح اندازہ کر رہا تھا۔ تہور جنگ میدان سے بھاگنے میں سبقت کرنے کے باوجود یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا یوم حساب شروع ہو چکا ہے اور میسور کی فوج جو اب تک اس کے ساتھ رعایت برتتی آئی تھی اب نظام کے تمام سابقہ گناہوں کا حساب چکانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ میسور کی افواج نے شام تک اس کا تعاقب جاری رکھا۔ اور رات کی تاریکی میں جب وہ میدان جنگ سے کوسوں دور اپنے بقیۃ السیف ساتھیوں کے درمیاں کھڑا اپنے نقصانات کا جائزہ لے رہا تھا تو اسے یہ معلوم ہوا کہ توپوں کے علاوہ اس کے اسلحہ بارود اور رسد کی بیشتر گاڑیاں دشمن کے قبضے میں جا چکی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب ایک جنگل میں بھونسلے اور ہری پنت کے ساتھ اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے انتہائی شکایت کے لہجے میں کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مستقبل کے متعلق آپ کے کیا ارادے ہیں لیکن جہاں تک حیدرآباد کا تعلق ہے میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے لیے یہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔

جسونت راؤ نے کہا۔ میرے دوست! ہلکر آپ سے زیادہ ہوشیار تھا وہ یہ بات کئی مہینے پہلے سمجھ گیا تھا جو تم آج سمجھے ہو۔ اور ہم شاید چند دن یا چند ہفتے بعد سمجھ جائیں۔

ہری پنت نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ہم اس حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر ہلکر دشمن کے راستے سے اپنی فوج نہ ہٹاتا تو ہمیں اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ اب دشمن جس قدر آگے بڑھے گا اسی قدر اس کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ہم قدم قدم پر اس کا مقابلہ کریں گے۔

اس فتح کے بعد سلطان نے تنگبھدرہ اور کرشنا کے درمیان کسی جگہ دشمن کو دم لینے کا موقع نہ دیا۔تہور جنگ ہر محاز پر کوسوں دور رہنا پسند کرتا تھا اور مرہٹہ سپاہی کسی ایک جگہ جمع ہونے کی بجائے منتشر ہو کر بھیڑوں کی طرح میسور کی فوج ک آگے بھاگ رہے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایمنٹ لارڈ کارنوالس کو یہ پیغام بھیج رہے تھے کہ اب ہمارے دوست ہمت ہار چکے ہیں۔ پونا اور حیدر آباد کے درباروں میں ہری پنت اور تہور جنگ کے ایلچی یہ کہہ رہے تھے کہ ہم جنگ ہار چک ہیں۔ اب اگر سلطان کے ساتھ باعزت شرائط پر صلح ہو سکتے تو ہمیں اسے بھی اپنی فتح سمجھنا چاہیے۔

اور شیر اپنے کچھار سے بہت دور آچکا تھا۔ حیدر آباد اور پوتا کی طرف یلغار کے لیے اس کا راستہ کھلا تھا۔اگر وہ چاہتا تو نظام اور پیشوا کی قوت ہمشہ کے لیے ختم کر سکتا تھا لیکن جب انھوں نے صلح کے لیے ہاتھ بڑھائے تو سلطان نے کسی حجت کے بغیر تلوار نیام میں ڈال لی اس لیے نہیں کہ اب اسے ان کی طرف سے کسی شدید مزاحمت کی توقع نہ تھی اس لیے بھی نہیں کہ وہ مستقبل میں ان کی صلح جوئی اور امن پسند ک پر اعتماد کر سکتا تھا۔ بلکہ صرف اس لیے کہ اس کے نزدیک میسور کے اصل دشمن انگریز تھے۔اور وہ جنگ کے کو طول دے کر ایکسے حالات پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے جارحانہ ارادوں کے لیے سازگار ہو سکتے تھے۔

یہ صلح ایک مجبوری تھی ایک ایسے انسان کی مجبوری جسے گیدڑوں اور گدھوں کا پیچھا کرتے وقت اپنے عقب سے بھڑیوں کے حملے کا خطرہ ہو۔ کئی برس قبل سلطان ٹیپو کے باپ نے اس وقت تلوار نیام میں ڈال لی تھی جب کہ اس کی افواج مدراس کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا عقب

نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کی سازشوں کے باعث غیر محفوظ تھا۔ پھر سلطان ٹیپو کی زندگی میں بھی ایک مرحلہ ایسا آیا تھا۔ جب انگریز یہ محسوس کرتے تھے کہ اب جنوبی ہندوستان کا کوئی گوشہ ان کے لیے محفوظ نہیں لیکن پیچھے سے نظام اور مرہٹوں کے حملے کے خدشہ نے اسے بھی انگریزوں کی ساتھ مصاحت پر مجبور کر دیا تھا اور جب کہ نظام کی ملت فروشی اور مرہٹوں کی وطن دشمنی کا حساب چکانے کا وقت آیا تو اس کے لیے انگریز ایک بڑا خطرہ بن چکے تھے،

جنگ کے بعد سلطان نے مصاحت کی خاطر جس وسیع القلبی کا ثبوت دیاوہ مرہٹوں کی توقع سے کہیں زیادہ تھی اور کرشنا کے درمیان باد امی نرگنڈ اور کٹھور کے علاقے مرہٹوں کو واپس کر دیے اور مرہٹے اس کے بدلے سلطان کے ساتھ ایک دفاعی اور جارحانہ معاہدہ کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ اور نظام کی دوستی حاصل کرنے کے لیے سلطان نے ادھونی کا مفتوحہ علاقہ مہابت جنگ کو واپس کر دیا۔



فرحت عصر کی نماز کے بعد ایک کمرے میں قرآن کی تلاوت کر رہی تھی اور جین باہر صحن میں ایک درخت کے نیچے مونڈھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک مکان کے بیرونی حصے میں گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور وہ اٹھ کر دروزے کی طرف بڑھی۔ چند دن قبل سرنگا پٹم میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ لیکن قریباً ایک مہنہ سے فرحت کے بیٹوں اور لیگر انڈ کی طرف سے کوئی خبر نہ آنے کے باعث وہ سخت مفطرب تھی۔ وہ ابھی دروازے سے چند قدم دور تھی کہ نوکر بھاگتا ہو صحن میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ میم صاحب وہ آ گئے ہیں!

جین جلدی سے آگے بڑھی اور دروازے سے بہر جھانکنے لگی۔

ڈیوڑھی کے قریب لیگرانڈ اپنا گھوڑا ایک نوکر کے سپرد کر رہا تھا۔ اور وہ چند ثانیے آگے بڑھنے یا پیچھے مڑنے کا فیصلہ نہ کر سکی۔ پھر جب لیگرانڈ دیوان خانے کا رُخ کر رہا تھا۔ تو وہ اچانک باہر نکل آئی۔ اب اسے اس بات کا احساس نہ تھا کہ وہ چلنے کی بجائے بھاگ رہی ہے۔ لیگرانڈ دیوان خانے کے اندر داخل ہوتے ہی اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی آہٹ پا کر مڑا اور اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے لیکن جین اس کی توقع کے خلاف دروازے میں رُک گئی۔

لیگرانڈ نے دل برداشتہ ہو کر کہا جین فوج مجھے میں ترقی مل گئی ہے کیا بات ہے جین تم اس قدر بدحواس قدر بدحواس کیوں ہو؟ تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئیں؟"

جین نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔" آپ جا کیلے آئے وہ کیوں نہیں آئے؟"

"کون، انور اور مُراد؟ اُف مجھے معلوم تھا کہ مجھے تنہا دیکھ کر تم اس قدر گھبرا جاؤ گی۔ وہ ایک ہفتہ تک یہاں پہنچ جائیں گے مجھے موسیو لالی نے جنگ ختم ہوتے ہی چھٹی دے دی تھی۔ تمھیں انور اور مراد کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے وہ بالکل ٹھیک ہیں بیٹھ جاؤ میں تمھارے ساتھ سینکڑوں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

جین نے کہا میں ان کی والد کو تسلی دے آؤں وہ بہت پریشان ہیں میں ابھی آتی ہوں۔'

جین وہاں سے چل پڑی اور لیگرانڈ زخم خوردہ سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا چند منٹ بعد جین دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

لیگرانڈ نیا پن ءجیب سے ایک تھیلی نکال کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا یہ لو ہمیں فتح کی خوشی دو ماہ کی زائد تنخواہ ملی ہے اس کے علاوہ مجھے تین مہینے کی چھٹی ملی ہے انور علی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آتے ہی ہمارے لیے علیحد مکان کا

بندوبست کر دے گا۔"

جین نے کہا نہیں اسے اپنے پاس رکھیے میرے پاس آپ کا بھیجا ہوا تمام روپیہ محفوظ پڑا ہے انور علی کی والدہ اس بات پر خفا ہوئی تھیں کہ آپ اپنی پوری تنخواہ مجھے کیوں بھیج دیتے ہیں۔"

لیگرانڈ نے دل برداشتہ ہو کر کہا جین مجھے احساس نہ دلاؤ کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور تمھیں کچھ نہیں دے سکتا۔"

جین نے معذرت طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ سے تھیلی لیتے ہوئے کہا میرا مقصد تمھیں آزردہ کرنا نہ تھا میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ تم کو میری خاطر اتنی تنگی برداشت نہیں کرنی چاہیے انور کی والدہ مجھے اپنے روپے سے ایک کوڑی بھی خرچ کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

لیگرانڈ نے کہا جین اگر پیرس میں مجھے کوئی یہ بتاتا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ایک اجنبی کو اپنی روٹی کے ہر نوالے میں حصہ دار بنا لیتے ہیں تو مجھے یقین نہ آتا لیکن میں اب ان پر مزید بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا ہمیں بہت جلد ان سے اجازت لینی پڑے گی اگر تمھارے لیے میری درخواست کوئی معنی رکھتی ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں انور اور مراد کے یہاں پہنچتے ہی شادی کر لینی چاہیے میں ہر لڑائی سے پہلے یہ سوچا کرتا تھا کہ شاید میں تمھیں دوبارہ نہ دیکھ سکوں مجھے اپنی کم مائگی کا احساس ہے لیکن اس کے باوجود میں اس فریب میں مُبتلا رہنے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کے لیے ہیں۔"

جین نے گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا لیگرانڈ میں ناشکر گزار نہیں ہوں اور مجھے اپنے مستقبل کے متعلق تمھارا کوئی فیصلہ ناقابل قبول نہیں ہو گا۔"

اور لیگر انڈ کی حالت اس بچے کی سی تھی جس کے سامنے کھلونوں کے ڈھیر لگا دیے گئے ہوں۔



بیس دن بعد موسیو لالی کی قیام گاہ کے قریب ایک چھوٹے سے مکان میں جو گزشتہ چند برس سے سلطان کی فوج کے یورپین اور دوسرے عیسائی سپاہیوں کے لیے گرجے کا کام دیتا تھا لیگر انڈ اور جین کی شادی کی رسومات ادا ہو رہی تھیں یورپین افسروں کے علاوہ انور مراد اور ان کے چند دوست اس موقع پر موجود تھے نکاح کی رسم ایک فرانسیسی پادری نے ادا کی۔"

دولھا اور دلھن مکان سے باہر نکل رہے تھے تو موسیو لالی نے لیگر انڈ سے مخاطب ہو کر کہا لیگر انڈ تم بہت خوش قسمت ہو لیکن ایسی دلھن کے لیے تمھارا کمرہ موزوں نہیں اگر تم پسند کرو تو میں تمھارے ہنی مون کے لیے اپنے مکان کا ایک حصہ خالی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

لیگر انڈ نے جواب دیا۔" شکریہ! لیکن انور علی نے ہمارے لیے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کر دیا ہے اور اب ہم سیدھے وہاں جا رہے ہیں۔"

مکان کے باہر آٹھ کہار ایک کشادہ پالکی کے گرد کھڑے تھے جین پالکی میں بیٹھ گئی۔"

انور علی نے لیگر انڈ سے مخاطب ہو کر کہا آپ بھی تشریف رکھیں یہ پالکی آپ دونوں کے لیے ہے۔"

لیگر انڈ پیدل چلنا چاہتا تھا لیکن انور علی اور دوسرے دوستوں کے اصرار پر جین کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کہاروں نے پالکی اٹھائی اور انور مراد ان کے ساتھ چل دیے شہر کے کشادہ بازار میں کوئی آدھ میل فاصلہ طے کرنے ک بعد کہا ایک تنگ گلی کے سامنے رکے اور انھوں نے پالکی نیچے رکھ دی۔''

انور علی آگے بڑھ کر کہا'' یہ گلی بہت تنگ ہے۔اب آپ کو چند قدم پیدل چلنا ہو گا کوئی' مجھے افسوس ہے کہ میں کوشش کے باوجود آپ کے لیے کسی کشادہ سڑک پر مکان کا بندوبست نہیں کر سکا''

لیگرانڈ اور جین پالکی سے اُتر کران کے ساتھ چل دیے۔ جین دلہن کے سفید لباس میں ایک پری معلوم ہو رہی تھی۔اور گلی سے گزرنے والے لوگ حیران ہو ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

انور علی نے ایک موڑ کے قریب رُک کر بائیں ہاتھ سے ایک مکان کے کشادہ دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا۔'' یہ آپ کا گھر ہے!''

لیگرانڈ نے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔'' یہ بات آپ کہ عجیب معلوم ہو گی۔لیکن ہم اسے شادی کی رسم کا ایک اہم حِصّہ سمجھتے ہیں۔'' پھر اس نے کسی توقف کے بغیر اچانک آگے جھک کر جین کو اپنے بازؤوں میں اٹھا لیا اور مکان کے اندر داخل ہُوا۔

جین نے کہا۔'' خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو اس ملک کے لوگ ایسی حرکات پسند نہیں کرتے۔''

صحن میں انور علی کا ایک نوکر موجود تھا اور اس کی بدحواسی اور پریشانی قابلِ دید تھی۔

جین نے کہا۔'' خدا کے لیے مجھے اتار دو۔ یہ لوگ ہمارا مذاق اُڑائیں گے۔''

معاف کیجیے گا۔" پریشان حال نوکر یہ کہہ کر ایک کمرے کی طرف بھاگا اور پیچھے سے انور علی اور مُراد کے قہقہے جین کو انتہائی ناخوشگوار محسوس ہوئے لیگر انڈ اب بھی اسے نیچے اتارنے پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے علیحدہ ہو گئی۔

انور علی نے کہا۔ جین تمھیں ہماری وجہ سے بدشگونی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ میں پانڈی چری میں رہ کر تم لوگوں کی تمام رسومات سے واقف ہو چکا ہُوں۔"

لیگر انڈ نے خوب صورت دو منزلہ مکان کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ یہ مکان ہماری ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کا کرایہ کہیں میری تنخواہ سے زیادہ نہ ہو۔ اگر آپ نے مجھے پہلے دکھا دیا ہوتا تو میں آپ کو یہ مکان لینے کا مشورہ نہ دیتا۔

یہ مکان خرید لیا گیا ہے اور آج سے آپ اس کے مالک ہیں۔ یہ امّی جان کی طرف سے جین کو شادی کا تحفہ ہے۔

لیگر انڈ نے کہا۔ نہیں یہ ایک زیادتی ہے۔ آپ ہماری گردن پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

انور علی نے کہا۔ میرے دوست آپ کو اس بات پر ناراض ہونا چاہیے۔ ہم نے صرف آپ کی ضرورت کا احساس کیا ہے اور ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ ہم آپ کے لیے اس سے بہتر مکان حاصل نہیں کر سکے۔

انور علی میں ناراض نہیں ہوں۔ لیگر انڈ نے کہا۔ لیکن یہ بہت زیادتی ہے۔

انور علی نے جین کی طرف دیکھا اور کہا۔ جین یہ امی جان کی خواہش تھی اور مجھے اُمید ہے کہ تم ان کی خواہش کا احترام کرو گی۔

جین نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ میں انھیں اپنی ماں سمجھتی ہوں۔ میں شکریے کے ساتھ ان کا یہ تحفہ قبول کرتی ہوں۔ میرے لیے اس مکان کی اینٹیں سونے سے زیادہ قیمتی ہیں۔

انور علی نے کہا۔ اب آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے۔ سردار خاں اب آپ کی خدمت میں رہے گا۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف ہمارے ہاں پیغام بھیج دیجیے۔

پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔ سردار خاں۔ تم اندر کیا کر رہے ہو۔ باہر آؤ!

سردار خاں بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

انور علی نے کہا۔ تم گھر سے ان کا سارا سامان لے آئے ہو؟

جی ہاں۔ ان کے صندوق میں نے اُوپر کھوا دیے ہیں۔ ایک صندوق کی چابی میرے پاس ہے یہ کہتے ہوئے سردار خاں نے اپنی جیب سے ایک چابی نکالی اور جین کو پیش کر دی۔

جین نے پریشان ہو کر کہا میری چابی میرے پاس ہے۔"

سردار خاں نے کہا جی یہ چابی مجھے بی بی جی نے خود دی تھی وہ کہتی تھیں کہ یہ بڑے صندوق کی ہے۔"

جین نے اس کے ہاتھ سے چابی لے لی۔

انور علی نے سردار خاں کی طرف متوجہ ہو کر کہا آج سے ان کی خدمت تمھارے ذمہ ہے مجھے امید ہے کہ تم اپنے آپ کو ایک اچھا نوکر ثابت کرو گے۔"

جناب مجھ سے آئندہ کوئی غلطی ہو گی سردار خاں نے معذرت طلب لہجے میں کہا مراد علی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا اس نے پوچھا اور اس سے پہلے تم نے کیا غلطی کی

ہے۔"

کچھ نہیں جناب! سردار خاں نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا انور اور مراد کو رخصت کرنے کے بعد جین اور لیگرانڈ مکان کے کمروں کا معائنہ کر رہے تھے نچلی منزل کے پانچ کمرے ضروری سازو سامان سے آراستہ تھے بالائی منزل کے دونوں کمروں میں خوب صورت قالین اور پلنگ سجے ہوئے تھے۔

ایک کمرہ دیکھنے کے بعد دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو جین نے ایک لکڑی کے صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ صندوق میرے خیال میں نوکر غلطی سے اٹھالائے ہیں،

لیگرانڈ نے کہا اتنا بڑا صندوق غلطی سے یہاں نہیں آسکتا میرے خیال میں اسی صندوق کی چابی تمھیں دی گئی ہے۔"

جین نے آگے بڑھ کر صندوق کا تالا کھولا اور لیگرانڈ نے اس کا بھاری ڈھکنا اُوپر اٹھادیا صندوق ریشمی کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔"

لیگرانڈ نے ایک جوڑا نکال کر پلنگ پر پھیلاتے ہوئے کہا جین دیکھو یہ تو کسی فرانسیسی درزی کے ہاتھ کا سلا ہو معلوم ہوتا ہے۔"

جین نے جواب دیا ان کے درزی کو میرے کپڑوں کا ناپ معلوم تھا لیکن مجھے ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کپڑے کس وقت تیار ہو کر آئے اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہمارے مکان کے لیے اتنے تحائف جمع کیے جا رہے ہیں لیگرانڈ خدا کے لیے صندوق بند کر دو میں یہ برداشت نہیں کر سکتی میں اتنے بڑے احسان کی مستحق نہ تھی کاش میں ان کی بیٹی ہوتی! جین کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا۔

لیگرانڈ نے پریشان ہوکر کہا جین مجھے یقین ہے کہ نور اور مراد تمھیں اپنی بہن اور ان کی والدہ تمھیں اپنی بیٹی سے کم نہیں سمجھتیں۔''

''لیکن میرے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کاش میرے ساتھ یہ لوگ وہی برتاؤ کرتے جو ایک دوسرے اجنبی کے ساتھ کرتا ہے۔

دسواں باب

نظام اور مرہٹون کی متحدہ طاقت کے خلاف سلطان ٹیپو کی فتح کوئی معمولی کارنامہ نہ تھی۔ انگریزوں کی طرح پانڈی چری کی فرانسیسی حکومت کو بھی اس بات کی قطعاً امید نہ تھی کہ سلطان اس جنگ سے سرخرو ہو کر نکلے گا۔ سلطان کو اس جنگ میں فرانس سے عملی اعانت کی توقع تھی لیکن فرانسیسی نوآبادیات کی حکومت نے انگریزوں کے ساتھ معاہدہ وارسیلز کی آڑ لے کر اس جنگ میں ایک فریق بننے سے انکار کر دیا تھا۔

معاہدہ وارسیلز کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کے حکمرانوں کی جنگوں میں الگ تھلگ رہیں گے۔ لیکن فرانسیسیوں کی پہلو تہی کی اصل وجہ صرف یہ معاہدہ نہ تھا۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے کہ نظام اور مرہٹوں نے انگریزوں کی شہ پر جنگ شروع کی ہے اور جب وہ اس جنگ میں حصہ لینا اپنے لیے سودمند خیال کریں گے تو معاہدہ وارسیلز کی حیثیت اُن کے لیے کاغذ کے ایک پُرزے سے زیادہ نہ ہوگی۔ ان کی پہلوتہی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ سلطان ٹیپو کو اس جنگ میں ایک کمزور فریق سمجھتے تھے۔ اور انھیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سلطان زیادہ دیر نظام اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور اگر انگریز بھی بیدان میں آ گئے پھر تو وہ سلطان ک حلیف بن کر اپنے لیے کبھی کوئی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر موسیو کاسگنی کی پہلی کوشش یہ تھی کہ پُونا اور حیدرآباد کی حکومتوں کو سلطان کے خلاف جنگ شروع کرنے سے باز رکھا جائے اور جب یہ کوشش بارآور نہ ہوئی تو اس کی دوسری کوشش یہ تھی کہ فرانس سلطان ٹیپو کی بجائے مرہٹوں کے ساتھ اتحاد کرے کیونکہ مرہٹوں کو سلطان کی

نسبت وہ کمزور خیال کرتے تھے۔ اور انھیں ایک کمزور دوست کی حمایت کے لیے ایک طاقت ور دشمن سے ٹکر لینا منظور نہ تھا۔

چنانچہ پانڈی کی حکومت کا ایک خاص نمائندہ مرہٹوں کے ساتھ دوستی کا پیغام لے کر جنگ کے آغاز سے چند ماہ بعد پیشوا کے پاس پہنچا لیکن پونا کے دربار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ سر چارلس میلٹ کے اثر و رسوخ کے باعث اُسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ فرانسیسیوں کی اس ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نانا فرنویس ان کی دوستی کی بجائے انگریزوں کی دوستی پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ انگریز زُود یا بدیر جنگ میں ضرور شامل ہو جائیں گے۔

پانڈی چری کی حکومت کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے جنگ کے دوران میں صرف اُن فرانسیسی اور دوسرے یورپین سپاہیوں نے سلطان کا ساتھ دیا تھا جو میسور کی فوج کی باقاعدہ ملازمت اختیار کر چکے تھے۔

مرہٹوں اور نظام کے خلاف ایک شاندار فتح حاصل کرنے کے باوجود سلطان ٹیپو میسور کے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھا۔ ایک خطرناک آندھی گزر چکی تھی لیکن وہ ایک حقیقت پسند انسان کی طرح مستقبل کے اُفق پر نئی آندھی کے آثار دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میر نظام علی اور نانا فرنویس کی نکیل انگریز کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب چاہیں گے انھیں دوبارہ میسور کے خلاف میدان میں لے آئیں گے۔ اور وہ یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ میسور تنہا اپنے وسائل سے ایک لاانتہاہی عرصہ کے لیے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا اور انگریز مرہٹوں یا نظام کی طرح اسے بھی ایک بے بس طاقت ور حلیف کی ضرورت ہے جس کی دوستی پر اعتماد کیا جا سکے۔ انگریز اسے جنوبی ہند کے دفاعی حصار کا مرکزی ستون سمجھ کر اپنا دشمن نمبر ایک قرار دے چکے تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق بھی اسے کوئی غلط فہمی نہ تھی تاہم ہندوستان میں فرانس اور برطانیہ کے مفاد ایک دوسرے سے متصادم تھے اور سلطان آئندہ معرکوں میں انگریز کے خلاف فرانسیسیوں کے تعاون کے امکانات سے مایوس نہ تھا چنانچہ گزشتہ جنگ کے آخری ایام میں ہی وہ فرانسیسی حکومت کے ساتھ براہِ راست بات چیت کرنے کے لیے ایک سفارت پیرس روانہ کر چکا تھا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان ٹیپو کے لیے تعمیری اور اصلاحی کام کرنے کا پُر امن دور بہت مختصر تھا جب وہ مرہٹوں اور نظام کے ساتھ برسرِ پیکار تھا انگریزوں نے مالابار کے نائروں اور موپلوں کو بغاوت پر اکسا کر اس کے لیے ایک نیا محاذ کھولنے کی کوشش کی تھی ٹراونکور کا راجہ انگریزوں کا آلہ کار بن کر اُن باغیوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا لیکن انگریزوں کی توقع کے خلاف جنگ کے قبل از وقت ختم ہو جانے کے باعث یہ سازش نتیجہ ثابت نہ ہوئی اور میسور کی فوج کے چند دستوں نے کسی دِقت کا سامنا کیے بغیر باغیوں کو مغلوب کر لیا باغیوں کے کچھ رہنما گرفتار کر لیے گئے اور کچھ ٹراونکور بھاگ گئے۔

سلطان نے ٹراوکور کے راجہ کو باغیوں کو پناہ دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے سے منع کیا لیکن راجہ نے انگریزوں کی اعانت کے بھروسے پر میسور کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیاں پہلے سے زیادہ تیز کر دیں ٹراونکو کا راجہ انگریزوں کا حلیف تھا اور سلطان ٹیپو کے خلاف اس کی جارحیت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے ایسے سازگار حالات پیدا کر دیے جائیں کہ وہ مُعاہدہ منگلور کی خلاف ورزی کر کے سلطان کے خلاف ایک نئی جنگ کی ابتدا کر سکے۔



گزشتہ چند برس کے واقعات سے یہ تلخ حقیقت بار بار ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ ہم سلطان ٹیپو کی قوت مدافعت کا خاتمہ کیے بغیر ہندوستان میں پاؤں نہیں پھیلا سکتے حیدر علی اور ٹیپو کے ہاتھوں ہماری بدترین شکستیں اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ملک کا سب سے مضبوط قلعہ ہے اب نظام اور مرہٹوں کی متحدہ طاقت کو روندنے کے بعد ٹیپو کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں اس کے سفیر پیرس اور قسطنطنیہ پہنچ چکے ہیں نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کی سلطنتوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو ٹیپو کو ہندوستان کی آزادی کا محافظ خیال کرتے ہیں امریکہ کی نوآبادیات کھو بیٹھنے کے بعد ہم اس کے ملک کے وسیع علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے نقصانات پورے کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے لیے یہاں بھی ایک اور جارج واشنگٹن پیدا ہو جائے تو ہمیں سلطان ٹیپو کو زیادہ مہلت نہیں دینی چاہیے۔ اگر ہم اسے شکست نہ دے سکے تو ہندوستان میں ہم نے اب تک جو کچھ حاصل کیا ہے وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ یہاں ہمارے لیے تاجروں کی حیثیت میں بھی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ ٹیپو ہر میدان میں ہمارا حریف ہے۔ وہ صنعت و حرفت اور تجارت کی اہمیت جانتا ہے۔ ہندوستان کی منڈیوں میں میسور کی مصنوعات کی مانگ بڑھ رہی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سلطان ٹیپو کو چند برس امن سے کام کرنے کا موقع مل گیا تو میسور صنعت اور تجارت میں ہم سے آگے نکل جائے گا۔ اس وقت بھی یہ حالت ہے کہ یہاں کی بعض مصنوعات مثلاً کپڑا اور شیشے کے برتن یورپ کے بہترین کارخانوں کی مصنوعات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اب تک ہندوستان میں ہماری کامیابیوں کی بڑی وجہ ہماری بحری قوت تھی لیکن سلطان ٹیپو پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کی اس کمزوری کا صحیح احساس کیا

ہے۔ اس وقت میسور کی مختلف گودیوں میں ہزاروں آدمی تجارتی اور جنگی جہاز بنا نے میں مصروف ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ سلطان ٹیپو کو ایک نا قابل تسخیر بحری قوت کا ما لک بننے میں زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔ جہاز بنانے کے لیے جس لکڑی کی ضرورت ہے وہ میسور کے جنگلات میں بکثرت موجود ہے اور میسور کا محنت کش۔ طبقہ سلطان کے حکم پر جان دیتا ہے۔ میسور کے عوام کی خوشحالی اور ترقی نے ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے حوام کو سلطان کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور اگر ہم چند سال جنگ سے پہلو تہی کرتے رہے تو اس بات کے امکانات موجود ہیں کہ ہمیں سلطان ٹیپو کے جھنڈ ے تلے نہ صرف میسور بلکہ پورے ہندوستان کی قوت مدافعت کا سامنا کرے گا۔

ہمیں میسور کے حکمران کو وہ خلا پر کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیے جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے باعث پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے لیے اس وقت دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ امریکہ کی طرح ہندوستان سے بھی اپنے پاؤں نکال لیں اور دوسرا یہ کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر میسور پر چڑھائی کر دیں مجھے اس بات کا اعتاف ہے کہ ہم تنہا اپنی قوت سے سلطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم نظام اور مرہٹوں کو اس بات کا یقین دلا دیں کہ اس مرتبہ ہم پیچھے نہیں رہیں گے تو وہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ کمپنی جنگ کے اخراجات سے ڈرتی ہے لیکن میں کمپنی کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ صرف کالی کٹ، کتانور اور منگلور کی بندرگا ہوں کی قیمت ہمارے جنگ کے تمام اخراجات سے زیادہ ہوگی اور صرف مالابار سے گرم مسالے اور صندل اور ساگوان کی لکڑی کی تجارت پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے ہمیں اتنا نفع ہوگا کہ ہم امریکہ میں اپنے سابقہ نقصانات کے بھول جائینگے۔

نظام اور مرہٹوں کے ساتھ گزشتہ جنگ میں شدید نقصانات کے باعث

سلطان کی طاقت کافی کمزور ہو چکی ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ لوگ ٹیپو کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ لیکن ہماری دوستی اور اعانت سے مایوس ہونے کے بعد یقیناً سلطان ٹیپو کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں گے اور جب سلطان ٹیپو اُن کی طرف سے مطمئن ہو جائے گا تو ہمیں اس ملک سے نکالنے کے لیے اسے جنگ لڑنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس لیے ہمیں ہندوستان میں انگریزوں کے مستقبل سے آنکھیں بند کرنے کے لیے معاہدہ وارسیلز کا سہارا نہیں لینا چاہیے۔

یہ وہ دلائل تھے جن کی بدولت لارڈ کارنوالس ایسٹ انڈیا کمپنی اور حکومت برطانیہ کو اپنا ہم خیال بنانے کے بعد جنگ کی تیاریوں کی اجازت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ ۱۷۸۷ء کے اواخر میں پونا، ناگپور، گوالیار اور حیدر آباد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیروں کو لارڈ کارنوالس کی طرف سے یہ ہدایات موصول ہو چکی کہ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ نظام اور مرہٹہ حکمرانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ وفاعی اور جارخانہ معاہدے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔☆

نانا فرنویس اور رماد ھوجی بھونسلے کو لارڈ نوالس مے اپنے ذاتی خطوط میں یہ لکھ اتھا کہ اب اگر سلطان ٹیپو سے اپنی سابقہ شکستوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں تو وہ، آپ کے ساتھ ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی آپ کے ساتھ یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہے کہ وہ اپنے اتحادیوں سے بالا بالا ٹیپو کے ساتھ سلحکرنے کی کوشش نہیں کرے گی اور دریائے کرشن ااور تنگھدرہ کے درمیان مرہٹوں کے جوعلاقے معسور نے چھین لیے ہیں وہ انھیں واپس دلائے جائیں گے۔''

لارڈ کارنوالس نے دوسرے مرہٹہ راجوں کی طرح ہلکر کو ھی یہ پیغام بھیجا تھا کہ آپ اپنے ہندؤ دھرم کی لاج رکھنے کے لیے دوسرے مرہٹہ حکمرانون کا ساتھ

دیں اور پونا کی حکومت کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیں۔

لیکن ہلکر کا جواب بہت حوصلہ شکن تھا۔ اس نے نہ صرف سلطان کے خلاف کمپنی کا حلیف بننے سے انکار کر دیا' بلکہ شام اور مرہٹہ راجوں کو بھی ٹیپو کے خلاف محاذ بنانے سے روکنے کی کوشش کی اور اُن پر زور دیا کہ اگر انھیں ہندوستان کی آزادی عزیز ہے تو وہ انگریزوں کے بجائے سلطان ٹیپو کا ساتھ دیں اور جب پونا اور حیدرآباد کی حکومتوں اس کی نصیحت بے اثر ثابت ہُوئی تو اس نے یہ دھمکی دی کہ میں تمھاری بجائے سلطان ٹیپو کا ساتھ دُوں گا۔

انگریزوں کی طرح نانا فرنویس اور میر نظام علی خاں بھی سلطنتِ میسور کو اپنے اقدار کے لیے ایک بڑا خطرہ سمجھتے تھے لیکن گزشتہ جنگ میں انگریزوں کی علیحدگی کے باعث انھوں نے جو نقصانات اُٹھائے تھے ان کے پیشِ نظر وہ دوبارہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وعدوں پر اعتبار کر کے جنگ کی آگ میں کودنے سے ڈرتے تھے۔ اور پھر جب چند ماہ کی سرتوڑ کوششوں کے بعد پونا اور حیدرآباد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ ان کے خدشات دُور کر چکے تھے تو لارڈ کارنوالس ان کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے میں سخت الجھنوں کا سامنا کر رہا تھا میر انظام علی اور رنانا فرنولس دونوں جنگ میں اپنے اشتراک کی زیادہ قیمت وصول کرنے پر مصر تھیاور لارڈ کارنوالس کسی ایک فریق کو خوش کرنے کے لیے دوسرے فریق کی ناراضی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا فرنولیس نے اس سودا بازی میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے ایک طرف یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ اگر اس کے مطالبات نہ جانے گئے تو وہ انگریزوں کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہدہ کر لے گا اور دوسری

طرف انڈیا کمپنی کو یہ اطمینان دِلا لپ معاہدے کی جو شرائط مرہٹوں کے لیے قابل قبول ہوں گی وہ میر نظام علی کو بہر حال تسلیم کرنی پڑیں گی۔



میر نظام علی کے دربار میں معاہدے کی شرائط پر بحث ہو رہی تھی نظام کا ایک ہوشیار وزیر میر عالم جسے دکن میں انگریزوں کا سب سے بڑا طرف سمجھا جاتا تھا اسے یہ سمجھانے کے لیے اپنا پورا زور خطابت صرف کر چکا تھا کہ نانا فرنویس نے انگریزوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے میں دکن کے مفاد کا پورا خیال دکھا ہے وہ کہہ رہا تھا۔"عالیجاہ! اس جنگ میں ٹیپو کی شکست یقینی ہے انگریز اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس مرتبہ وہ زبردست تیاریوں کے ساتھ میدان میں آرہے ہیں اور لارڈ کارنوالیس نے جو افواج جمع کی ہیں وہ اس سے پہلے کبھی ہندوستان میں نہیں دیکھی گئیں مرہٹے ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں تنہا ہلکر کی کنارہ کشی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا ہمارے لیے اب صرف یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ ٹیپو کی شکست کے بعد میسور کے مال غنیمت میں ہمارا حصہ کیا ہو گا ہم جنگ سے الگ رہ کر مرہٹوں اور انگریزوں کی ناراضگی مول نہیں لے سکتے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم ٹیپو کے ساتھ شامل ہو جائیں اگر حضور کو اس معاہدے کی کسی شرط پر اعتراض ہے تو اس میں ردوبدل کیا جا سکتا ہے مسٹر کیناوے نے مجھے یہ اطمینان دلایا ہے کہ حضور کے دل میں اس معاہدے کی بابت کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو اسے دُور کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

میں حضور کی اطلاع کے لیے یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس جنگ میں ٹیپو کو صرف دین پونا اور انگریز کی افواج کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا بلکہ

جنگ شروع ہوتے ہی اس کے خلاف چاروں اطراف سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ کرناٹک کا محمد علی والا جاہ، کورگ، ٹراونکور کوچین کے ہندو راجے اور مالابار کے پالیگار لارڈ کارنوالس کا اشارہ پاتے ہی سلطان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر سلطان کی شکست کے آثار دیکھتے ہی میسور کی ہندو اکثریت وہاں کے سابق راجہ کے خاندان کو واپس لانے کی کوشش کرے گی اس کے علاوہ ہمیں یہ صورت نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم جنگ سے الگ رہیں تو بھی ٹیپو کی شکست یقینی ہے۔''

میر عالم کی تقریر کے بعد حاضرین دربار کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، بالآخر میر نظام علی کے محافظ دستوں کا سالار اور دکن کا ایک بہت بڑا جاگیر دار نواب شمس الامراء اُٹھا اور اس نے کہا۔ ''عالیجاہ! میر عالم گزشتہ جنگ میں بھی یہی کہتے تھے کہ ٹیپو کی شکست یقینی ہے اس لیے ہمیں مرہٹوں کا ساتھ ضرور دینا چاہیے۔ اور میں اس وقت بھی یہ کہتا تھا کہ ہمیں ایسے شخص کی ساتھ نہیں الجھنا چاہیے جسے ہم آسانی سے اپنا دوست بنا سکتے ہیں اور یہ حقیقت بار بار ثابت ہو چکی ہے کہ ہم نے جب بھی سلطان ٹیپو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے اس نے شرافت کا ثبوت دیا ہے لیکن اگر ہم اس اُمید پر اس جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں کہ سلطان ٹیپو کو آسانی سے شکست دی جا سکتی ہے تو بھی اس معاہدے میں چند باتیں ایسی ہیں جن پر ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

میرا پہلا اعتراض یہ ہے کہ ہم مرہٹوں کے اجیر نہیں اور نانا فرنویس کو ہماری طرف سے انگریزوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط طے کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔

میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ معاہدہ صرف ٹیپو کے خلاف ہے اس معاہدے میں ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہم میسور کے خلاف جنگ میں انگریزوں اور

مرہٹوں کا ساتھ دیں لیکن اس امر کی کوئی ضمانت نہیں دی گئی کہ اگر جنگ کے اختتام پر اس معاہدے کا کوئی فریق ہم پر حملہ کر دے تو دوسرا فریق ہماری مدد کرے گا۔ بالخصوص مرہٹوں کا سابقہ کردار ایسا نہیں کہ ان کے کسی وعدے پر اعتماد کیا جا سکے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اگر وہ میسور سے نپٹنے کے بعد ہم پر حملہ کر دیں تو انگریز ہماری کیا مدد کریں گے۔ میں ٹیپو کے طرف دار کی حیثیت سے نہیں بلکہ سلطنتِ دکن کے ایک بہی خواہ کی حیثیت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس معاہدے میں ہمارے تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟"

اس کے بعد ایک سوال اور ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میسور کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لیے ہماری فوج مرہٹوں کے برابر ہر گی تو پھر کیا وجہ ہے کہ مرہٹے مالِ غنیمت میں میسور کے ایک تہائی حصہ کے علاوہ پچاس لاکھ روپیہ زیادہ وصول کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آج انگریز اس معاہدے کی شرائط طے کرتے وقت مرہٹوں کو ایک ترجیحی سلوک کا حق دار سمجھتے ہیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جنگ کے اختتام پر وہ ہمیں کسی بہتر سلوک کا مستحق سمجھیں گے۔

نانا فرنویس کا سابقہ کردار ہماری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور ذاتی طور پر مجھے انگریزوں کے متعلق بھی کوئی خوش فہمی نہیں۔ عالیجاہ! آپ میرے اس اندیشے کو بے بنیاد نہ سمجھیں کہ اگر میسور کو تقسیم کرنے کے بعد انگریزوں اور مرہٹوں نے اپنی سلطنتوں کو مزید وسعت دینے کے لیے دکن پر حملہ کر دیا تو ہم ٹیپو سے بھی زیادہ بے بس ہوں گے۔ آج ہمارے لیے یہ موقع ہے کہ ہم سلطان ٹیپو کو اپنا ایک طاقت ور حلیف بنا سکیں۔ وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ایک آبرو مندانہ سمجھوتے کے لیے تیار ہے۔ میں جب جنوبی ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق سوچتا ہوں تو

مجھے اس کے سوا کوئی راستہ نظر نہیں آتا کہ ہم انگریزوں یا مرہٹوں کی بجائے سلطان ٹیپو کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی کوشش کریں۔ وہ خوشی سے ہمارے ساتھ ایک ایسا سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہوگا جس کی شرائط میسور اور دکن کے لیے یکساں تسلی بخش ہوں۔

عالیجاہ! آج دکن اور میسور کے اتحاد سے جنگ کے امکانات ختم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہم ایک مسلمان حکمران کا ساتھ نہیں دے سکتے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ ہم انگریزوں یا مرہٹوں کا ساتھ دے کر جنوبی ہندوستان میں اس جنگ کے دروازے کھول دیں۔ جو ہماری اپنی آزادی اور بقا کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے۔"

میر عالم نے کہا۔ "عالیجاہ! میں شمس الامراء کے خلوص اور نیک نیتی پر حملہ نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ٹیپو کے متعلق بہت زیادہ حسنِ ظن سے کام لے رہے ہیں۔ اگر ہم جنگ سے علیحدہ ہو جائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ٹیپو ہمارے خلاف انگریزوں یا مرہٹوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

نظام کا بھتیجا امتیاز الدولہ اچانک اُٹھ کھڑا ہو گیا اور اس نے انتہائی غصے کی حالت میں کہا۔ "عالی جاہ! کوئی دیانت دار آدمی سلطان ٹیپو کے متعلق اس قسم کے شبہات ظاہر نہیں کر سکتا۔ اگر وہ انگریزوں کے اتحاد کا روادار ہو سکتا تو یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت جنوبی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور میسور کے سوا کوئی تیسری طاقت بھی ہوتی۔ انگریز اسے صرف اس لیے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہندوستان کی عزت اور آزادی کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم میسور کے مستقبل سے آنکھیں بند کر سکتے ہیں لیکن اپنے مستقبل سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ عالیجاہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں سلطان ٹیپو کے ساتھ انتہائی آبرومندانہ شرائط طے کر

نے کا ذمہ لیتا ہوں۔

میر نظام علی نے کہا۔ ہم لارڈ کارنوالس اور رنانا فرنویس کے دوست ہیں نہ سلطان ٹیپو کے دشمن۔ ٹیپو بہر حال ایک مسلمان ہے اور اگر تم اس کے ساتھ کوئی آبرومندانہ معاہدہ کرسکتے ہوتو ہماری دُعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

امتیاز الدولہ نے کہا۔عالی جاہ! اگر اجازت ہوتو میں خود سرنگا پٹم جانے کے لیے تیار ہوں۔

نہیں ابھی تمہارا جانا ٹھیک نہیں۔

شمس الامرا نے کہا۔عالیجاہ تو مجھے اجازت دیجیے۔

نہیں، تمھارا یہ منصب نہیں کہ تم ایک ایلچی بن کر ٹیپو کے دربار میں جاؤ۔ ہم یہ مہم حافظ فرید ادین کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔یہ کہہ کر نظام اپنی مسند سے اٹھا اور عقب کے کمرے میں چلا گیا۔

اسی روز سہ پہر کے وقت محل کے ایک اور کمرے میں مشیر ائے اکلک اور میر عالم، نظام علی کے ساتھ باتیں کررہے تھے۔ میر نظام علی کہہ رہا تھا۔میر عالم تمھیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے،موجودہ حالات میں ہمارے لیے ٹیپو کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ضروری ہے۔

عالی جاہ! اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس بات میں دکن کا فائدہ ہے تو میرے لیے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

میر نظام علی مسکرایا۔ دکن کا فائدہ اس بات میں ہے کہ ہم انگریزوں اور مرہٹو ں کے ساتھ مساوی حیثیت میں معاہدہ کریں۔ مرہٹوں نے ٹیپو کے ساتھ تعاون کرنے کی دھمکی دے کر لارڈ کارنوالس کے سامنے اپنی قیمت بڑھائی ہے اور مجھے

اپنی پوری قیمت وصول کرسکیں گے۔ میشر الملک نے پریشان ہوکر کہا۔ تو عالیجاہ۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ٹیپو کے ساتھ معاہدہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔

تم بالکل نادان ہو۔ میر اعالم! کل صبح کلکتے روانہ ہوجاو اور لارد کارنوالس کو یہ سمجھاو کہ مُعاملہ بگڑ رہا ہے۔''

میر عالم نے کہا۔'' عالی جاہ! مجھے یقین ہے کہ لارڈ نوالس آپ کی تمام شرائط ماننے پر آمادہ ہو جائے گا۔ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کینا وے سے ملا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔وہ کہتا تھا کہ اگر حضور ٹیپو کے ساتھ مصالحت کا ارادہ تبدیل کردیں تو لارڈ کارنوالس آپ کے ساتھ ایک علیحدہ معاہدہ کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ کمپنی مال غنیمت سے مرہٹوں کو جو زائد رقم دینے کا وعدہ کرچکی ہے اُس کے بدلے حضور کو اپنے حصے سے ایک معقول رقم دینے کے لیے تیار ہو جائے۔''

نظام مسکرایا۔'' تم سفر کی تیاری کرو اور مجھے یقین ہے کہ جب تم کلکتہ جاو گے تو کارنوالس کو کیناوے سے کم پریشان نہیں پاوٴ گے''::

حافظ فریدین سرنگاپٹم سے نہایت حوصلہ افزا پیغام لے کر واپس آیا۔ سُلطان ٹیپو ایک مسلمان حکمران سے رواداری کا ثبوت دینے کے لیے نہ صرف میر نظام علی کے مفتوحہ علاقے واپس دینے پر آمادہ تھا بلکہ اس نے دکن اور میسور کے دوستانہ تعلقات مستحکم کرنے کے لیے میر نظام علی کی بیٹی اور اپنے بیٹے کے رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کی تھی۔ دکن کے اسلام پسند حلقے انتہائی مسرت کے ساتھ ان مصالحانہ کوششوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ شمس الامراء امتیاز الدولہ اور اُن کے ہم

خیال میر نظام علی پر زور ڈال رہے تھے کہ اُسے کسی تاخیر کے بغیر سلطان ٹیپو کے ساتھ ادوستانہ معاہدہ کرلینا چاہیے۔ دوسری طرف حیدرآباد میں پونا اور کمپنی کے سیفر نانا فرنویس اور لارڈ کارنوالس کی ہکایات کے مُطابق مصالحت کی اُن کوششوں کو ناکام بنانے کی ہرممکن کوشش کرر ہے

تھے۔ حیدرآباد میں ان ابنائے وقت کی کمی نہ تھی جو اپنا مستقبل انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ وابستہ کر چکے تھے۔ سرجان کیناوے سونے اور جواہرات سے اُن کے ضمیر خرید چکا تھا۔ اور ان کے ساتھ اس قسم کے وعدے کیے جا رہے تھے کہ جب میسور فتح ہوگا تو تمھیں وہاں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی خاندان کی بعض نگمیات سے ربطہ پیدا کر چکے تھے۔ چنانچہ رشوتوں نذرانوں اور تحفوں کے زہریلے اثرات میر نظام علی کے حرم تک پہنچ چکے تھے۔

''ٹیپو ہم سے برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ٹیپو نے نظام الملک اور اپنے خاندان کے درمیان رشتے کی تجویز پیش کر کے ماری توہین کی ہے۔ دکن کی شہزادیاں اس کے بیٹوں کے ساتھ زندگی گزارنے کیبجائے زہر کھا کر مرجانے کو ترجیح دیں گی۔'' اُونچے طبقے کی خواتین کے مُنھ سے اس قسم کی باتیں ایک عام آدمی کو بھی مشتول کر دینے کے لیے کافی تھیں۔ لیکن میر نظام علی اپنی تمام برائیوں کے باوجود ایک جذباتی انسان نہ تھا۔ سیاست اس کیلیے ایک شطرنج کا کھیل تھا۔ اور وہ کسی مُہرے پر ہاتھ رکھنے سے پہلے سو بار سوچنے کا عادی تھا، ٹیپو کے ساتھں کے سابقہ اختلافات کسی جذباتی ہیجان کا نتیجہ نہ تھے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دینا بہتر سمجھتا تھا۔ اگر وہ ٹیپو کے ساتھ ناطہ جوڑنے میں اپنا مفاد دیکھتا تو اُسے تمام دنیا کے طعنوں کی پروا نہ ہوتی۔ لیکن وہ سُلطان ٹیپو کا

دوست بن کر اپنے چند کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کی بجائے انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دے کر میسور کی سلطنت کا تیسرا حصہ حاصل کرنا اپنے لیے زیادہ سُود مند سمجھتا تھا۔ سطان ٹیپو کے ساتھ دوستانہ بات چیت اس کے نزدیک لارڈ جارنواکس اورنانا فریوس کی نظروں میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے ایک کامیاب چال تھی۔ ورنہ وہ ابتدا سے ہی انگریزوں اور مرہٹوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ تاہم سطان ٹیپو کو دوٹوک جواب دینے کی بجاے وہ کلکتہ میں لارڈ کارنوالس کے ساتھ میر عام کی بات چیت کا نتیجہ ظاہر ہونے تک سلطان کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے چندون غور وفکر کے بعد حافظ فرید الدین کو معاعدے کے لیے جوابی تجاویز دے کر سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ میر نظام کے اس اقدام پر حیدر آباد میں سلطان ٹیپو کے حامی جس قدر خوش تھے اسی قدر انگرویزں اور مرہٹوں کے حامی پریشان اور مغموم تھے۔



ایک صبح سپہ سالار بُرہان الدین اپنے دفتر میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا انور علی کمرے میں داخل ہوا اور سلام کرنے کے بعد اُس کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

کیا بات ہے؟ برہان الدین نے سوال کیا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ نظام کا سفیر کل واپس جا رہا ہے اور سلطان معظم صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے علی رضا خاں اور قطب الدین کو اس کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔"

بُرہان الدین نے بے پروائی سے جواب دیا "ہاں۔ لیکن ان باتوں کے ساتھ تمھارا کیا تعلق ہے؟"

جناب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ وفد کے ساتھ فوج کے جو آدمی بھیجنا چاہتے ہیں ان میں میرے بھائی کا نام بھی شامل کر دیں۔''

لیکن میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا میں جانتا ہوں کہ تمھارا بھائی ایک ہونہار سپاہی لیکن اس کام کے لیے سلطان معظم غالباً کسی تجربہ کار اور عمر رسیدہ افسر کو منتخب کر یں گے۔''

جناب ایسے معاملات میں کبھی کبھی ذاتی تعلقات بہت کام دیتے ہیں اور مراد علی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ امتیاز الدولہ کو جانتا ہے اور دکن اور میسور میں مصالحت کے متعلق ان کے درمیان کافی باتیں ہو چکی ہیں۔''

برہان الدین نے قدرے متعجب ہو کر کہا کون امتیاز الدولہ نظام کا بھتیجا ج؟''

جی ہاں شاید آپ کو اس بات پر تعجب ہو لیکن مراد کا یہ دعوی ہے کہ وہ اس کا دوست ہے۔

وہ امتیاز الدولہ سے کب ملا تھا؟''

جناب جنگ سے پہلے ابا جان کے ایک عزیز دوست کی صاحبزادی کی شادی ادھونی کے ایک با اثر خاندان میں ہوئی تھی اور مراد وہاں گیا تھا برات کے ساتھ ادھونی اور حیدر آباد کے بڑے بڑے اُمرا کے علاوہ امتیاز الدولہ بھی آئے ہوئے تھے وہاں ایک مجلس میں سلطان معظم کے متعلق بحث ہو رہی تھی اور ،رُد نے کچھ ایسی باتیں کہی تھیں جن سے امتیاز الدولہ بہت متاثر ہوئے تھے۔مُراد علی کہتا ہے کہ سُلطان کے متعلق امتیاز الدولہ کے خیالات بہت اچھے ہیں اور اگر اُسے حیدر آباد جانے کا موقع دیا جائے تو وہ اس مہم میں اس کا پورا تعاون حاصل کر سکے گا۔''

بُرہان الدین مُسکرایا۔"امتیاز الدولہ' تعاوہ ہمیں پالے ہی حاصل ہے لیکن

تمھارا بھائی اگ وہاں جا کر کوئی مفید کام کر سکتا ہے تو میں سلطانِ معظم کی خدمت میں اس کا نام پیش کرنے کے لیے تیار ہوں ذاتی طور پر مجھے نجام علی سے کسی بلائی کی تو قع نہیں ۔ لیکن اگر تمھارہ بھائی امتیاز الدولہ کا تعاون حاصل کر سکے تو ہمارے لیے اس کے صحیح خیالات معلوم کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔"

تیسرے دن سُلطان کے سفیر میر نجام علی کے لیے بیش قیمت تحائف لے کر روزنہ ہو چکے تھے اور مراد علی ان کے محافظ سپاہیوں کے سالار کی حیثیت میں اُن کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

گیارھواں باب

حیدر آباد کے ایک عالی شان مکان کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں تنویر اور ہاشم بیگ بیٹھے ہوئے تھے۔تنویر کی گود میں چند ماہ کا بچہ کھیل رہا تھا۔دوپہر کا وقت تھا اور ا ہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اخادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔"جناب ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

کون ہے وہ؟

جنا مجھے معلوم نہیں نوکر نے اُسے دیوان خانے میں بیٹھا دیا ہے۔

ہاشم بیگ نے کہا۔ تم ہر اجنبی کو مہمان سمجھ لیتے ہو!

جناب اس کے لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی معزز آدمی ہے۔

ہاشم بیگ کمرے میں داخل ہوا اور ایک خوش وضع نوجوان کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک ثانیہ کے لی ہاشم بیگکو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔اور پھر اُسنے آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔مراد علی آپ یہاں کیسے پہنچ گئے؟

میں میسور کی سفارت کے ساتھ آیا ہوں اور چار دن س یہاہوں ۔ چچا اکبر خاں کے خط سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان دنوں حیدر آباد میں ہیں۔ مین یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے شیخ فخر الدین کا مکان تلاش کیا تھا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ حج پر چلے گئے ہیں۔

ہاشم نے کہا۔اپ کو سیدھا میرے پاس آنا چاہیے تھا۔

میں ایک سپاہی کی حیثیت سے سلطان ک سفیروں کے ساتھ آیا ہوں اور میرا اُن کے ساتھ رہنا ضروری تھا۔آپ کے ابا جان کہاں ہیں؟

وہ واپس ادھونی چلے گئے تھے۔ لیکن میں حیدر آباد آتے ہی نظام کی محافظ

فوج میں شامل ہو گیا تھا اور مجھے واپس جانے کی اجازت نہیں ملی۔‘‘

’’اور بہن تنویر کہاں ہیں؟‘‘

وہ یہیں ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ابھی تھوڑی پہلے تنویر آپ تنویر آپ کے متعلق باتیں کر رہی تھی۔‘‘

مراد علی نے کہا۔’’ چند ہفتے قبل یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میں حیدر آباد آؤں گا اور یہاں آپ سے ملاقات ہو گی۔‘‘

’’تنویر آپ کو بہت یاد کر دتی تھی۔ آیئے وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔‘‘

مُراد علی اس کے ساتھ چل دیا۔

راستے میں میں ہاشم بیگ نے کہا۔’’اگر آپ دو مہینے پہلے آتے تو شہباز کے ساتھ آپ کی ملاقات ہو جاتی۔‘‘

’’وہ یہاں آئے تھے؟‘‘

’’میں خود جا کر علاج کے لیے یہاں لایا تھا۔لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔وہ ہمیشہ کے لیے اپنی بیائی کھو چکا ہے۔‘‘

مراد علی نے باقی راستہ کوئی بات نہ کی۔تنویر کے کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر ہاشم بیگ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور خود مُسکراتا ہُوا اندر داخل ہُوا۔

’’تنویر!‘‘ اس نے کہا۔’’تمھارا بھائی آیا ہے!‘‘

’’میرا بھائی!‘‘ نوکر کتنا بدتمیز ہے انھیں سیدھا اُوپر کیوں نہیں لایا۔‘‘

تنویر یہ کہا کر اُٹھی اور بچے کو ہاشم بیگ کے حوالے کر کے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی۔ مراد علی نے ’’السلام علیکم‘‘ کہہ کر آنکھیں جُھکا لیں اور وہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔

ہاشم نے کمرے سے باہر نکل کر بچے کو مراد علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔'' اور یہ آپ کا بھانجا ہے۔''

مراد علی نے پیار سے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔''اس کا نام کیا ہے؟''

''اس کا نام نصرت بیگ ہے۔'' ہاشم نے جواب دیا۔''چلیے اندر بیٹھیں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کے اندر بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔شہباز ان کی گفتگو کا موضوع تھا اور مراد علی تنویر کو تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔''بہن یہ مقدر کی بات ہے۔اب صبر اور حوصلے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔شہباز کو آپ کے آنسوؤں سے زیادہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

تنویر نے کہا۔''بھائی جان آپ کو معلوم نہیں کہ ہم کس عذاب میں مبتلا ہیں۔ابا جان اُس دن سے ہمارے ساتھ بات نہیں کرتے۔امی جان کے لیے بھی یہ صدمہ نا قابلِ برداشت ہے۔وہ اکثر بیمار رہتی ہیں۔ابا جان کی صحت بھی خراب ہو گئی ہے۔ایک دن وہ بھائی جان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں سیر کے لیے باہر لے جا رہے تھے۔ اور میں نے پہلی بار اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ابا جان میرے ساتھ بات نہیں کرتے۔لیکن ان کی خاموش نگاہیں ہمیشہ مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں چاہتی تو بھائی جان کو فوج میں شامل ہونے سے روک سکتی تھی۔کاش میں انہیں اپنی آنکھیں دے سکتی۔''

مراد علی نے مغموم لہجے میں سوال کیا۔''ثمینہ کیسی ہے؟''

''ثمینہ کا حوصلہ قابلِ داد ہے آج تک اُسے کسی نے آنسو بہاتے نہیں دیکھا۔ وہ سب کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ہے۔ابا جان اُسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا

سہارا سمجھتے ہیں۔ اور بھائی جان یہ کہا کرتے ہیں کہ ثمینہ میری آنکھوں کی روشنی ہے۔"

کم سن بچہ جو اَب تک خاموشی سے مراد علی کی گود میں پڑا ہُوا تھا، اچانک بلکنے لگا۔ ہاشم بیگ نے جلدی سے آسے اٹھالیا اور خادمہ کو آواز دی۔ خادمہ کمرے میں کمرے میں داخل ہُوئی اور بچے کو اٹھا کر باہر لے گئی۔

"ہاشم نے کہا۔" مراد علی مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہماری پہلی ملاقات زیادہ خوشگوار نہ تھی۔ اس وقت میرے خیالات کچھ اور تھے لیکن بعد کے حالات نے بہت سی باتوں میں مجھے آپ کا ہم خیال بنا دیا ہے۔ اب ابّا جان بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی بقا کے لیے نظام الملک اور سلطان ٹیپو کا اتحاد ضروری ہے۔ ہم انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب نظام الملک اور سلطان ٹیپو ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

"سلطان ٹیپو ہمیشہ اس اتحاد کے خواہاں رہے ہیں۔ اور یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ وہ نظام الملک کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔"

"مجھے یقین ہے کہ اِس مرتبہ مصالحت کی کوششیں بے نتیجہ ثابت نہیں ہوں گی حیدر آباد کے اُمرا کا ایک بااثر گروہ انگریزوں یا مرہٹوں کی بجائے سُلطان ٹیپو کا طرف دار بن چکا ہے شمس الامراء اور امتیاز الدولہ تو پورے شدومد کے ساتھ دکن اور میسور کے اتحاد کی حمایت کر رہے ہیں اور اس نیک کام میں دکن کے ہر راست باز مسلمان کی دُعائیں اُن کے ساتھ ہین۔"

مراد علی نے کہا میں یہاں پہنچنے یہ امتیاز الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مجھے

ڈر ہے کہ وہ بڑے آدمی ہیں اور اتنی مدت کے بعد شاید مجھے نہ پہچان سکیں لیکن انھوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا میں ان کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ شمس الامراء بھی آگئے مجھے اندیشہ تھا کہ میں نے اگر بے تکلیف ہو کر کوئی بات کی تو شاید وہ بُرا مانیں لیکن پانچ منٹ کے بعد میں یہ مسوس کر رہا تھا کہ ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں وہ دونوں صحیح الخیال مسلمان ہیں اور اگر جنوبی ہند کے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے مقدر میں انگریزون کی غلامی نہیں تو ہمیں صدق دِل سے ان کی مصاحانہ کوکوششوں کی کامیابی کے لیے دعا کرنی چاہیے۔''

ہاشم بیگ نے کہا دکن کے افراد میں سے صرف شمس الامراء ایک ایسے آدمی ہیں جو بے خوف ہو کر نظام الملک کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکتے ہیں اور نظام الملک نے ان کے اصرار پر ہی حافظ الدین کو سلطان کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔''

مُراد علی نے کہا میں یہاں کے حالات سے زیادہ واقف نہیں ہوں شمس الامراء اور امتیاز الدولہ کی باتیں میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھیں لیکن اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ نظام کے دربار میں ایک با اثر گروہ انگریزوں اور مرہٹوں کا طرف دار ہے کاش ہم لوگ یہ جان سکتے کہ اس وقت کلکتہ میں میر اور لارڈ کارنوالس کے درمیان کیا باتیں ہو رہی ہیں اور نظام نے کس مقصد سے اُسے وہاں بھیجا ہے!''

ہاشم بیگ مسکرایا میرے دوست تمھیں میر عالم کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے اب حیدر آباد کے کئی با اثر اُمراء مصالحت کے حق میں ہیں اور میر عالم نے اگر اس نیک کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی بھی تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

ہاشم بیگ مسکرایا۔''میرے دوست تمھیں میر عالم کے متعلق پریشانی نہیں ہونا

چاہیے۔اب حیدر آباد کے کئی با اثر اُمرا مصالحت کے حق میں ہیں اور میر عالم نے اگر اس نیک کام میں اکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی بھی تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

مُرادعلی نے کہا۔''اگر یہ رکاوٹ صرف میر عالم کی طرف سے ہو تو میرے لیے فکرمند ہونے کی کوئی بات نہیں۔لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میر نظام علی حسبِ عادت اس مرتبہ بھی دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی کوشش نہ کرے۔خدا کرے کہ میرا یہ اندیشہ غلط ہو۔کل ہمارے سفیر شام الملک سے ملاقات کر رہے ہیں اور ہم جس قدر دکن کی حکومت کے ساتھ دفاعی مُعاہدے کے لیے بے قرار ہیں اسی قدر یہ معلوم کرنے کے لیے بے قرار ہیں ہ میسور کے متعلق میر نظام علی کے صحیح عزائم کیا ہیں۔ مَیں آپ کو یقین دلاتا ہُوں کہ ہمیں نظام کی نیت کا صحیح اندازہ لگاتے میں دیر نہیں لگے گی۔اب مجھے اجازت دیجیے۔میں یہاں اپنے قیام کے دوران میں کبھی کبھی آپ سے ملتا رہوں گا۔''

تنویر نے کہا۔'' بھائی جان یہ بات غلط ہے۔آپ کو ہمارے پاس رہنا چاہیے!''

''اگر میں آزاد ہوتا تو یقیناً یہیں ٹھہرتا۔لیکن میرے ذمے چند فرائض ہیں 'آپ اس مہم مین ہماری کامیابی کی دعا کیجیے۔اس کے بعد یں بن بُلائے یہاں چلا آؤں گا اور اگر آپ اصرار کریں گی تو پُورا مہینہ یہاں قیام کروں گا۔' مُرادعلی یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

ہاشم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔''بہت اچھا بھائی میں اصرار نہیں کرتا۔لیکن کل شام ہمارے ہاں آپ کی دعوت ہے۔ میرے دوست آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔نواب شمس الامراء ہمارے سالارِ اعلیٰ ہیں اور میں انہیں بھی بلانے کی کوشش

کروں گا۔"

مراد علی نے کہا۔"ابھی چند دن دعوت کا انتظام نہ کیجیے۔ میں بہت مصروف ہوں۔لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ موقع ملتے ہی یہاں حاضری دینے کی کوشش کیا کروں گا۔ممکن ہے کہ کسی دن میں کھانے کے وقت بھی آسکوں۔اب مجھے اجازت دیجیے۔"

یہ کہہ کر مراد علی نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔لیکن ہاشم بیگ نے کہا۔" نہیں میں دروازے تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

☆

ایک دن تیسرے پہر شمس الامراء کی پالکی نظام کے دروازے پر رکی اور وہ پالکی سے اُتر کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔بخار کے باعث اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔محل کے پہریداروں نے اسے سلامی دی اور ایک نوجوان افسر نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"جناب آپ کو آرام کرنا چاہیے تھا۔"

شمس الامراء نے اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم حضورِ نظام کو اطلاع کردو کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

عالیجاہ! میں آپ کا پیغام اندر پہنچا دیتا ہوں۔لیکن اس وقت مشیر الملک اور میر عالم حاضرِ خدمت ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں اسی لیے آیا ہوں۔ تم اطلاع بھیج دو۔"

پہریداروں کا افسر سلام کرکے اندر چلا گیا۔شمس الامراء لڑکھڑاتا ہوا ڈیوڑھی سے آگے ایک کمرے میں داخل ہوا اور نڈھال سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند منٹ بعد نوجوان افسر واپس آ گیا اور اس نے کہا۔ ’’میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ اور میں نے یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ آپ کی طبیعت نا ساز ہے۔‘‘

تھوڑی دیر بعد ایک سپاہی آیا اور اُس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد کہا۔

’’عالیجاہ! تشریف لائیے۔‘‘

شمس الامراء اُٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ راستے میں جگہ جگہ پہرے دار کھڑے تھے اور شمس الامراء ہاتھ کے اشارے سے ان کے سلام کا جواب دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسری ڈیوڑھی پر محل کے داروغہ نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور رسمی مزاج پرسی کے بعد اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ سنگِ مرمر کی پٹڑی پر ایک خوب صورت باغ میں سے گزرنے کے بعد ایک کشادہ برآمدے میں داخل ہوئے۔ داروغہ نے ہاتھ سے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا اور شمس الامراء کسی توقف کے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ میر نظام علی ایک سنہری کرسی پر جلوہ افروز تھا۔ اور مشیر الملک اور میر عالم اس کے سامنے مودب کھڑے تھے۔ شمس الامراء کورنش بجالانے کے بعد آگے بڑھا۔

نظام علی ذرا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کہا۔ ’’تمہیں اس حالت میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے۔‘‘

شمس الامراء نے کہا۔ ’’عالیجاہ! اس بے جا مداخلے کے لیے میری معذرت قبول فرمائیے۔ اگر بارِ خاطر نہ ہو تو میں تخلیہ میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

میر نظام علی نے مشیر الملک اور میر عالم کی طرف دیکھا اور پھر شمس الامراء کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ’’یہاں انگریزوں یا مرہٹوں کا کوئی آدمی نہیں۔ تم مشیر الملک اور میر عالم کے سامنے بے تکلفی سے بات کر سکتے ہو۔

’’عالیجاہ! مجھے اندیشہ ہے کہ میری باتیں انہیں ناگوار محسوس ہوں گی۔ بہر حال میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ ٹیپو کے وکیل آپ سے ملاقات کر چکے ہیں اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ حضور نے ان کے ساتھ کوئی حوصلہ افزا بات نہیں کی اور وہ بہت مایوس ہیں۔‘‘

’’ان کے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابھی تو ہماری گفتگو کی ابتداء ہوئی ہے اور ایسے مسائل ایک دن کے اندر طے نہیں ہو جاتے۔‘‘

’’لیکن عالیجاہ! میرا خیال تھا کہ سلطان نے آپ کے تمام مطالبات مان لیے ہیں ہمیں ایک نیک کام میں بلاوجہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔‘‘

’’لیکن تمہیں یہ خوشخبری دینا چاہتا ہوں کہ لارڈ کارنوالس نے بھی ہمارے تمام مطالبات مان لیے ہیں۔ میر عالم کلکتہ سے جو پیغام لایا ہے وہ بہت حوصلہ افزا ہے مجھے افسوس ہے اب تک تمہارے ساتھ اس کی ملاقات نہیں ہوئی ورنہ ایسی حالت میں تمہیں یہاں آنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ تمہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر میسور سے نپٹنے کے بعد مرہٹوں نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی تو ہمیں ایک خطرناک صورتِ حال کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اب تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ میر عالم کارنوالس کے ساتھ ایسی شرائط طے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جن کے بعد یہ خدشہ باقی نہیں رہا۔ کہ اگر مرہٹوں نے کسی جارحیت کا ثبوت دیا تو کمپنی ہماری مدد نہ کرے گی۔‘‘

چند ثانیے شمس الامراء کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ’’عالیجاہ! میں نے اپنی زندگی کے بہتری ایام آپ کے خاندان کی خدمت میں گزارے ہیں۔ میں آپ کا نمک خوار ہوں اور میں اتنا حق ضرور رکھتا ہوں کہ آپ کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔ ہو سکتا ہے اس وقت میری

باتیں آپ کو انتہائی ناگوار معلوم ہوں۔ لیکن وقت یہ ثابت کر دے گا کہ میرے خدشات غلط نہ تھے۔ میں حضور کے سامنے میر عالم اور مشیر الملک سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ٹیپو کے ساتھ انگریزوں اور مرہٹوں کی دشمنی کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس کی غیرت، اس کی ہمت، اس کی شجاعت اور اسکے جذبہ حریت کو اپنے راستے کا سب سے بڑا پتھر سمجھتے ہیں۔ اور اسکی نگاہیں کارنوالس اور فرنولیس کی آستینوں میں چھپے ہوئے خنجر دیکھ چکی ہیں۔ اُسے دھوکا دیا جا سکتا ہے نہ خریدا جا سکتا ہے؟"

"عالیجاہ! ٹیپو کے ساتھ انگریزوں اور مرہٹوں کی دشمنی کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ وہ ایک ایسا حکمران ہے جس نے میسور میں اسلام کا بول بالا کیا ہے۔ وہ دلی کی عظیم سلطنت کے زوال کے بعد اس ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی آخری امید ہے۔ وہ پورے ہندوستان کی آزادی کی روح ہے اور جب یہ روح نکل جائے گی تو یہ ملک ایک لاش ہو گا جسے انگریز بھوکے گدھوں کی طرح نوچ رہے ہوں گے۔ ان گدھوں کی اشتہا بڑھتی جائے گی۔ آج میسور کی باری ہے اور کل شاید ہماری یا مرہٹوں کی باری آ جائے گی۔ اور جب ایسا وقت آئے گا تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ اس ملک کی عزت اور آزادی کے وہ دشمن جنہیں ہم اپنے کندھوں پر اٹھا کر کلکتہ اور مدراس سے سرنگاپٹم لے آئے ہیں۔ اب وہ دلی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور پونا اور حیدر آباد اُن کے راستے کی منزلیں ہیں۔

انگریزی استبداد کا عفریت مرشد آباد سے اودھ پہنچ چکا ہے اور جنوبی ہندوستان میں صرف میسور کی سلطنت ایک ایسی دیوار ہے جو گزشتہ تیس برس سے اس سیلاب کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ جب سلطان

ٹیپو کا پرچم سرنگوں ہو جائے گا تو ہندوستان کے باقی حکمرانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا کہ وہ کرناٹک کے محمد علی والا جاہ کی طرح انگریزوں کے بے بس دعا گو بن کر رہیں۔ ان کی سنگینوں کے سائے میں اپنے دربار لگائیں اور اپنی بے بس رعایا کا خون چوس کر ان کا پیٹ بھریں۔"

میر عالم اور مشیر الملک نے سراپا احتجاج بن کر میر نظام علی کی طرف دیکھا اور اس نے تلملا کر کہا۔ "تمہیں معلوم نہیں کہ تم کہاں کھڑے ہو اور کیا کہہ رہے ہو۔ ہمیں تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔"

میر عالم نے کہا۔ "عالی جاہ! ٹیپو کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اس کی سیاست کے زہریلے اثرات حضور کے دربار تک پہنچ چکے ہیں۔"

مشیر الملک نے کہا۔ "اس کے وکیل ہمارے بازاروں سے گزرتے ہیں تو لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہماری مساجد میں اس کے لیے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ عوام اس قدر بے باک ہو گئے ہیں کہ وہ حضور پر نکتہ چینی سے بھی دریغ نہیں کرتے اور ہمیں انگریزوں کی کاسہ لیسی کا طعنہ دیتے ہیں۔"

میر عالم نے کہا۔ "عالیجاہ! یہاں پہنچتے ہی سر جان کیناوے اور پونا کے سفیر نے مجھ سے احتجاج کیا تھا کہ ٹیپو کے وکیلوں نے حیدر آباد میں سازشوں کا جال پھیلا رکھا ہے اور ان کے اشاروں پر یہاں کے عوام لارڈ کارنوالس اور نانا فرنویس کو برملا گالیاں دیتے ہیں۔"

شمس الامراء چلایا۔ "میر عالم ابھی تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ ابھی تم نے کچھ نہیں سنا۔ ٹیپو کے ساتھ عداوت نے تمہاری آنکھوں اور تمہارے کانوں پر پردے ڈال دیے ہیں۔ لیکن اگر نظام الملک نے تمہارے پیچھے چلنے کی غلطی کی تو ایک دن ایسا

آئے گا جب تمہارے اپنے بیٹے اور بیٹیاں سلطان ٹیپو کے لیے آنسو بہائیں گے۔ جب حیدر آباد کی آئندہ نسلیں چلا چلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے بزرگوں نے جن تلواروں سے شیرِ میسور کو مجروح کیا تھا وہ اب ہماری اپنی شہ رگ تک پہنچ چکی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جس قوم کے اکابر خودکشی پر آمادہ ہو چکے ہوں اُسے تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

شمس الامراء یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ ہمت جو اسے شدید بخار کی حالت میں یہاں لے آئی تھی۔ اب جواب دے چکی تھی۔ چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظام الملک کی طرف دیکھنے کے بعد اُس نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

''عالیجاہ! مجھے معلوم نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ مجھے اجازت دیجیے۔''

وہ کورنش بجالانے کے لیے جھکا لیکن دروازے کی طرف تین چار قدم اٹھانے کے بعد اچانک منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ میر نظام علی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہو گیا اور میر عالم اور مشیر الملک نے بھاگ کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا اور اس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد چند سپاہی اسے پلنگ پر ڈال کر محل سے باہر لے جا رہے تھے۔

دو دن بعد سر جان کیناوے، لارڈ کارنوالس کو یہ خط لکھ رہا تھا کہ آج نظام الملک کی محافظ فوج کا سالارِ اعلیٰ اور حیدر آباد کا ایک بہت با اثر جاگیردار جو ہمارا بدترین دشمن اور دکن اور میسور کے اتحاد کا سب سے بڑا حامی تھا، وفات پا چکا ہے۔

شمس الامراء کے جنازے کے ساتھ حیدر آباد کے عوام کا ایک بے پناہ ہجوم تھا اور شہر کے عوام کی طرح میسور کی سفارت کے ارکان بھی باری باری اس کے

جنازے کو کندھا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب اس کی لاش لحد میں اُتاری جا رہی تھی تو مراد علی نے امتیاز الدولہ کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُمڈ آئے۔

امتیاز الدولہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے دوست! میرا بازو ٹوٹ چکا ہے۔ ہم اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکتے۔ شمس الامراء کی موت میرے نزدیک ان اُمیدوں اور آرزوؤں کی موت ہے جو ہم نے دکن اور میسور کے اتحاد کے ساتھ وابستہ کی تھیں۔''

''لیکن میں مایوس نہیں ہوں۔'' مراد علی نے قدرے ہمت سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم سلطان ٹیپو کے سپاہی ہو۔ مایوسی صرف ان کے لیے ہے جنہیں راستہ دکھانے والا کوئی نہ ہو۔''

شمس الامراء کی موت کے بعد بھی میسور کے سفراء کے ساتھ میر نظام علی کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن ان ملاقاتوں کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط کو اپنے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ قریباً دو ماہ بعد اپنے اتحادیوں سے پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد میر نظام علی نے سلطان ٹیپو کے سفیروں کو رخصت کر دیا۔

حیدر آباد چھوڑنے سے تھوڑی دیر قبل مراد علی، ہاشم بیگ کے گھر گیا۔ ہاشم اور اس کی بیوی مصالحت کی گفتگو کی ناکامی پر بہت پریشان تھے۔ مراد علی نے اُن کے ساتھ چند منٹ باتیں کرنے کے بعد رخصت لی۔ ہاشم بیگ گھر سے کچھ فاصلے تک اس کا ساتھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن مراد علی ڈیوڑھی پر پہنچ کر رک گیا۔ اور اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ یہیں رہیں۔''

ہاشم بیگ نے اُس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مراد آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے اب بھی یقین ہے کہ دکن اور میسور کی بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ اور ہمارے درمیان آگ اور خون کے دریا حائل نہیں ہوں گے۔ ہم ایک دوسرے پر گولی چلانے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔''

مراد علی نے ایک کرب انگیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا اور اسکے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شاہی مہمان خانے میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں اس کے ساتھی سفر کے لیے تیار کھڑے تھے۔

☆

سلطان کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہندوستان کی تین عظیم طاقتیں متحد ہو چکی تھیں۔ انگریزی سیاست کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے نظام اور مرہٹوں کو جنوبی ہندوستان کی وہ آخری دیوار مسمار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ جو برسوں سے اجنبی اقتدار کے سیلاب کو روکے ہوئے تھی۔ جنگ ناگزیر ہو چکی تھی۔ شیرِ میسور پھر ایک بار اَن گنت بھیڑیوں، گیدڑوں اور گدھوں کے درمیان کھڑا تھا۔

باہر سے اُسے کسی اعانت کی اُمید نہ تھی۔ اس نے مغرب کی جارحیت کے خلاف عالمِ اسلام کو متحد کرنے کے لیے قسطنطنیہ میں سلطانِ ترکی کے پاس جو ایلچی بھیجے تھے وہ مایوس ہو کر واپس آ گئے تھے۔ دولتِ عثمانیہ اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ روس کی ملکہ کیتھرین ثانی اور آسٹریا کے شہنشاہ جوزف ثانی ترکی کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔ اور اُن کی طرف سے اس امر کا اعلان ہو چکا تھا۔

کہ وہ عثمانی سلطنت کے مغربی ممالک پر قبضہ کے تخت پر کیتھرین کے پوتے قسطنطین کو بٹھائیں گے۔

یورپ میں طاقت کا توازن قائم رکھنے کے لیے برطانیہ کا وزیر اعظم پٹ بیگر فریقین میں صلح کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان حالات میں عثمانی حکومت انگریزوں کی مرجی کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ کوئی معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔سلطان ترکی کے ساتھ ٹیپو کے سفیروں کی ملاقات سے پہلے ہی قسطنطنیہ کے برطانوی سفیر رابرٹ اینسلی کو یہ ہدایات موصول ہو چکی تھیں کہ ترکی اور میسور کی حکومتوں کے درمیان معاہدہ کی بات چیت کو ناکام بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ چنانچہ برطانوی سفیر کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ترکی خلیفہ سلطان ٹیپو کو سلطان کے لقب، چند تحائف اور نیک دعاؤں کے سوا کچھ نہ دے سکا۔

سلطان نیت جو سفارت فرانس روانہ کی تھی اُس کی کارگزری بھی حوصلہ شکن تھی۔تولون کی بندرگاہ پر فرانس کی حکومت اور فرانس کے عوام نے سلطان کے سفیروں کا شاندار خیر مقدم کیا تھا۔اس کے بعد پیرس تک راستے کے ہر شہر میں فرانس کے عوام اور حکومت نے نمائندے ان کا پر جوش استقبال کر رہے تھے۔ان کے سفر کے لیے چھ گھوڑوں کی بگھی اور سواروں کا ایک حفاظتی دستہ مہیا کیا گیا تھا۔راستے کے ہر بڑے شہر میں ان کے لیے آتش بازی کی نمائش کی جاتی تھی۔لوگ کئی کئی میل سے انہیں دیکھنے کے لیے آتے تھے۔پیرس میں شاہ لوئس نے انتہائی گرمجوشی سے اُن کا خیر مقدم کیا۔لیکن جب دونوں سلطنتوں کے درمیان معاہدے کی بات چیت کی نوبت آئی تو اس نے یہ جواب دیا۔کہ معاہدہ وارسیلز کی خلاف ورزی کر کے انگریزوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔

پیرس میں سلطان کی سفارت کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن دنوں فرانس خود انتہائی مخدوش حالات کا سامنا کر رہا تھا۔ حکومت کے ظلم و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کے باعث عوام کا پیانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اور شہنشاہیت کے خلاف انقلابی طاقتیں حرکت میں آچکی تھی۔ حکومت کے بعض بااثر ارکان انگریزوں کے خلاف سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہد کرنے کے حق میں تھے۔ لیکن اکثر ملک کی اقتصادی بد حالی کے پیشِ نظر انگریزوں کے ساتھ جنگ کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ شاہِ فرانس کو یہ مشورہ دے چکے تھے کہ ہمیں اپنی افواج ہندوستان سے نکال کر مریشس اور بوربون کے اڈوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شاہِ فرانس نے سلطان کے سفیروں کا صرف ایک مطالبہ خوشی سے منظور کیا۔ اور وہ یہ کہ اس نے ایک تجربہ کار طبیب اور ایک جراح کے علاوہ رنگ سازوں، نجاروں، بافندوں، گھری سازوں اور دوسری صنعتوں کے ماہرین کی ایک جماعت کو اُن کے ساتھ میسور جانے کی اجازت دے دی۔



ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ٹیپو کے خلاف دفاعی اور جارحانہ معاہدہ کرنے کے باوجود نظام یا مرہٹے جنگ میں پہل کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ گزشتہ تجربات نے انہیں کافی محتاط بنا دیا تھا۔ اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اس مرتبہ جنگ کی ابتداء انگریزوں کی طرف سے ہو۔ انگریزوں کی افواج کیل کانٹے سے لیس ہو چکی تھی۔ کورگ کے راجہ اور مالابار کے فائر پالیگاروں سے ان کے خفیہ معاہدے ہو چکے تھے۔ کرنول اور کڈپہ کے نواب جو میسور کے باج گزار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ اطمینان دلا چکے تھے۔ کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ سلطان کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیں گے۔ اب

معاہدہ منگلور کی دھجیاں اڑانے کے لیے لارڈ کارنوالس کو صرف ایک بہانے کی ضرورت تھی۔ اور وہ بہانہ پہلے سے موجود تھا۔ ٹراونکور کا راجہ راما ورما انگریزوں کی شہ پر ایک مدت سے سلطان کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ اور اس کے دستے میسور کی سرحد پر کئی حملے کر چکے تھے۔ وہ کمپنی کا حلیف تھا اور انگریزوں نے اس کی حوصلہ افزائی کے لیے اپنی فوج کی دو کمپنیاں اس کے حوالہ کر دی تھیں۔

سلطان ٹیپو کو یہ معلوم تھا کہ ٹراونکور کے راجہ کے خلاف اس کی جوابی کاروائی انگریزوں کے ساتھ ٹکراؤ کی صورت پیدا کر دے گی۔ اس لیے وہ مصالحت کے لیے کوشاں تھا۔ لیکن راما ورما نے سلطان کی مصالحانہ کوششوں کے جواب میں اپنی جارحانہ سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ سلطان نے انگریزوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے حلیف کو ان مفسدانہ سرگرمیوں سے باز رکھیں۔ لیکن اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔

میر نظام اور نانا فرنویس کے ساتھ تسلی بخش معاہدے ہوتے ہی انگریزوں نے راما ورما کو تھپکی دی اور اس نے ٹراونکور کی دفاعی لائن کے سامنے ایک گھنا جنگل صاف کرنے کے بہانے ایک ہزار سپاہی میسور کی حدود میں داخل کر دیے۔ لیکن سرحد کے محافظ دستوں نے انہیں مار بھگایا۔ ایک مہینہ بعد ٹراونکور کے راجا نے دوسرا حملہ کیا۔ لیکن اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ سلطان ٹیپو نے جنرل میڈوز گورنر مدراس کو اس صورتِ حال کی طرف متوجہ کیا۔ اور اسے مصالحت کے لیے ایک مشن بھیجنے کی دعوت دی۔ لیکن جنرل میڈوز ٹیپو کا پرانا دشمن تھا اور اُسے کارڈ نوالس کی طرف سے بھی اس امر کی ہدایت موصول ہو چکی تھی۔ کہ اب ہمارے لیے انتہائی سازگار حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ اور ہمیں کوئی ایسی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جو جنگ میں التوا کا باعث ہو۔ چنانچہ میڈوز نے صلح اور امن کے لیے سلطان کی اپیلوں کی طرف سے کان بند

کر کے مزید تین بٹالین ٹراونکور کی سرحد پر بھیج دیں۔

راجہ ٹرِوکور انگریزوں کی مالی امداد اور چراکل کوئمبٹو اور مالابار کے نائر پالیگاروں کے تعاون سے میسور کی سرحد پر ایک لشکر جمع کر چکا تھا اور انگریز اس کی فوج کے آٹھ ہزار سپاہیوں کے لیے بہترین اسلحہ مہیا کر چکے تھے۔

ان حالات میں سلطان ٹیپو کے لیے پھر ایک بار تلوار کا سہارا لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا شیر میسور اپنے کچھار سے نکل کر میدان میں آ گیا ٹراونکور کی فوج میسور کے طوفانی دستوں کے سامنے تنکوں کا انبار ثابت ہوئی چند گھنٹوں کے اندر اندر ٹراونکور کی سرحدی چوکیوں اور قلعوں پر میسور کے پرچم لہرا رہے تھے اور راجا کے سپاہی بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے کرنل بارڈلے کی ماتحتی میں انگریزوں کی پانچ کمپنیاں اپنے بارود اور اسلحہ کے ذخیرے چھوڑ کر کرنگور میں پناہ لے رہی تھیں ایک انگریز پرچہ نویس میدان جنگ سے بمبئی اور مدراس جنرل میڈوز کو یہ لکھ رہا تھا میں نے کبھی ایسی شرمناک پسپائی نہیں دیکھی۔''

ٹراونکور کی دفاعی لائن کے پرخچے اُڑانے کے بعد سلطان ٹیپو کرنگور کی طرف بڑھا۔ کرنل ہارڈلے نے وہاں بھی پسپائی اختیار کی اور سلطان نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے آئیکوٹہ اور چند قلعوں پر قبضہ کر لیا اب سارا ٹرانکور سلطان کے قدموں میں تھا۔ راما ورما کی طرف سے کسی میدان میں مزاحمت کی توقع نہ تھی لیکن ویراپولی پہنچ کر سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ لارڈ کارنواس میسور کے خلاف اعلان جنگ کر چکا ہے اور اس کے اتحادی کئی محاذوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ سلطان کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔

بارھواں باب

مدراس گورنمنٹ ہاؤس کے ایک کمرے میں کمپنی کے بڑے بڑے فوجی افسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ گورنر مدراس جنرل میڈوز جسے کمپنی کی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔ بمبئی اور کلکتہ کی انگریزی افواج کے نمائندوں کے مشورہ سے جنگ کا پلان تیار کر رہا تھا۔ کمرے کے درمیان ایک کشادہ میز پر جنوبی ہندوستان کا نقشہ کھلا ہوا تھا اور جنرل میڈوز اور دوسرے فوجی افسر میز کے گرد کھڑے تھے۔

جنرل میڈوز نے کہا۔ ”میرا اولین مقصد کوئمٹبور اور پائین گھاٹ کے علاقوں پر قبضہ کرنا ہے۔ میسور کے اہم شہروں اور قلعوں کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ہمیں ان زرخیز علاقوں سے رسد حاصل کرنا بہت آسان ہوگا۔ بمبئی کی فوج کی پیش قدمی مالابار کے ساحل سے شروع ہوگی اور وہ ساحل کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مدراس کی فوج سے آملیں گی۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ٹیپو ہماری پیش قدمی روکنے کے لیے کرناٹک کو میدانِ جنگ بنانے کی کوشش کرے۔ اس لے جنرل کیلی کارومنڈل کے وسط سے بارہ محل کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ تاکہ اگر کرناٹک کو خطرہ پیش آئے تو اُسے بروقت مدد دی جاسکے۔ مدراس سے کوچ کرنے کے بعد ہمارا پہلا مستقر ترچنا پلی کے آس پاس ہوگا۔“

گورنر کا پرائیویٹ سیکرٹری کمرے میں داخل ہوا اور اس نے سلام کرنے کے بعد ایک مراسلہ پیش کیا۔ جنرل میڈوز نے خط کھول کر پڑھا اور نڈھال سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ فوج کے افسر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جنرل میڈوز نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ’’جنٹلمین! یہ راجا ٹراونکور کی کارگزاری کے متعلق ایک تازہ رپورٹ ہے۔ اس کی فوج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہے۔ ہم نے جو اسلحہ اور بارود مہیا کیا تھا وہ دشمن کے قبضے میں جا چکا ہے۔ کرنل ہارڈلے نے لکھا ہے کہ اگر ٹیپو کی توجہ فوراً دوسرے محاذوں پر مبذول نہ کی گئی تو وہ کسی دقت کے بغیر سارے ٹراونکور پر قبضہ کر لے گا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پسپائی کی دوڑ میں ہمارے سپاہی ٹراونکور کے سپاہیوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں کل صبح تک پیش قدمی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔‘‘

سیکرٹری نے کہا۔ ’’یور ایکسیلینسی! نواب محمد علی کو کیا جواب دیا جائے؟‘‘

جنرل میڈوز نے تلملا کر کہا۔ ’’وہ ابھی تک بیٹھا ہوا ہے؟‘‘

’’جی ہاں! آپ نے فرمایا تھا کہ آپ میٹنگ سے فارغ ہو کر اس سے ملاقات کریں گے۔‘‘

’’لیکن وہ میرا وقت ضائع کرنے پر کیوں مُصر ہے۔ جب سے میں نے چارج لیا ہے۔ وہ تین بار ملاقات کر چکا ہے۔ جاؤ اُسے کہو میں اس وقت فارغ نہیں ہوں۔ اگر وہ چند گھنٹے اور انتظار نہیں کر سکتا تو واپس چلا جائے۔‘‘

سکرٹری نے کہا یور ایکسیلنسی اُسے مایوس کرنا آسان نہیں وہ شام تک آپ کے انتظار میں بیٹھا رہے گا مدراس کے گورنر سے ہر تیسرے چوتھے روز ملاقات کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی ہے وہ کمپنی کا پُرانا وفادار ہے اور مدراس کے سابق گورنروں کی یہ ہدایات ہیں کہ اُسے بلاوجہ ناراض نہ کیا جائے۔‘‘

جنرل میڈوز نے کرسی سے اُٹھ کر کہا جنٹلمن میں ابھی آتا ہوں۔‘‘

کرناٹک کا کٹھ پتلی نواب محمد علی والا جاہ ملاقات کے کمرے میں بیٹھا ہوتا اس

کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے آثار تھے جنرل میڈوز کمرے میں داخل ہوا اور اس کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں وہ جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور جنرل میڈوز نے ایک حقارت آمیز تبسم کے ساتھ سلام کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

مُحمد علی نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا حضور کا اقبال بلند ہو اور حضور کے دشمن ذلیل وخوار ہوں!''

تشریف رکھیے نواب صاحب مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا میں بہت مصروف تھا۔''

محمد علی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا عید کا چاند دیکھ کر ماہ رمضان کی کلفتیں بُھول جاتی ہیں۔''

عید کب ہے؟'' جنرل میڈوز نے حیران ہوکر سوال کیا۔

جناب آپ میرا مطلب نہیں سمجھتے میرا مطلب ہے کہ آپ میرے لیے عید کا چاند ہیں یعنی آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔''

ہو میں سمجھتا تھا کہ عید آ گئی ہے۔''

جناب حقیقی عید تو اس دن آئے گی جب آپ کی جوجیں سرنگاپٹم پہنچ جائیں گی میں آپ کی فتح کی بشارت لے کر آیا ہوں۔''

نواب صاحب آپ فتح کی باتیں کر رہے ہیں ابھی تو جنگ بھی نہیں شروع ہوئی۔''

واہ جناب آپ کا خیال ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا اب تو خدا کے فضل سے ٹراونکور کا لشکر مالابار میں داخل ہو چکا ہوگا۔''

جنرل میڈوز نے جھنجھلا کر کہا ٹراونکور کا لشکر بھیڑوں اور بکریوں کی طرح

بھاگ رہا ہے

چند ثانیے محمد علی کے مُنھ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اس نے اچانک اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سونے کا تعویذ نکالا اور بڑھ کر جنرل میڈوز کے گلے میں ڈال دیا۔

یہ کیا ہے جنرل میڈوز نے اپنا غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

جناب یہ تعویذ ہے آپ اسے گلے سے نہ اتاریں مجھے یقین ہے کہ اس کی برکت سے ہر میدان میں آپ کا فتح ہو گی یہ مجھے ایک بزرگ نے دیا ہے جس کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے اب آپ خدا کا نام لے کر حملہ کر دیں دنیا کی کوئی طاقت سر نگا پٹم تک آپ کا راستہ نہیں روک سکے گی میں نے سنا ہے کہ فرانسیسی پانڈی چری خالی کر رہے ہیں یہ آپ کی پہلی فتح ہے۔''

جنرل میدوز نے انتہائی نفرت اور حقارت سے محمد علی کی طرف دیکھا اور کہا نواب صاحب ہمیں ڈر ہے کہ اس محاذ پر جنگ شروع ہوتے ہی کہیں اسے حالات پیدا نہ ہو جائیں کہ آپ کو ارکاٹ خالی کرنا پڑے!''

محمد علی چند ثانیے سکتے کے عالم میں جنر میڈوز کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ گورنر صاحب! اگر ٹراونکور سے کوئی خبر آئی ہے تو آپ کو اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے سلطان ٹیپو اب اکیلا ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنا قیمتی وقت باتوں میں جائع کرنے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں!

جنرل صاحب میں یہ تو پوچھنے آیا تھا کہ میری فوج کو کوچ کا کب حکم ملے گا؟

آپکی فوج کو کوچ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اگر صرف کرناٹک کی

حفاظت کر سکیں تو یہ بھی ہماری بہت بڑی مدد ہوگی۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بہت مصروف ہوں۔

جنرل میڈوز یہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نواب محمد علی بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن کرناٹک کی حفاظت کے مسئلے نے اس کے خیالات پریشان کر دیے تھے۔ وہ بادل نا خواستہ اُٹھا اور جنرل میڈوز اُس کے ساتھ مصافحہ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کمرے سے باہر اپنے سکرٹری کو دیکھ کر جنرل میڈوز نے محمد علی کا عطا کردہ تعویز نوچ کر اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔ یہ اپنے پاس رکھو اور بے وقوف کو یہ سمجھاؤ کہ وہ جنگ کے اختتام تک مجھے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ گدھا مجھے فتح کی خبر سنانے آیا تھا۔

مئی ۱۷۹۰ء کے آخری ایام میں جنرل میڈوز نے مدراس سے پیش قدمی کی اور ترچناپلی کے قریب ڈیرے ڈال دیے۔ جنرل میڈوز کی کمان میں پندرہ ہزار سپاہی بہترین، ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس سے قبل کسی ایک محاذ پر انگریزوں کی اتنی بڑی فوج دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ سلطان ٹیپو کے لیے اب کسی علاقے کے شہروں یا قلعوں کی حفاظت کی بجائے پوری سلطنت کا مسئلہ تھا اور میسور کی تمام سرحدوں پر دشمن کے اجتماع نے اسے اپنے لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنرل میڈوز نے ۱۵ جون کو کرور کی طرف پیش قدمی کی اور چند ہفتوں میں کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کیے بغیر کرور اور دھاراپورم کے علاوہ چند اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

سلطان ٹیپو دشمن کے عزائم سے خبردار ہوتے ہی ٹراونکور کا محاصرہ چھوڑ کر کوئمبٹور

پہنچ گیا اس اثنا میں دوسرے محاذوں پر بھی انگریزی افواج جمع ہو رہی تھیں اور سلطان نے قریباً ایک مہینہ کوئمبٹور میں قیام کرنے کے بعد ایک وسیع پیمانے پر جنگ کے لیے تیاری کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے سرنگاپٹم کا رُخ کیا کوئمبٹور سے کوچ کرتے وقت سلطان نے اپنے چار ہزار سوار میر معین الدین عُرف سید صاحب کی کمان میں دیے اور اُسے ہدایت کی کہ تم اِکا دُکا حملوں سے دشمن کو ہراساں کر کے اس کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کرو تا کہ مجھے تیاری کے لیے وقت مل جائے۔

میر معین الدین کی مختصر سی فوج کسی میدان میں ڈٹ کر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے قابل تھی۔ لیکن برسات کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اور اگر وہ سلطان کی ہدایات پر عمل کرتا تو یہ چار ہزار سوار جو گوریلا جنگ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں دشمن کے رسل و رسائل کا نظام درہم برہم کر کے اس کے لیے بے شمار رکاوٹیں پیدا کر سکتے تھے۔ لیکن میر معین الدین جیسے جہاندیدہ سپاہی نے جس نااہلیت اور بددلی کا مظاہرہ کیا وہ سلطان کی فوج کے کسی ادنیٰ افسر سے بھی غیر متوقع تھی اس نے کرنل فلائڈ کے دستوں کے ساتھ چند جھڑپوں کے بعد بھوانی کے شمال کی طرف پسپائی اختیار کی اور جنوب کے تمام علاقے دشمن کے لیے کھلے چھوڑ دیے۔

میر معین الدین کی یہ کوتاہی فوجی لحاظ سے میسور کے لیے انتہائی تباہ پیدا کر سکتی تھی لیکن خوش قسمتی سے جولائی کے مہینے میں برسات کا موسم شدت اختیار کر چکا تھا جنرل میڈوز نے میدان خالی دیکھ کر کوئمبٹور پر قبضہ کر لیا اور کرنل اسٹورٹ کو پال گھاٹ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا لیکن موسم برسات کی شدت کے باعث وہ زیادہ دُور نہ جا سکا۔

اگست کے دوسرے ہفتے کرنل اسٹورٹ نے دوبارہ پیش قدمی کی اور ڈنڈیگل

کے قلعے کا محاصرہ کر لیا یہ قلعہ ایک بلند چٹان پر واقع تھا اور دفاعی لحاظ سے سلطنت میسور کے مضبوط قلعوں میں سے ایک تھا قلعے کی محافظ فوج کی تعداد آٹھ سو سپاہیوں پر مشتمل تھی اور ان کا کمانڈر حیدر عباس سلطان کا ایک نڈر سپاہی تھا انگریزی توپ خانہ چار دن تک قلعے پر آگ برساتا رہا اور پانچویں دن کرنل اسٹورٹ نے عام حملے کا حکم دیا لیکن اُسے شدید نقصانات اٹھانے کے بعد پیچھے ہٹنا پڑا حیدر عباس آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن اس کے بیشتر سپاہی اور افسر کمک نہ پہنچنے کے باعث ہمت ہار چکے تھے چنانچہ ۲۲ اگست کے دن اس نے اس شرط پر قلعے کا دروازہ کھول دیا کہ قلعہ خالی کرتے وقت اس کے سپاہیوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس عرصہ میں جنرل میڈوز کی دوسری افواج درہ گجل ہٹی چوکیوں پر قبضہ کر لینے کے بعد انگریزوں کے ہاتھ میسور کی شہرگ تک پہنچ چکے تھے کوئمبتور کا زرخیز صوبہ جہاں سے انھیں فراوانی کے ساتھ رسد مل سکتی تھی اب مکمل طور پر ان کے قبضہ میں تھا اور وہ کررو سے لے گجل ہٹی کے درّے تک چوکیا قائم کر چکے تھے۔ دوسرے محاذ پر کون کیلی کی کمان میں کلکتہ کی دس ہزار فوج جسے بارہ محل فتح کرنے کی مہم سونپی گئی تھی، اگست کے شروع میں کنجی درم پہنچ چکی تھی جنرل اسٹورٹ کو تین اطراف سے سرنگا پٹم کی طرف بڑھنے کے لیے اب صرف مالابار کے محاذ پر مبئی کی افواج کی آمد کا انتظار تھا۔ میسور کی شمالی سرحد پر نظام اور مرہٹوں کی افواج جمع ہو رہی تھی لیکن جنگ کے ابتدائی دور میں اُن کی حیثیت خاموش تماشائیں ل سے زیدہ نہ تھی۔

لارڈ کارنوالس اور جنرل میڈوز کی پے درپے یا دوہونیوں کے میدان میں کود نے سے نانا فرنویس اور میر نظام علی کی ہچکچاہٹ کی سب سے بری وجہ یہ کہ ان میں س

کسی کو سلطان ٹیپو کے صحیح عزائم کا علم نہ تھا۔ نانا فرنویس اور میر نظام علی اگر اس بات کا یقین ہوتا کہ وہ کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر پیش قدمی کر سکتے ہیں تو انھیں فیصلہ کرنے میں کوئی دِقت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن سُلطان ٹیپو نے سرنگا پٹم پہنچ کر جہاں جنگی تیاریوں کے لیے دو ماہ کا وقفہ حاصل کر لیا تھا۔ وہاں نظام اور مرہٹوں کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر سُلطان نے سرنگا پٹم سے نکل کر جنوب میں انگریزوں کا سامنا کرنے کی بجائے شمال کی طرف توجہ پھیر دی تو ان کی حالت قابلِ رحم ہو گی

☆

جنگ کی کمان میں حیدر آباد کا لشکر رائچور کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور اُسے ضرور ہدایات دینے کے لیے میر نظام علی بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ ایک دن میر نظام علی اپنے خیمے میں مہابت جنگ کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ایک افسر خیمے میں داخل ہُوا اور اس نے کورنش بجا لانے کے بعد کہا۔ ”عالی جاہ! سر جان کیناوے پہنچ گئے ہیں اور انھوں نے آنے ہو حضور کی خدمت میں باریابی کی اجازت طلب کی ہے۔“

میر نظام علی نے بد دل ہو کر افسر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”بہت اچھا، اسے لے آؤ۔“ پھر وہ مہابت جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اس مرتبہ تمھاری ہار یقینی تھی۔ لیکن کیناوے ہمیں شطرنج کھیلتے نہیں دیکھنا چاہیے۔“

مہابت جنگ کے تالی بجانے پر ایک نوکر خیمے میں داخل ہوا اور نظام کے اشارے سے شطرنج کا سامان اٹھا کر لے گیا۔

نظام نے جھک کر پاس ہی قالین پر پڑے ہوئے کاغذات میں سے ایک نقشہ

اٹھایا اور اسے تپائی پر پھیلاتے ہوئے کہا۔'' اس مرتبہ وہ کمبخت ہمیں بہت پریشان کرے گا۔''

مہابت جنگ نے مسکرا کر جواب دیا۔'' مجھے یقین ہے کہ آپ اسے زیادہ پریشان کرسکیں گے۔''

نظام نے کہا۔'' تمہیں اپنی پیش قدمی میں تاخیر کے لیے کوئی معقول وجہ سوچ لینی چاہیے۔''

مہابت جنگ نے جواب دیا۔'' جناب گزشتہ تین ہفتوں میں کیناوے کے پانچ ایلچی میرے پاس آ چکے ہیں اور میری عقل جو بہانے تلاش کرسکتی تھی وہ انہیں پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے اس ملاقات سے بچنے کے لیے بیماری کے بہانے اپنے خیمے میں لیٹ جانا چاہیے۔

میر نظام علی ہنس پڑا۔

کیناوے خیمے میں داخل ہوا۔ مہابت جنگ نے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا لیکن میر نظام علی نے اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

مہابت جنگ نے ایک کرسی گھسیٹ کر آگے کر دی اور میر نظام علی نے کہا۔'' مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اس موسم میں سفر کی تکلیف اٹھانی پڑی۔ تشریف رکھیے۔''

کیناوے نے کرسی پر بیٹھے ہوئے کہا۔''موجودہ حالات میں میرے لیے حیدر آباد ٹھہرنا زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مجھے اپنے کسی خط کا تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ جنرل میڈوز اور لارڈ کارنوالس آپ کی تاخیر کے باعث بہت پریشان ہیں۔ فرمائیے آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

میر نظام علی نے جواب دیا۔'' اگر ہری پنت آج پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کر

لے تو ہماری طرف سے ایک لمحہ کے لیے بھی تاخیر نہیں ہوگی۔ ہم تو یہاں بیٹھے بیٹھے تنگ آچکے ہیں۔"

"یور ہائی نس، سر چارلس میلٹ نے مجھے یہ پیغام بھیجا ہے کہ ہری پنت اور نانا فرنویس اس تاخیر کی ذمہ داری آپ پر ڈالتے ہیں۔ آپ نہایت قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ کوئمٹبور کا سارا صوبہ ہمارے قبضے میں آچکا ہے۔ مشرق میں ہماری افواج بارہ محل پر قبضہ کرنے والی ہیں۔ اور چند دنوں تک بمبئی کی فوج مالابار میں داخل ہوئی جائیگی۔ اگر آپ فوراً حملہ کردیں تو سلطان ٹیپو کو سرنگا پٹم سے باہر کسی محاذ پر جوابی کاروائی کی جرات نہیں ہوگی۔"

"ہاں اگر اس میں لڑائی کی ہمت ہوتی تو وہ کوئمٹبو جیسا زرخیز صوبہ ہمارے لیے کھلا چھوڑ کر سرنگا پٹم میں پناہ نہ لیتا۔"

"آپ کا خیال غلط ہے۔ ٹیپو سرنگا پٹم میں بیٹھ کر آپ کا انتظار نہیں کرے گا۔ اُسے تیاری کے لیے وقت کی ضرورت تھی۔ وہ ایک خوفناک آندھی کی طرح اچانک میسور سے نکلے گا اور ہم ہر محاذ پر اپنی سابقہ تجاویز میں ردو بدل کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"یور ہائی نس۔ آپ کو ٹیپو کی قوت سے اس قدر خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ فوراً حملہ کردیں تو اُسے سرنگا پٹم سے نکلنے کی جرات نہیں ہو گی اور اگر اس نے یہ جرات کی بھی تو اس کا رخ شمال کی بجائے جنوب کی طرف ہو گا۔ اور آپ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ آپ سے پہلے ہمارے ساتھ نپٹ لینا بہتر خیال نہیں کرے گا؟"

آپ کا خیال ہے کہ وہ ہماری طرف سے آنکھیں بند کر کے آپ پر حملہ کر دے گا؟"

"ہاں اور اگر آپ نے ان دنوں سر چارلس میلٹ سے ملاقات کی ہوتی تو وہ آپ کو بتاتے کہ ہری پنت کا بھی یہی خیال ہے۔"

"یور ہائی نس۔ مجھے معاف کیجیے ٹیپو اتنا نادان نہیں۔ اُسے ہماری قوت کی برتری کا احساس ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسے سرنگا پٹم سے باہر نکل کر ہمارا سامنا کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہ حقیقت اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہو گی کہ جب وہ شمال کا رخ کرے گا تو اس کی تنگبھدرہ پہنچنے سے پہلے ہم سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ سرنگا پٹم پہنچ جائیں گے۔ لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس وقت تک ہمارے سامنے اپنے سپاہیوں کی لاشیں گننے کے سوا کوئی کام نہیں ہوگا۔"

کیناوے نے بددل سا ہو کر کہا۔ "جناب آپ جنگ میں ہمارے حلیف ہیں اور جنگ کو اختتام تک پہنچانے کے لیے ہم سب پر ایک سی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آپ اور مرہٹوں کے تذبذب کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ جنگ لمبی ہو جائے۔ اور ہم آپ سے مایوس ہو کر ٹیپو کے ساتھ صلح کر لیں۔ اور اپنے اتحادیوں کو ہمیشہ کے لیے ٹیپو کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ مزید چند برس تک تیاری کرنے کے بعد ہم میں سے ایک ایک کو نگل جائے گا۔"

میر نظام علی نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "آپ کو ہمارے متعلق اس قدر بدظن نہیں ہونا چاہیے۔"

''یور ہائی نس۔ میں بدظن نہیں ہوں لیکن میں آپ کے تذبذب کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔''

''ہمرا تذبذب صرف اس وقت تک ہے جب تک ٹیپو سرنگا پٹم سے باہر نہیں نکلتا۔ جب تک ہمیں اس کے صحیح عزائم کا علم نہیں ہوتا۔ ہم جنگ کا کوئی نقشہ تیار نہیں کر سکتے۔''

''یور ہائی نس۔ بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ وہ بارہ محل اور مالا بار کا خیال چھوڑ کر آپ کی طرف توجہ کرے لیکن فرض کیجیے کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آپ سرے سے جنگ میں حصہ ہی نہ لیں۔''

میر نظام علی نے جواب دیا۔ ''اس صورت میں ہماری جنگ سراسر مدافعانہ ہو گی۔ ہمیں سرنگا پٹم کے متعلق سوچنے کی بجائے پونا اور حیدر آباد کی فکر کرنا پڑے گی۔ ہم پوری قوت سے لڑینگے لیکن ہماری کوشش یہ ہوگی کہ ہم میسور کی حدود کے اندر دشمن کے نرغے میں آنے کی بجائے کسی ایسی جگہ اس کے ساتھ مقابلہ کریں جہاں سے ہماری رسد اور کمک ے راستے محفوظ ہوں۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ ٹیپو کوئمبتور میں آپ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اور آپ کسی دقت کے بغیر ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر ہم میسور کی سرحد پر اپنی فوجیں جمع نہ کرتے تو ٹیپو ہر قدم پر پوری شدت کے ساتھ آپ کا مقابلہ کرتا۔''

کیناوے نے کہا۔ ''تو آپ کا فیصلہ یہی ہے کہ جب تک سرنگا پٹم سے ٹیپو کی فوج نقل و حرکت نہیں کرتی آپ یہیں پڑے رہیں گے۔''

''میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم دشمن کے ارادے سے باخبر ہونے سے

پہلے اس کے خلاف کوئی موثر کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"فرض کیجئے کہ اگر ٹیپو سرنگاپٹم میں ہی اپنی جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا تو آپ کا رویہ کیا ہو؟""

نظام مسکرایا۔" آپ حیدر علی کے بیٹے کو نہیں جانتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد سرنگاپٹم سے کوچ کرے گا اور اس کی پہلی ضرب خواہ وہ ہم میں سے کسی پر ہو، بہت شدید ہو گی۔ میں مرہٹوں کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ لیکن میری طرف سے اپ لارڈ کارنوالس کو یہ اطمینان دلا سکتے ہیں۔ کہ میری افواج چند دن کے اندر اندر میدان میں اتر جائیں گی۔ اگر شمال کی طرف اس کے متوقع حملے کے پیش نظر ہمیں پیچھے ہٹنا پڑا تو آپ کی افواج کو بڑھنے کا موقع مل جائے گا۔ اور اگر اس نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو ہم شمال کے تمام علاقے تاخت وتاراج کر دیں گے۔ جنرل میڈوز کو یہ پیغام دیجیے کہ وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے تا کہ ٹیپو کو مزید تیاریوں کا موقع نہ ملے۔"

تھوڑی دیر بعد مسٹر کیناوے میر نظام علی سے رخصت ہو کر مرہٹوں کے پڑاؤ کا رخ کر رہا تھا۔ اور میر نظام علی مہابت جنگ سے یہ کہہ رہا تھا۔" مجھے یقین ہے کہ اب چند دن تک یہ لوگ ہمیں پریشان نہیں کریں گے۔ لیکن تمہیں تیار رہنا چاہیے۔ ٹیپو اب زیادہ عرصہ سرنگاپٹم میں نہیں بیٹھ سکتا۔ اگر اس نے جنوب کی طرف پیش قدمی کی تو ہمیں اس بات کا ثبوت دینا پڑے گا کہ ہم مرہٹوں سے پیچھے نہیں رہیں گے۔"

تیرھواں باب

''جین! جین!! نیچے آؤ!'' لیگرانڈ نے مکان کے صحن سے آواز دی۔ جین لیگرانڈ کی آواز سُن کر گیلری میں نمودار ہوئی۔ نیچے صحن میں لیگرانڈ کے ساتھ ایک عمر رسیدہ آدمی کو دیکھ کر وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی۔ اور پھر ''کیپٹن فرانسسک!'' کہہ کر زینے کی طرف بڑھی اور تیزی سے نیچے اُترنے لگی۔

کپتان فرانسسک نے آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ مصافحہ کیا اور جین نے اُس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ''آپ کب تشریف لائے؟ آپ اتنا عرصہ کہاں تھے؟ ۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ آپ ہمیں بھول گئے۔ فرانس میں ان دنوں کیا ہو رہا ہے؟ یہاں ایک عرصے سے عجیب و غریب خبریں آ رہی ہیں۔''

لیگرانڈ نے کہا۔ ''ہم بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔''

وہ نچلی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

کپتان فرانسسک نے کہا۔ ''میں آج ہی سرنگا پٹم پہنچا ہوں اور آتے ہی میں نے موسیو لالی سے تمہارا پتا کیا تھا۔ خوش قسمتی سے لیگرانڈ بھی کیمپ میں موجود تھا۔ میں تمہارے لیے بہت اچھی خبر لایا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں شادی کی مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں عمداً خط نہیں لکھا۔

انسپکٹر برنارڈ کو شُبہ ہو گیا تھا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے اور اس نے پانڈی چری سے واپس جاتے ہی مجھے انقلابی جمعت کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے الزام میں قید کروا دیا تھا۔

بستیل کے قید خانے میں وہ اکثر مجھ سے ملا کرتا تھا اور ہر بار یہ کہا کرتا تھا کہ

اگر تمام واقعات ظاہر کر دو اور مجرموں کو پکڑوانے میں ہمارے ساتھ تعاون کرو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ میرے انکار پر اس نے مجھے ہر ممکن اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ بسٹیل کی ایک زمین دوز اور تنگ و تاریک کوٹھڑی میں میرے لیے قید کے آخری چند مہینے انتہائی کرب انگیز تھے۔ باہر سے کسی دوست رشتہ دار کو میرے ساتھ ملاقات یا نامہ و پیام کی اجازت نہ تھی۔ جو پہرے دار میرے لیے دو وقت کھانا لے کر آتے تھے انہیں بھی میرے ساتھ بات چیت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ پھر ایک دن حکومت کے باغیوں نے بسٹیل کے دروازے توڑ دیئے اور مجھے معلوم ہوا کہ فرانس میں انقلاب آچکا ہے۔

جین نے مغموم لہجے میں کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ہمارے لیے اتنی اذیت اٹھائی اور ہم سرنگاپٹم میں محفوظ تھے۔ اگر آپ پولیس کو بتا دیتے کہ ہم یہاں پہنچ چکے ہیں تو وہ شاید آپ کو اس قدر اذیت نہ پہنچاتے۔

فرانسسک نے کہا۔ اگر میں بات ظاہر کر دیتا تو مجھ سے باقی تمام باتیں اُگلوا لیتے۔ مارسلز سے پانڈی چری تک کے سفر کے حالات بتا کر ان تمام دوستوں کے ساتھ غداری کا مرتکب ہوتا جنہوں نے ہمارے ستھ تعاون کیا تھا۔ یہاں تک کہ مریشس میں لیگرانڈ کے بہنوئی کو بھی ایک پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر اگر میں یہ ذلت گوارا کر لیتا تو بھی پیرس کی پولیس سے یہ توقع عبث تھی کہ وہ مجھے کسی اچھے سلوک کا مستحق سمجھیں گے۔

لیکن یہ تمام باتیں ماضی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ میں تمہیں حال اور مستقبل کے متعلق کچھ بتانے آیا ہوں قید سے رہا ہوتے ہی میں انقلابیوں کے جن لیڈروں سے ملا وہ سب تمہارے بھائی کو جانتے تھے اور جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ تم زندہ

اور سلامت ہو اور میں نے تمہاری مدد کرنے کے جُرم میں قید کاٹی ہے تو وہ مجھے اپنا مخلص ساتھی سمجھتے تھے۔ وہ لیگر انڈ کو بھی اپنا دوست سمجھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم فوراً فرانس واپس آ جاؤ۔ حکومت نے تمہاری جو جائید اضبط کی تھی وہ واگزار کر دی جائے گی۔ موسیو لالی کے نام انہوں نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ تمہیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے روانہ کر دیں۔ تمہاری جلاوطنی کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب جب تم پیرس میں پہنچو گی تو ہزاروں انسان تمہارے لیے چشم براہ ہوں گے۔ میں یہاں موسیو لالی کیس اتھ بات چیت کر چکا ہوں اور انہیں لیگر انڈ کے واپس جانے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں جس جہاز پر پانڈی چری پہنچا تھا وہ واپسی پر منگلور پہنچ کر ہمارا انتظار کرے گا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم دو دن کے اندر اندر یہاں سے منگلور روانہ ہو جائیں لیکن میں لیگر انڈ کے تذبذب اور پریشانی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔ اس نے ابھی تک مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔

جین سرنگا پٹم کی فضا میں اپنے وطن کی خوشگوار ہواؤں کے جھونکے محسوس کر رہی تھی۔ وہ پیرس کے کشادہ بازاروں کی سیر کر رہی تھی۔ وہ اپنے اجڑے ہوئے گھر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے نوکر اس کے سامنے کھڑے تھے اور اس کی سہیلیاں آگے بڑھ چڑھ کر اس سے گلے رہی مل رہی تھیں۔ پھر اچانک اُسے سرنگا پٹم کا ایک گھر یاد آیا اور پیرس کے دلکش نظارے اس کی آنکھوں سے محو ہونے لگے۔ وہ تصور کے عالم میں انور، مراد اور اُن کی والدہ سے رخصت ہو رہی تھی، اس کے ہونٹوں کا تبسم رخصت ہو چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہو رہے تھے۔

کپتان فرانسسک نے کہا۔ جین تم کیا سوچ رہی ہو۔ میں تمہارے قہقہے سُننے کی بجائے تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں؟

جین نے چونک کر فرانسسک کی طرف دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر لیگرانڈ کے چہرے پر نظر گاڑ دیں۔

لیگرانڈ نے کہا۔ موسیو فرانسک میری گردن آپ کے احسنات کے بوجھ سے ہمیشہ جھکی رہے گی لیکن موجودہ حالات میں میں فرانس جانے کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

فرانسسک کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا اور اس نے بدحواس ہو کر کہا۔ لیکن کیوں؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ میں جنگ کے اختتام تک فرانس نہیں جا سکتا۔ میں ان لوگوں کو پیٹھ نہیں دکھا سکتا جنہوں نے ایک غریب الوطن کو اپنا دوست، اپنا بھائی اور اپنا بیٹا سمجھ کر سہارا دیا۔ میری زندگی کے تاریک ترین دور میں سرنگاپٹم میرے لیے دشمنی کا مینا رتھا۔ اور آج سرنگاپٹم ان لاکھوں انسانوں کی آخری اُمید ہے جو میری طرح امن وسکون، عزت اور آزادی کی زندگی کے طلبگار ہیں۔ ٹیپو اب میرے نزدیک ایک اجنبی حکمران نہیں ہے۔ بلکہ میں اس کے لیے اپنے سینے میں اطاعت اور محبت کے وہی جذبات محسوس کرتا ہوں جو اس ملک کے ہر باشندے کے سینے میں موجزن ہیں۔ میرے نزدیک اس کی فتح انسانیت کی فتح اور اس کی شکست انسانیت کی شکست ہو گی۔

کپتان فرانسسک نے لاجواب سا ہو کر کاہ۔ اگر تمہارے جذبات یہ ہیں تو میں اس سلسلے میں مزید بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا مجھے یقین ہے کہ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرا بھی یہی فیصلہ ہوتا۔ موسیو لالی نے مجھے کہا تھا کہ تم ایک اچھے سپاہی بن سکتے ہو اور میسور میں اچھے سپاہیوں کے لیے ترقی کے دروازے کھلے ہیں۔

لیگرانڈ نے کہا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ میں مستقل طور پر یہاں رہنے کا فیصلہ کر چکا ہوں جنگ ختم ہونے کے بعد ہم اپنے وطن چلے جائیں گے۔

فرانسسک نے کہا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ تمہاری غیر حاضری میں تمہاری جائداد کی حفاظت کی جائے۔ اس سلسلہ میں مجھے شاید تمہاری کسی تحریر کی ضرورت پڑے۔

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ ہم دونوں آپ کو مختار نامہ لکھ دیں گے۔

لیکن تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔ میں کل کا دن یہاں ہوں گا اور اگر اس عرصہ میں تمہاری رائے بدل جائے تو مجھے تم کو اپنے ساتھ لے جانے میں خوشی ہوگی۔ ابھی تک جین نے اس مسئلے میں کچھ نہیں کہا۔

جین نے کہا۔ لیگرانڈ کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میسور کی فوج میں عورتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

فرانسسک نے کہا۔ انور علی ابھی تک نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج شام سے پہلے پہلے سرنگا پٹم میں چند اور دوستوں کو دیکھ لیتا۔

جین نے پوچھا۔ انور علی کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے؟

ہاں میں نے کیمپ سے روانہ ہوتے وقت اُسے پیغام بھیج دیا تھا۔

لیگرانڈ نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آ ہی رہا ہوگا۔

جین نے کہا۔ موسیو فرانسسک میں آپ کی وساطت سے پیرس میں اپنی چند سہیلیوں کے نام خط بھیجنا چاہتی ہون۔

بہت اچھا تم خط لکھ چھوڑو میں لے جاؤں گا۔ لیگرانڈ میں غالبا میریشس کے راستے جاؤں گا اس لیے تم بھی اپنی بہن کے نام خط لکھ رکھو۔

یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔ میں نے یہاں آکر بہن کو کوئی پیغام نہیں بھیجا۔

لیگرانڈ نے کہا۔انہیں یہاں لے آؤ۔نوکر چلا گیا۔

ایک منٹ بعد انور علی کمرے میں داخل ہوا۔ فرانسسک اور لیگرانڈ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور وہ ان کے ساتھ یکے بعد دیگرے مصافحہ کرنے کے بعد ایک کُرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔موسیو فرانسسک میں صرف چند منٹ کے لیے آیا ہوں۔ آج پانچ بجے سپہ سالار برہان الدین نے فوج کے افسروں کو مستقر میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ مجھے آپ سے بہت سے باتیں کرنی ہیں۔اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ رات کا کھانا میرے ہاں کھائیں اور اگر آپ قیام بھی وہیں کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔

فرانسسک نے کہا۔لیکن آج تو میں موسیو لالی کی دعوت قبول کر چکا ہوں۔

لیگرانڈ بولا۔اور کل دونوں وقت کے لیے یہ میرے مہمان ہیں۔آپ کی باری پرسوں آئیگی بشرطیکہ یہ یہاں سے چلے نہ گئے۔

انور علی نے فرانسس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔آپ پرسوں کہاں جا رہے ہیں؟

میں پرسوں واپس فرانس جا رہا ہوں۔

لیکن اتنی جلدی کیوں؟

سرنگا پٹم میں میرا کام ختم ہو چکا ہے اور جلد از جلد واپس لوٹنا چاہتا ہوں۔

اگر یہ کوئی راز کی بات نہ ہو تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کام تھا؟

میں جین اور لیگرانڈ کو یہ خوشخبری دینے آیا تھا کہ ان کی جلاوطنی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور اب اگر یہ چاہیں تو اپنے گھر واپس جا سکتے ہیں۔فرانس کے انقلاب نے ان

کے راستے کے تمام پتھر ہٹا دیے ہیں۔

انور علی نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ جین اور لیگر انڈ کی طرف دیکھا اور کہا۔میں آپ کو مبارک دیتا ہوں۔

جین نے کہا۔آپ کا شکریہ۔لیکن ہم یہیں رہیں گے۔ہم میسور کے ہر اُفق پر جنگ کی مہیب آندھیاں دیکھ کر بھاگنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

کچھ دیر انور علی کے مُنھ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔پھر اس نے فرانسسک کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں یہیں رہوں گا تو اس بات پر اصرار نہ کرتا کہ آپ آج ہی میری دعوت قبول کریں۔لیکن ہمیں ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہنے کا حکم مل چکا ہے۔میرا بھائی مُراد علی اپنے دستے کے ساتھ آج علی الصباح روانہ ہو چکا ہے۔ممکن ہے کہ برہان الدین نے ہمیں بھی کوئی اہم فیصلہ سنانے کے لیے بُلایا ہو اور ہمیں آج غروب آفتاب سے پہلے یہاں سے کُوچ کا حکم مل جائے۔ اس صُورت میں شاید آپ سے دوبارہ نہ مل سکوں۔بصورت دیگر آج میرے ہاں آپ سب کی دعوت ہو گی۔ میں آپ کی طرف سے موسیو لالی کو معذرت پیش کر دوں گا اور انہیں بھی وہیں بُلا لوں گا۔پھر وہ جین کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ ضرور آئیں۔امی جان آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔

فرانسسک نے کہا۔اگر موسیو لالی خفا نہ ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

آپ اطمینان رکھیں موسیو لالی خفا نہیں ہوں گے۔انہیں اس بات کا علم ہے کہ آپ کی میزبانی کے لیے میرے حقوق اُن کی نسبت زیادہ ہیں۔اگر مجھے فوراً نہ جانا پڑا تو آپ کو تھوڑی دیر تک اطلاع پہنچ جائے گی۔اب مجھے اجازت دیجیے!

انور علی یہ کہہ کر اٹھا اور خُدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

فرانسسک نے کہا۔ موسیو لالی بھی کہتے تھے کہ انہیں کوچ کے لیے تیار رہنے کا حکم مل چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب بہت جلد کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے لیکن میں حیران ہوں کہ سلطان نے اتنا وقت کیوں ضائع کیا۔ کوئمبٹور کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلے جانے سے میسور کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ سلطان کا کوئی اقدام حکمت سے خالی نہیں ہوتا انہوں نے یہاں بیٹھ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا ہے۔ اب تک اُن کی جنگی چال بہت کامیاب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نظام اور مرہٹوں سے ان کی مصالحانہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ لیکن سلطان کو یہاں موجود پا کر وہ ابھی تک شمالی سرحد پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکے۔ اور انگریز جنہوں نے اُن کی اعانت کی امید پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ پیش قدمی کی تھی اب تنہا آگے بڑھنے میں خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اس عرصہ میں سلطان نے سرنگاپٹم کے دفاعی استحکامات اتنے مضبوط کر لیے ہیں کہ اگر ہمیں ہر محاذ سے پیچھے ہٹنا پڑا تو بھی ہم ایک طویل عرصہ کے لیے انگریزوں کے ساتھ لڑ سکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان اب پوری تیاریوں کے بعد اچانک کسی محاذ پر اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے دشمن کو ہراساں کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور سلطان کا حملہ جس قدر غیر متوقع ہوگا۔ اسی قدر شدید ہوگا۔ اگر وہ انگریزوں کو عبرتناک شکست دے سکے تو نظام اور مرہٹے جنگ کے نقصانات میں حصہ دار بننا پسند نہ کریں گے اور وہ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

فرانسسک نے کہا۔ لیکن اس صورت میں انگریز خاموش نہیں بیٹھیں گے وہ پوری قوت کے ساتھ سرنگاپٹم پر یلغار کریں گے۔

لیگرانڈ مسکرایا۔ سلطان اس خطرے سے غافل نہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ اس خطرے سے بچنے کے لیے جو احتیاط ممکن تھی کی جا چکی ہے۔ گجل ہٹی کے درے سے آگے انہیں ہر قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور سلطان کا اتنا وقت ضرور مل جائے گا کہ وہ نظام اور مرہٹوں سے فارغ ہو کر انگریزوں کو راہِ راست پر لا سکیں۔

لیکن تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ سُلطان ایک لامتناہی عرصہ کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی اور ہندوستان کی دو عظیم طاقتوں کا مقابلہ کر سکے گا؟

لیگرانڈ نے جواب دیا۔ جب میں پیرس میں فوجی اسکول میں تعلیم پاتا تھا تو میرا صرف یہی خیال تھا کہ جب صرف فتح کے لیے لڑی جاتی ہے لیکن یہاں آ کر میں نے ایک نیا سبق سیکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی کے بعض مقاصد ایسے بھی ہیں جو انسان کو فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں کودنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

تم ان مقاصد پر یقین رکھتے ہو؟

ہاں اگر میں ان مقاصد پر یقین نہ رکھتا تو آپ کا پیغام سُننے کے بعد فوراً یہ جواب دیتا کہ ہمیں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔ میں سُلطان کی فتح کے متعلق بھی مایوس نہیں ہوں۔ کیا یہ ایک معجزہ نہیں کہ میسور کی سلطنت اپنے محدود وسائل کے باوجود گزشتہ جنگ میں نظام اور مرہٹوں کی متحدہ قوت کو شکست دے چکی ہے اور انگریز جنہوں نے کلکتہ سے لے کر اودھ تک اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں اور جن کی فوجی قوت نے ہمیں مشرق سے اپنے پاؤں سمیٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حیدر علی کے زمانہ سے لے کر آج تک درپے حملوں کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہم اس جنگ میں اس شخص کے حلیف نہیں بن سکے جو انگریزوں کے خلاف ہمارا بہترین ساتھی بن سکتا تھا۔ سلطان ٹیپو کا انجام خواہ

کچھ ہوایک بات یقینی ہے کہ اب مشرق میں فرانس کا مستقبل تاریک ہو چکا ہے، ہم پانڈی چری سے اس وقت اپنی فوجیں نکال رہے ہیں جس کہ ان کی اشد ضرورت تھی۔ ہمارے غیر جانبدار رہنے کی صورت میں بھی وہاں فرانس کے آٹھ دس ہزار سپاہیوں کا اجتماع انگریزوں کو جنگ سے باز رکھ سکتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے سُلطان کے ساتھ بدعہدی کی ہے اورقدرت ہمارا یہ جُرم معاف نہیں کرے گی۔

اس مسئلہ میں فرانس کا ہر دُور اندیش آدمی تمہارا ہم خیال ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جب انگریز پانڈی چری پر قبضہ کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے تو اُن کی نگاہوں میں معاہدہ وارسلیز کی تقدیس معاہدہ منگلور سے زیادہ نہیں ہوگی۔

رات کی وقت انور علی کے گھر فرانسسک کی دعوت تھی۔ موسیولالی لیگرانڈ اور فوج کے چند اور دیسی اور فرانسیسی افسر دستر خوان پر مُوجود تھے۔ جین زنان خانے میں انور علی کی والدہ اور چند افسروں کی بیویوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔

انور علی کے ایک دوست کی بیوی نے فرحت سے کہا۔ چچی جان آپ بھائی انور کی شادی کب کریں گی؟

فرحت نے جواب دیا۔ تمہاری بھائی کی شادی سے پہلے مجھے کسی لڑکی کو تلاش کرنا پڑے گا۔

ایک اورعورت بولی۔ چچی جان سرنگا پٹم کو وہ کون سا خاندان ہے جو آپ کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہوئے فخر محسوس نہیں کرے گا؟

فرخت نے جواب دیا۔ رشتے تو بہت ہیں لیکن ابھی تک میرے بیٹے کو شادی کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اب اس نے بڑی مشکل سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد کوئی عذر پیش نہیں کرے گا۔

ایک شوخ لڑکی نے آہستہ سے جین کے کان میں کہا۔ جین اگر میں مرد ہوتی تو تمہیں دیکھ لیتی تو مجھے تمام عمر کوئی لڑکی پسند نہ آتی۔

جین نے قدرے تلخ ہو کر کہا۔ میں تمھارا مطلب نہیں سمجھی؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تم بہت حسین ہو اور اگر انور علی یہاں کی لڑکیوں کو تمہارے معیار پر پرکھنے کی کوشش کی تو چچی جان کے لیے اس کی پسند کا رشتہ تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا۔

جین نے کہا۔ لیکن تمہیں یہ خیال کیسے آیا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے انور علی کا معیار پست تھا۔

جین بیٹی کیا بات ہے؟ فرحت نے دستر خوان کے دوسرے سرے سے سوال کیا۔

جی کچھ نہیں۔

چند عورتیں کھانا کھاتے ہی اپنے گھروں کو چلی گئیں لیکن باقی وہیں بیٹھی رہیں، نو بجے کے قریب فرحت کا چہرہ مغموم دکھائی دیتا تھا اور جین مہمان عورتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بالآخر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور آگے بڑھ کر فرحت کے قریب بیٹھ گئی۔

آپ کو مراد علی کے متعلق فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے کہا۔

فرحت نے شفقت سے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ بیٹی اس عمر میں ایک بیوی کے لیے یہ آزمائش بہت کڑی ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید انور علی چند دن میرے پاس رہے گا لیکن وہ بھی آج ہی جا رہا ہے۔

کب؟ جین نے چونک کر سوال کیا۔

ابھی تھوڑی دیر تک وہ یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔

لیکن انہوں نے ہمیں نہیں بتایا۔

بیٹی اس کا خیال تھا کہ بعض مہمانوں کے لیے یہ دعوت بے لطف ہو جائے گی۔ پھر وہ کسی ایسی مہم پر جا رہا ہے جس کے متعلق کوئی خبر ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔

خادمہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے فرحت کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

فرحت اس سے کچھ پوچھے بغیر اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

جین نے اپنے دل میں ناخوشگوار اور دھڑکنیں محسوس کیں۔ چند منٹ توقف کے بعد وہ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ اس کا اندازہ صحیح تھا۔ صحن میں انور علی اپنی ماں کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی آگے بڑھی اور ان سے تھوڑی دُور برآمدے کے ایک ستون کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

انور علی کہہ رہا تھا۔ امی جان آپ کو فکر مند نہیں ہونا چاہیے مجھے یقین ہے کہ یہ جنگ بہت جلد ختم ہو جائے گی اور ہم سرخرو ہو کر واپس آئیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری فوج کے یورپین سپاہی بھی بہت جلد یہاں سے کُوچ کر جائیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ لیگرانڈ کی غیر حاضری کے دوران میں جین کو اپنے پاس بُلا لیں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔

ماں نے کہا۔ لیکن تم جین کو الوداع نہیں کہو گے؟

امی جان اب وقت نہیں آپ میری طرف سے معذرت کر دیجیے گا۔

جین آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی۔

انور علی نے اپنی ماں کو خدا حافظ کہا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا صحن سے باہر نکل گیا۔

فرحت دیر تک دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔

جین قدرے توقف کے بعد آگے بڑھی اور اس نے فرحت کے قریب پہنچ کر مغموم لہجے میں کہا۔ امی جان چلیے۔

فرحت نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

باہر مہمان خانے میں انور علی کے دوست کھانا کھانے کے بعد خوش گپیوں میں مصروف تھے ایک نوجوان نے پوچھا۔ بھئی انور علی بہت دیر لگائی وہ کہاں چلے گئے ہیں؟

لیگر انڈ نے جواب دیا۔ وہ کسی ضروری کام سے اندر گئے ہیں ابھی آ جائیں گے۔

چند منٹ بعد انور علی کمرے میں داخل ہوا اور فرانسسک نے کہا۔ موسیو آپ نے بہت دیر لگائی۔

انور علی نے جواب دیا۔ معاف کیجیے میں اپنی امی جان سے رخصت لینے گیا تھا۔

آپ کہیں جا رہے ہیں؟

ہاں۔

کہاں؟

یہ مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے دس بجے مستقر میں حاضری دینی ہے اور اس کے بعد رات کو کسی وقت ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہے۔

لیکن آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا ورنہ میں آپ کو اس تکلف کی اجازت نہ دیتا۔

میں نے کوئی تکلف نہیں کیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مجھے آپ کی خدمت کا زیادہ موقع نہیں ملا۔

مہمان اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور لالی نے کہا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں بھی رخصت لینی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد مہمان کمرے سے باہر نکل کر ڈیوڑھی کے سامنے کھڑے تھے اور انور علی باری باری ان سے مصافحہ کر رہا تھا۔ جب لیگرانڈ کی باری آئی تو اس نے کہا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے دستے کو بھی یہاں سے بہت جلد کوچ کرنا پڑے گا اور ہماری دوسری ملاقات جنگ کے کسی میدان میں ہو گی۔

لیگرانڈ نے کہا۔ اگر ہمیں کسی دوسرے محاذ پر بھیجا گیا تو ہماری ملاقات بہت جلد ہو گی۔

موسیو لالی نے مجھے بتایا ہے کہ ہمیں دو دن کے اندر اندر یہاں سے کوچ کرنا پڑے گا۔

بہت اچھا۔ اب مہمانوں کو رخصت کرنا آپ کے ذمے ہے۔

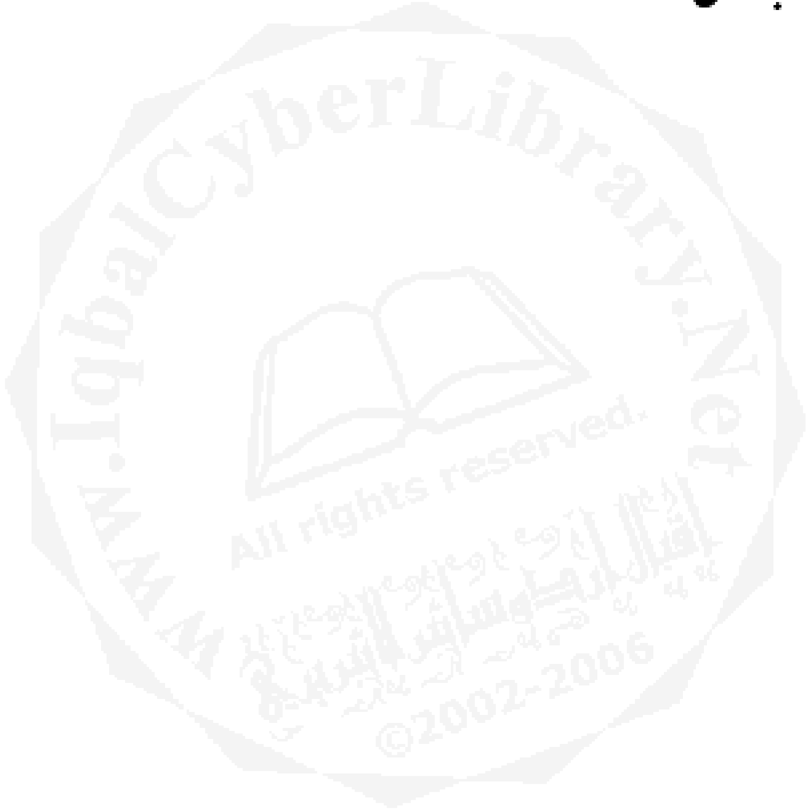
انور علی کا نوکر پاس ہی گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ شوخ اور تند گھوڑا چھلانگیں لگاتا ہوا رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد لیگرانڈ، فرانسسک اور جین کے ساتھ اپنے مکان کا رُخ کر رہا تھا۔ راستے میں فرانسسک نے پوچھا۔ لیگرانڈ جب انور علی کھانا کھاتے ہی اُٹھ کر باہر نکل گیا تھا تو تمھیں معلوم تھا کہ وہ اپنی والدہ سے رُخصت لینے گیا ہے؟

جی ہاں۔اس نے مجھے بتایا تھا کہ مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہی کسی مہم پر روانہ ہو جاؤنگا۔

لیکن تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟

انور علی نے مجھے منع کیا تھا۔یہ لوگ کھانے کے وقت اپنے مہمانوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔



چودھواں باب

"دشمن ہمارے جاسوسوں کی اطلاع سے پہلے ہمارے سر پر پہنچ چکا ہے۔ کرنل فلائڈ کے دستے اس کا راستہ نہیں روک سکے۔ ہمارے لیے کوئمبتور کی طرف پسپا ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

پیشتر اس کے کہ جنرل میڈوز اس قسم کی ناقابلِ یقین اطلاعات کی تصدیق کر سکتا۔ سُلطان ٹیپو کی افواج ایک حیرت انگیز رفتار کے ساتھ یلغار کر کے سیتا منگلم کے قلعے پر قبضہ کر چکی تھیں اور کرنل فلائڈ اپنا توپ خانہ اور سامانِ رسد کی سینکڑوں گاڑیاں دشمن کے قبضہ میں چھوڑ کر بھاگ رہا تھا۔ ستیا منگلم سے اُنیس میل دور انگریزوں کی شکست خوردہ فوج مکمل طور پر دشمن کے نرغے میں آ چکی تھی۔ لیکن عین اس وقت جبکہ میسور کے طوفانی دستے فیصلہ کُن حملہ کر چکے تھے اور انگریزوں کی مکمل تباہی یقینی ہو چکی تھی۔ میسور کی فوج کا قابل ترین جرنیل اور سُلطان کا برادرِ نسبتی برہان الدین شہید ہو گیا اور وہ سپاہی اور افسر جو اسے سُلطان ٹیپو کے بعد میسور کے اسلحہ خانے کی بہترین تلوار سمجھتے تھے، دشمن کے بچے کھچے دستوں کا تعاقب کرنے کی بجائے اس کی لاش کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

سرنگا پٹم سے سلطان کی روانگی اور انگریزوں کی اس عبرتناک شکست کے درمیان صرف بارہ دن کا وقفہ تھا اور ان بارہ دنوں میں کم از کم آٹھ دن ایسے تھے جب کہ انگریزی فوج سلطان کی پیش قدمی سے قطعاً بے خبر تھی اور باقی چار دنوں میں انگریز اتنا نقصان اُٹھا چکے تھے کہ ان کی جارحانہ جنگ مدافعانہ لڑائی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ تاہم سُلطان کے نزدیک کوئی بڑی سے بڑی کامیابی بھی برہان الدین کا بدل نہیں ہو سکتی تھی۔

عشرہ محرم میں دریائے بھوانی کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کے بعد سلطان نے پیش قدمی کی اور ایروڈ پر قبضہ کرلیا۔ اس عرصہ میں کرنل فلائڈ کے بقیۃ السیف دستے کوئمبٹور میں جنرل میڈوز کی فوج کے ساتھ شامل ہو چکے تھے اور پال گھاٹ سے انگریزی فوج کی ایک اور ڈویژن بھی، جسے سلطان کی اچانک پیش قدمی کے باعث واپس بُلا لیا گیا تھا۔ کوئمبٹور پہنچ چکی تھی۔ سلطان نے ایروڈ سے جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور اچانک انگریزوں کی اس فوج کا راستہ روک لیا جو کرور سے رسد اور جنگی سامان کے بہت بڑے زخیرے لے کر کوئمبٹور کا رُخ کر رہی تھی۔ جنرل میڈوز نے یہ اطلاع پاتے ہی کوئمبٹور سے پیش قدمی کی۔ لیکن کوئمبٹور سے چند منازل دُور پہنچ کر اُسے یہ اطلاع ملی کہ سلطان ٹیپو اس کی رسد اور کمک کے قافلے پر حملہ کرنے کی بجائے راتوں رات مینار کر کے کوئمبٹور پہنچ چکا ہے۔ جنرل میڈوز بدحواس ہو کر اپنے ہیڈ کوارٹر کو بچانے کے لیے واپس مُڑا لیکن راستے میں اُسے اطلاع ملی کہ میسور کا لشکر کوئمبٹور کی بجائے دھاراپورم کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔

دو دن بعد اُسے یہ اطلاع ملی کی دھاراپورم کے قلعے پر اب ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے سلطان کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کے بعد جنرل میڈوز کو یہ معلوم نہ تھا کہ سُلطان ٹیپو کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ کوئمبٹور میں ٹھہرنا کوئمبٹور سے باہر نکل کر کسی اور میدان میں سُلطان کا مقابلہ کرنا اپنے لیے یکساں خطرناک سمجھتا تھا۔ کوئمبٹور کی جنگ کا نقشہ سراسر بدل چکا تھا اور پہل اب مکمل طور پر سلطان ٹیپو کی ہاتھ میں تھی۔ جنرل میڈوز کے لیے صرف ایک خبر حوصلہ افزا تھی اور وہ یہ کہ بنگال کی جس فوج نے بارہ محل کی طرف پیش قدمی کی تھی وہ میسور کی چند سرحدی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد کرشن گری تک پہنچ چکی تھی۔

سُلطان ٹیپو، قمر الدین خاں کی کمان میں فوج کے چند دستے چھوڑ کر اچانک دھاراپورم سے نکلا اور چند دن بعد جنرل میڈوز حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ خبر سن رہا تھا کہ کرشنا گری کی طرف پیش قدمی کرنے والی انگریزی سپاہ کا ہراول سلطان کے طوفانی دستوں کے ہاتھوں بُری طرح پٹ چکا ہے۔ اور بنگال سے آنے والی کمک کے دس ہزار سپاہیوں کے مکمل طور پر کٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ جنرل میڈوز نے فوراً بارہ محل کی طرف پیش قدمی کی۔ سلطان ٹیپو انگریزوں کی دو طاقتور افواج کے درمیان گھر جانے کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر اس کی فوج اپنے بھاری توپ خانے اور پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ پہاڑوں اور جنگلوں کے راستے پینتالیس میل سفر کر کے بالا گڈھ کے درے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

جنرل میڈوز کی افواج کاویری پنام کے مقام پر بنگال کی افواج سے آملیں اور متحدہ لشکر نے سلطان کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے درہ تھوپور کی طرف پیش قدمی کی۔ جنرل میڈوز نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن اسے سلطان کا راستہ روکنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس ناکامی کے بعد جنرل میڈوز سرے حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ سُلطان اچانک درہ عبور کر کے ایک آندھی کی طرح کرناٹک کے طرف بڑھا۔ اور جنرل میڈوز جو میسور کے وسطی اضلاع کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک بار ایک غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کر رہا تھا۔ چند دنوں میں کئی اہم قلعوں پر قبضہ کرنے کے بعد سُلطان کا لشکر ترچناپلی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

جنرل میڈوز کے وسطی اضلاع پر حملے کا خیال چھوڑ کر ترچناپلی کی حفاظت کے لیے مغرب کی طرف بڑھا لیکن اس اثنا میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا

تھا۔ جنگ کے آغاز میں جنرل میڈوز نے جو شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں وہ اب عبرتناک شکستوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ انگریزوں کے لیے اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ انہوں نے فوراً کوئی شاندار کامیابی حاسل نہ کی تو نظام اور مرہٹے مایوس اور بددل ہو کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ترچناپلی سے تھوڑی دُور جنرل میڈوز کو یہ اطلاع ملی کے لارڈ کارنوالس فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے کلکتہ سے مدراس پہنچ چکا ہے۔

جنگ کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا جنرل میڈوز کی عظیم فوج کئی محاذوں پر شکست کھا چکی تھی۔ اس کے بہترین جرنیل سلطان ٹیپو کی جنگی چالوں کے مقابلے میں عاجز تھے۔ شیر میسور نے ترچناپلی کی تسخیر وقت ضائع کرنے کی بجائے فرانسیسوں کی اعانت حاصل کرنے کی اُمید پر پانڈی چری کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور کارنوالس ارکاٹ سے لے کر مدارس تک مغربی ساحل پر اپنے تمام اہم قلعوں کے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا۔ انگریزوں نے گزشتہ چند ماہ میں اگر کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل کی تھی تو وہ یہ تھی کہ مشرق اور مغرب کے کئی محاذوں پر سُلطان کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر بمبئی کی فوج نے کنانور اور مالابار کے چند اور قلعوں پر کسی قابلِ ذکر مدافعت کا سامنا کیے بغیر قبضہ کر لیا تھا۔

شمال کے محاذ پر نظام اور مرہٹوں کی افواج نے سرنگاپٹم سے ٹیپو کی پیش قدمی کی اطلاع پاتے ہی حملہ کر دیا تھا۔ لیکن ابھی تک انہیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ مرہٹے چند غیر اہم سرحدی چوکیوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی ساری قوت دھاڑ واڑ کا قلعہ پر قبضہ کرنے پر صرف کر رہے تھے اور یہاں بدرالزماں خاں کی قیادت میں سُلطان کے دس ہزار جانباز مسلسل چار ماہ سے انہیں عبرتناک شکستیں

دے رہے تھے اور نظام کی فوج کی کارگزاری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی ساری قوت صرف کرنے کے باوجود کوپال کا قلعہ فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔

ایک رات پانڈی چری سے کچھ دُور سلطان کے پڑاؤ میں چند سر پٹ سوار داکل ہوئے وہ سلطان کے خیمے کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے اور ان میں سے ایک تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ یہ انور علی تھا۔

دروازے پر پہرے داروں نے اسے سلامی دی اور ایک افسر نے ہاتھ کے اشارے سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جناب آپ کچھ دیر انتظار کریں سلطانِ معظم اس وقت بہت مصروف ہیں۔

لیکن انور علی نے برہم ہو کر جواب دیا۔ تم میرا وقت ضائع کر رہے ہون۔ اور کسی جھجک کے بغیر خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔

سلطان ایک کشادہ میز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے دائیں بائیں اور سامنے فوج کے آٹھ چیدہ چیدہ افسر کھڑے تھے۔ انور علی نے آگے بڑھ کر سلام کیا ور وہ افسر جو سلطان کے سامنے کھڑے تھے ایک طرف ہو گئے۔

سلطان نے کہا۔ انور علی تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے ہو!

انور علی نے کہا۔ عالیجاہ! کارنوالس چتوڑ سے صرف بارہ میل دُور رہ گیا ہے ہم نے کل شام ارکاٹ اور چتوڑ کے درمیان اس کی رسد لے جانے والی فوج پر حملہ کیا تھا اور ۱۳۰ گاڑیاں چھین لی تھیں۔ ہمارے آٹھ اور دشمن کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک ہوئے۔ سپہ سالار کا خیال ہے کہ کارنوالس بنگلور کا راستہ صاف کرنے کے لیے کولار پر قبضہ کرنے کی کوشش کریگا اور کولار کی فوج موجودہ نفری کے ساتھ چند گھنٹوں سے زیادہ اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔

میں تمہارے آنے سے پہلے سید احمد کو یہ حکم بھیج چکا ہوں کہ اسے سر دست دشمن کا سامنا کرنے کی بجائے صرف اس کے عقب میں حملہ کرنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔

لیکن عالیجاہ منگلور کے لیے خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

ہمیں معلوم ہے۔ لیکن ہمارے سامنے صرف ایک خطرہ نہیں۔ تم ایسے وقت آئے ہو جب ہمیں کولار سے زیادہ اہم محاذ پر تمہاری خدمات کی ضرورت ہے ہم تمہیں دھاڑوار بھیجنا چاہتے ہیں۔ بدرالزمان نے اطلاع بھیجی ہے کہ دھاڑوار میں بارود کے ذخیرے ختم ہونے والے ہیں اور دشن کے محاصرے نے اکثر سپاہیوں کو بددل کر دیا ہے۔ تم یہاں پانچ سو سپاہی لے کر آج ہی پچھلے پہر روانہ ہو جاؤ۔ بارود اور رسد کی گاڑیاں تمہیں راستے میں چتل ڈرگ سے مہیا کی جائینگی۔ دھاڑوار میں چند اچھے توپچیوں کی ضرورت ہے اور لالی اپنے توپ خانے کے چند آدمی تمہارے راستے روانہ کرے گا۔ اب تمہارے ذمے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ تم جلد از جلد چتل ڈرگ سے اسلحہ اور بارود لے کر دھاڑوار پہنچ جاؤ۔ دشمن کی نظروں سے بچ کر قلعے میں داخل ہونا ایک مشکل کام ہے لیکن میں تمہاری ذہانت اور فرض شناسی پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ تمہارے ذمہ دوسرا کام یہ ہے کہ تم قلعے کے محافظوں کے حوصلے بلند رکھو اور بدرالزمان کو میرے طرف سے یہ پیغام دو کہ میں دھاڑوار کو سرنگاپٹم کا دروازہ سمجھتا ہوں۔ یہ اس کا فرض ہے کہ وہ دھاڑوار کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے، اُسے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ صرف ہمارے ایک دُور افتاد قلعے کی حفاظت کر رہا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ مرہٹوں کو دھاڑ واڑ میں روک کر ہمیں انگریزوں کے ساتھ نپٹنے کا موقع دے رہا ہے۔ اگر اس نے دھاڑوار کا قلعہ خالی کر دیا تو مرہٹے تمام شمالی اضلاع میں تباہی کا طوفان کھڑا دیں گے۔

چترال ڈرگ سے آگے دشمن کی نظروں سے بچ کر دھاڑ واڑ پہنچنے کے لیے تمھیں ایک تجربہ کار رہنما کی ضرورت پڑے گی۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ڈھونڈیا داغ کو اپنے ساتھ لے جاؤ صبح روانہ ہونے سے پہلے تمھیں تحریری احکام مل جائیں گے۔

رات کے پچھلے پہر کسی نے انور علی کو بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا اور اس نے گہری نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ خیمے کے ایک کونے میں چراغ روشن تھا۔ اس کا اردلی اور ڈھونڈیا داغ اس کے بستر کے قریب کھڑے تھے۔

چار بجنے والے ہیں۔ ڈھونڈیا غ نے کہا۔

تم نے مجھے تین بجے کیوں نہیں جگایا؟ انور علی نے غصے سے اردلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اردلی کی بجائے ڈھونڈیا داغ نے جواب دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں نے اسے کہا تھا کہ سپاہیوں کے تیار ہونے تک آپ کو آرام کرنے دے۔ آپ چار بجے روانہ ہونا چاہتے تھے اور ابھی چار بجنے میں چند منٹ باقی ہیں۔

میں اندر آسکتا ہوں؟ کسی نے باہر سے فرانسیسی زبان میں کہا۔

کون؟ لیگر انڈ آیئے!

لیکن آپ اس وقت؟ انور علی نے اسکی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کاہ۔

میں آپ کیس اتھ جا رہا ہوں۔ اور مجھے آپ سے شکایت ہے کہ رات آپ نے موسیو لالی سے جو سات آدمی مانگے تھے ان میں میرا نام نہیں تھا۔

موسیو لالی نے اپنے مرضی سے آدمیوں کا انتخاب کیا تھا لیکن اگر وہ مشورہ

لیتے تو بھی میں انہیں یہ نہ کہتا کہ مجھے اس مہم کے لیے تمہاری ضرورت ہے۔

کیوں؟

اس لیے کہ موسیو لالی کو یہاں آپ کی زیادہ ضرورت ہے اور مجھے یقین تھا کہ وہ آپ کو کہیں اور بھیجنا پسند نہیں کریں گے۔

لیگرانڈ نے کہا۔ موسیو لالی سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت لینے کے لیے مجھے بے حد اصرار کرنا پڑا۔

آپ کو اصرار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انور علی نے قدرے برہم ہو کر کہا۔ پھر وہ ڈھونڈیا واغ کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ تھوڑی دیر خیمے سے باہر انتظار کریں۔ مجھے لباس تبدیل کرنے میں دو منٹ لگیں گے۔

ڈھونڈیا واغ، انور علی کا اردلی اور لیگرانڈ خیمے سے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد انور علی کی کمان میں پانچ سو سوار شمال مغرب کا رُخ کر رہے تھے۔ ڈھونڈیا واغ کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ کسی سپاہی یا افسر کو یہ جاننے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کون سا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔

ڈھونڈیا واغ چھینا گری سے ایک مرہٹہ خاندان کا چشم و چراغ تھا اور وہ ان حریت پسندوں میں سے ایک تھا جو حیدر علی کو ہندوستان کی آزادی کا پاسبان سمجھ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ میسور کی پنڈارہ فوج کے ایک دستے کی کمان حاصل کرنے کے بعد وہ انگریزوں اور مرہٹوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا اور سلطان ٹیپو کے ایک جاں نثار کی حیثیت میں اس نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ انولے رنگ اور میانے قد کا یہ انسان جس کی آنکھیں چیتے کی طرح چمکتی تھیں اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لیے ایک معمّا تھا۔ جنگ اس کے لیے ایک

کھیل تھا۔ وہ کئی کئی میل پیدل بھاگ سکتا تھا اور تھکاوٹ، بھوک، پیاس اور نیند کا احساس کیئے بغیر پہروں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ سکتا تھا۔ اسے دن کی روشنی کی بجائے رات کی تاریکی زیادہ پسند تھی۔ میسور کے جنگلوں اور پہاڑوں کے تمام راستے اس کے دل پر نقش تھے۔ مرہٹے جنہیں اس نے گزشتہ جنگلوں میں سب سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا اس کے سر کے لیے انعام مقرر کر چکے تھے اور اب وہ انور علی کے ساتھ دھاڑواڑ کا رُخ کرتے ہوئے اس بات پر مسرور تھا کہ اُسے ایک ایسے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے جہاں اُسے اپنے جوہر دکھانے کے لیے بہترین موقع میسر آسکتے ہیں۔

ایک ندی عبور کرنے کے بعد اس نے اپنا گھوڑا انور علی کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا میں یہاں بے کار تھا۔ رات کے وقت پہریداروں میں شامل ہو کر دشمن کے پڑاو کی سیر کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی دلچسپی ہے میں چہرے پر غازہ مل کر بھی انگریزوں کو دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے اُن کی زبان نہیں آتی۔ لیکن مرہٹوں کے پڑاؤ میں تو میں دن کے وقت بھی یہ محسوس کیا کرتا ہوں کہ میں اپنے گاؤں میں پھر رہا ہوں۔

لارڈ کارنوالس نے مختلف محاذوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکست خوردہ افواج کو جمع کرنے کے بعد پیش قدمی کی اور رولور، چتوڑ اور پامانیر کے درمیان ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد میسور میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا رُخ منگلور کی طرف تھا۔ سُلطان ٹیپو ترچناپلی سے یلغار کرتا ہوا منگلور پہنچا۔ راستے میں ہی اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ منگلور کا فوجدار سید پیر اور ایک اور فوجی افسر راجہ رام چندر دشمن کے ساتھ سازباز کر رہے ہیں۔ سلطان نے منگلور پہنچتے ہی انہیں گرفتار کر لیا اور بہادر

خاں کو جو اس سے قبل کرشنا گری کے فوجدار کی حیثیت سے قابلِ قدر خدمات انجام دے چکا تھا۔ منگلور کا محافظ مقرر کیا۔ اس عرصہ میں لارڈ کارنوالس کسی قابلِ ذکر مدافعت کا سامنا کیے بغیر کولار اور ہوسکوٹ پر قبضہ کر چکا تھا۔ سلطان منگلور کی حفاظت کے لیے دو ہزار سپاہی چھوڑ کر انگریزی فوج کے مقابلے کے لیے نکلا۔ اس نے منگلور سے دس میل کے فاصلے پر انگریزی فوج کے عقب میں حملہ کر کے رسد اور بارود کی کئی گاڑیاں چھین لیں۔

اگلی شام میسور کے ایک ہزار سوار اچانک کمپنی کی اس فوج کے سامنے نمودار ہوئے جو کرنال فلائڈ کی کمان میں منگلور کی مشرقی جناب پہنچ چکی تھی۔ کرنل فلائڈ نے ان پر حملہ کیا اور میسور کے سوار کچھ دیر سختی سے مقابلہ کرنے کے بعد جنوب مغرب کی طرف ہٹ گئے۔ فلائڈ نے ان کا تعاقب جاری رکھا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سلطان کی پوری فوج کی زد میں آچکا ہے۔ سُلطان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ آن کی آن میں انگریز سواروں کے دستے چار سو لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ فلائڈ بذاتِ خود زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ لیکن اس کے ساتھی اسے نکال کر لے گئے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے رات ہو چکی تھی اور میسور کے سواروں نے تاریکی میں دشمن کا تعاقب کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اگلی صبح ایک سو زخمی انگریز جنہیں سلطان کے سپاہیوں نے قید کر لیا تھا لارڈ کارنوالس کے کیمپ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ سُلطان نے ہماری مرہم پٹی کرنے کے بعد ہمیں رہا کر دیا ہے اور ہمیں بخشیش کے طور پر ایک ایک روپیہ دیا ہے۔

کارنوالس کے میدان میں آتے ہی جنگ ایک نئے دور میں داخل ہو چکی تھی اور نظام

اے یہاں میسور سے مُراد سلطنتِ خداداد نہیں بلکہ میسور کا ضلع ہے۔

اور مرہٹے انگریزوں کو اپنی نمائش کارگزاری دکھانے کی بجائے پوری قوت میدان میں لا چکے تھے۔ سلطان ٹیپو نے اپنی فوج کا ایک حصہ اہم قلعوں کی حفاظت کے لیے شمال کی طرف منتقل کر دیا۔ اب دشمن کے ساتھ کسی ایک میدان میں جم کے لڑنے کی بجائے اس کی کوشش یہ تھی کہ اہم ترین محاذوں پر اس کی رسد اور کمک کے راستے مسدود کر دیے جائیں اور اس کے بعد پے در پے حملوں سے اسے ہراساں کیا جائے۔ چنانچہ بنگلور کے سامنے ڈیرہ ڈالنے کے بعد لارڈ کارنوالس یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک دلدل میں پھنس چکا ہے۔ ارکاٹ سے اس کے گھوڑوں کے لیے چارے اور سپاہیوں کے لیے غلے کی جو گاڑیاں آتی تھیں۔ ان میں سے بیشتر میسور کے چھاپہ مار دستوں کے قبضہ میں چلی جاتی تھیں۔

سُلطان نے فلائڈ کے دستوں کو شکست دینے کے بعد منگلور سے چند میل دُور ہٹ کر کنگری میں اپنا عارضی مستقر بنا لیا۔ کارنوالس نے اس امید پر منگلور کی طرف پیشقدمی کی تھی کہ نظام اور مرہٹوں کی فوجیں منگلور کی فتح میں حصہ دار بننے کے لیے پہنچ جائیں گی لیکن وہ الٹا اسے اپنی مدد کے لیے شمال کا رُخ کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ وقت اب لارڈ کارنوالس کے خلاف جا رہا تھا اور اُسے اپنی ابتدائی کامیابیاں اپنے تازہ نقصانات کے مقابلے میں بے حقیقت معلوم ہوتی تھیں۔ رسد اور چارے کی کمی پورا کرنے کے لیے وہ منگلور پر فوراً قبضہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ فوجی لحاظ سے بھی جنوب مشرق کے ہر شہر کے مقابلے میں منگلور کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ منگلور کی کشادہ سڑکیں، عالیشان مکانات اور تجارتی منڈیاں ہندوستان بھر میں مشہور تھیں۔ صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی یہ شہر سرنگا پٹم کے سوا ہندوستان

کے تمام شہروں سے آگے تھا۔ سلطان کی فوج کے لیے اسلحہ اور بارود کی ضرورت کا ایک بڑا حصہ یہیں کے کارخانوں سے پُورا ہوتا تھا۔ اس شہر کے فیصل کے گرد بیس فٹ گہری خندق تھی جو بانس اور خاردار جھاڑیوں کے گھنے جنگل سے گھری ہوئی تھی۔ شہر کے چار دروازے کافی مضبوط تھے، قلعہ شہر کے جنوبی کنارے پر تھا جس کا رقبہ قریباً ایک مربع میل تھا اور اس کی بلند اور کشادہ فصیل پر چھبیس بُرج تھے اور ہر برج میں تین تین توپیں نصب تھیں۔ شہر کی طرح قلعے کی خندق بھی کافی گہری تھی۔

۷ مارچ کے دن انگریزوں نے شہر پر حملہ کیا اور منگلور کی فضا انگریزوں کی بھاری توپوں کے دھماکوں سے گونج اٹھی۔ پھر ایک گھمسان کی جنگ اور شدید نقصانات کے بعد انگریزوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور محافظ فوج قلعے کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ شہر کی بیشتر آبادی انگریزوں کے حملے سے پہلے ہی وہاں سے ہجرت کر چکی تھی۔ تاہم اب تک ہزاروں مرد اور عورتیں انگریزوں کی وحشت اور بربریت کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنی آنکھوں سے بے کس عورتوں پر اپنے سپاہیوں کی دست اندازی دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے ان کی چیخ و پکار سُن رہا تھا اس کے ساتھ مورخ بھی تھے جنہیں لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کا نجات دہندہ اور سُلطان ٹیپو کو ایک جابر اور ظالم حکمران ثابت کرنے کی خدمت سونپی گئی تھی۔ لیکن انگریزی فوج کی لوٹ مار، سفاکی اور بربریت کے متعلق کے متعلق ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ کارنوالس کی فوج نے مالِ غنیمت میں لاکھوں روپے کے زیورات جمع کیے۔ غلے اسلحہ اور بارود کے چند بڑے بڑے ذخیرے بھی ان کے ہاتھ آگئے لیکن میسور کے سپاہی چارے کے بیشتر درختوں کو آگ لگا چکے تھے۔

سُلطان ٹیپو کے لیے منگلور کے شہر کا اتنی جلدی فتح ہو جانا غیر متوقع تھا۔ اس نے فوراً کنگری سے پیش قدمی کی اور چند گھنٹوں کے اندر اندر منگلور کے سامنے پہنچ گیا۔ پہلے حملے میں چھ ہزار سپاہی شہر میں داخل ہو گئے لیکن انہیں زیادہ دیر شہر پر قبضہ رکھنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ تاہم شہر پر سلطان کا پہلا حملہ پسپا کرنے میں لارڈ کارنوالس کی خوشی بہت عارضی ثابت ہوئی۔ سلطان ٹیپو نے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں لڑنے کا خیال چھوڑ کر باہر قلعے کی جنوب مغرب کی طرف ان بلند ٹیلوں پر قبضہ کر لیا جہاں سے انگریز پر کامیابی کے ساتھ گولہ باری کی جا سکتی تھی۔ لارڈ کارنوالس اپنی تمام طاقت قلعے کی طرف مرکوز کر چکا تھا۔ لیکن پندرہ دن کے پے در پے کوششوں کے بعد ابھی اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کی توپوں نے مسلسل گولہ باری کے بعد قلعے کی فصیل کے ایک حصے میں جو شگاف ڈالا تھا وہ باہر سے اس ٹیلے کی زد میں تھا جہاں سُلطان کی توپیں نصب تھیں اور یہ توپیں شگاف کی طرف دھاوا بولنے والی فوج پر کامیابی کے ساتھ گولہ باری کر سکتی تھیں۔

لارڈ کارنوالس اپنی خواہش کے بغیر مدافعانہ جنگ لڑنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ اس نے ایک طرف قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف سلطان کی فوج کے ہاتھوں محصور تھا جو ضرورت کے مُطابق ہر وقت اپنی پوزیشن بدل سکتی تھی۔ ایک طرف قلعے کے محافظ اس کی فوجوں پر گولہ باری کر رہے تھے اور دوسری طرف باہر سے سُلطان کا توپ خانہ اُن پر آگ برسا رہا تھا۔ شہر میں چارے کی کمی کے باعث انگریزوں کے گھوڑے اور بیل بھوکے مر رہے تھے اور لارڈ کارنوالس کے لیے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ چند دن بعد اس کی بہترین سوار فوج گھوڑوں سے محروم ہو جائے گی اور منگلور سے کسی دوسرے محاذ کا رُخ کرتے وقت اسے اپنے سامان کی

گاڑیاں یہیں چھوڑنی پڑیں گی۔ لیکن جہاں جنگی قابلیت اور مردانگی جواب دے چکی تھی وہاں عیاری کام آئی۔ جہاں قلعے کے مٹھی بھر محافظ آخری فتح کی اُمید پر پوری جرات کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے وہاں چند غداروں نے دشمن کی کامیابی کا راستہ کھول دیا۔ ان غداروں کا سرغنہ کرشن راؤ تھا۔

حملے سے پہلے انگریزوں کو کرشن راؤ کی طرف سے ہدایات موصول ہو چکی تھیں کہ تم فلاں رات فلاں وقت قلعے کی فصیل کے فلاں حصے پر حملہ کرو تو مجھے اپنے استقبال کے لیے موجود پاؤ گے۔ پہرے داروں کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔ کارنوالس نے اس کی ہدایات پر عمل کیا قلعے کے محافظ کو اس غداری کا اس وقت پتہ لگا جب آدھی رات کے وقت انگریزی فوج کے چند دستے قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ بہادر خان اور اس کے ساتھ ایک ہزار جانباز لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ تین سو مجاہد جن میں سے بیشتر زخمی تھے قید کر لیے گئے اور باقی بچ کر نکل گئے انگریزوں نے اس فتح کی جو قیمت ادا کی وہ بھی کم نہ تھی۔ ٹیپو کو جب اس غداری کا علم ہوا تو اس نے فوراً دو ہزار سپاہی قلعے کے محافظین کی مدد کے لیے روانہ کیے۔ لیکن اس عرصہ میں قلعے پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا۔

منگلور کا انگریزوں کے ہاتھ میں چلے جانا سُلطان کے لیے ناقابلِ تلافی تھا لیکن اس سے بڑا نقصان بہادر خان کی موت تھی۔ بُرہان الدین کے بعد وہ سلطان کی فوج کا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد اور وفادار افسر تھا۔ یہ بلند قامت اور درویش خصلت انسان ستر سال کی عمر میں بھی اس قدر تندرست اور توانا تھا کہ جوانوں کو اس پر رشک آتا تھا۔ اس کے رُعب وجلال کو یہ عالم تھا کہ لارڈ کارنوالس جیسا انسانیت دشمن شخص بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ اس نے سلطان کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر

آپ چاہیں تو میں بہادر خان کی لاش آپ کے پاس بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔ سلطان نے جواب دیا آپ کی یہ پیش کش قابلِ تعریف ہے۔اگر آپ بہادر خان کی لاش منگلور کے مسلمانوں کے حوالہ کر دیں تو وہ اُسے پوری عزت اور احترام کے ساتھ دفن کر دیں گے۔

منگلور کی فتح کے لیے لارڈ کارنوالس کو جو قیمت ادا کرنی پڑی وہ اس کی توقع سے زیادہ تھی۔ پھر اس کامیابی نے انگریزی فوج کے مستقبل کے متعلق چند ایسے خطرات پیدا کر دیے تھے جو منگلور کی طرف پیش قدمی کرتے وقت اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔منگلور سے باہر اس کی رسد اور کمک کے تمام راستے کٹ چکے تھے اور رسد اور چارے کی بڑھتی ہوئی قلت کے باعث اس کے لیے ایک طویل محاصرے کا سامنا ممکن نہ تھا لیکن شمال کی طرف مرہٹوں کے حملوں کی شدت اور میر نظام کے پندرہ ہزار سواروں کی پیش قدمی نے سلطان ٹیپو کو منگلور کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔

کرشن راؤ بھی انہی لوگوں کے ساتھ قلعہ سے نکل چکا تھا۔لیکن وہ سلطان کے پاس جانے کی بجائے سرنگا پٹم پہنچ گیا۔اسی اثنا میں منگلور سے کسی افسر کا خط پکڑا گیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ کرشن راؤ کو سرنگا پٹم میں بھی سلطان کے خلاف کسی سازش کا جال بچھانے کی مہم پر مامور کیا گیا ہے۔سلطان نے میر معین الدین عرف سید صاحب کو اس کے پیچھے روانہ کیا اور اس نے کرشن راؤ اور اسکے تین بھائیون کو سازش میں حصہ لینے کا ثبوت فراہم ہونے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پندرھواں باب

بدرالزمان خاں دھاڑواڑ میں ڈٹا ہوا تھا۔ شہر کی آبادی مرہٹوں کی آمد سے پہلے ہجرت کر چکی تھی۔ مرہٹہ لشکر کا مستقر جنوب مغرب کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ ہر روز پڑاؤ سے چند توپیں کھینچ کر شہر کے آس پاس کے ٹیلوں پر لے آتے اور شام تک گولہ باری جاری رکھتے۔ رات کے وقت وہ شہر سے میسور کے سواروں کا خطرہ محسوس کر کے اپنی توپیں دوبارہ پڑاؤ میں لے جاتے۔ لیکن چند ہفتے بعد کمپنی کی فوج کے چند دستے ان کی مدد کے لیے پہنچ گئے اور جنگ میں تیزی آ گئی۔ مرہٹوں اور انگریزوں کی طرف سے گولہ باری کی بڑھتی ہوئی شدت کے جواب میں شہر کے محافظوں نے بھی جوابی حملے شروع کر دیے۔ میسور کے سوار صبح شام کسی وقت اچانک شہر سے نکلتے اور آن کی آن میں دشمن کو شدید نقصان پہنچنے کے بعد واپس چلے جاتے۔

بالآخر ایک دن مرہٹوں نے ایک گھمسان کی جنگ کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا اور شہر کے محافظ قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اگلے دن بدرالزمان نے اچانک قلعے سے نکل کر جوابی حملہ کیا اور مرہٹے دھاڑواڑ کی گلیوں اور بازاروں میں لاشوں کے انبار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ پانچ دن بعد مرہٹوں نے پوری قوت کے ساتھ ایک اور حملہ کیا اور دوبارہ شہر پر قابض ہو گئے۔ لیکن قلعے سے شدید گولہ باری کے باعث انہیں شہر کے قریب قدم جمانے کا موقع نہ ملا۔ چنانچہ وہ شہر کی فصیل کو بارود سے اُڑانے اور مکانات میں آگ لگانے کے بعد دوبارہ اپنے پڑاؤ میں آ گئے۔ اس کے بعد قلعے کی ناکہ بندی شروع ہوئی۔ لیکن مرہٹے جس بددلی کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ انگریزوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔

جنوب میں لارڈ کارنوالس کی افواج کو خطرے سے بچانے کی یہی ایک صورت تھی کہ مرہٹوں اور نظام کی افواج کسی تاخیر کے بغیر سرنگا پٹم کا رخ کریں۔ لیکن مرہٹے دھاڑواڑ کے قلعے کو اپنی شاہ رگ پر ایک خنجر سمجھتے تھے اور وہ اُسے فتح کیے بغیر کسی اور محاذ پر توجہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

پھر جب بمبئی سے انگریزوں کا ایک اور دستہ بھاری توپوں اور بارود کا ایک معقول ذخیرہ لے کر مرہٹوں کی اعانت کے لیے پہنچ گیا اور انہوں نے پُوری شدت کے ساتھ قلعے پر گولہ باری شروع کر دی تو اس عرصہ میں بدرالزماں کے سپاہیوں کی حالت نازک ہو چکی تھی۔ رسد اور بارود کے ذخیرے ختم ہو چکے تھے۔ اور قلعے کا پانی صرف چند دن کے ضرورت کے لیے کافی تھا۔

انگریزی دستے کا ایک لیفٹیننٹ مور مرہٹوں کی اس جنگ کے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب کسی ایک توپ میں بارُود ڈالا جاتا ہے توپ خانے کا سارا عملہ قریباً آدھ گھنٹے آرام سے بیٹھ کر تمباکو نوشی کرتا ہے۔ پھر توپ چلاتے وقت یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ اس کا نشانہ کہاں لگے گا۔ اگر خاصی مقدار میں گرد اُڑے تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر جب دوبارہ بارود ڈالا جاتا ہے تو اسی طرح تمباکو نوشی اور گپ بازی شروع ہو جاتی ہے۔ دوپہر کے دو گھنٹے کھانے اور آرام کے لیے وقف ہوتے ہیں اور جنگ بند رہتی ہے۔ یہ توپیں اتنی پُرانی اور ناقص ہیں کہ بسا اوقات چلتے وقت پھٹ جاتی ہیں۔ ایک اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ شام ہوتے ہی مرہٹے اپنی توپیں دھکیل کر واپس پڑاؤ میں لے جاتے ہیں اور دشمن کو رات کے وقت اطمینان سے فصیل کی مرمت کا موقع مل جاتا ہے۔ بارود کی سخت کمی ہے اور پونا سے اس کی سپلائی اتنی قلیل اور بے قاعدہ ہے کہ یہ توپیں کئی دن خاموش رہتی

ہیں۔

ایک رات قلعے کے جنوب مشرقی کونے کے ایک بُرج کے قریب یکے بعد دیگرے دو چھوٹے چھوٹے پتھر گرے اور پہریدار بندوقیں سنبھال کر باہر کی طرف جھانکنے لگے۔

تاریکی میں انہیں کسی کی آواز سنائی دی۔ میں ڈھونڈیا داغ ہوں جلدی سے سیڑھی پھینکو۔

تم کہاں سے آئے ہو؟

بے وقوفو مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے۔ جلدی سے سیڑھی پھینکو ورنہ میں اوپر پہنچتے ہی تم سب کو گلا گھونٹ ڈالوں گا۔

ٹھہرو ہم اپنے جمعدار کو اطلاع دیتے ہیں۔

کوئی دس منٹ بعد جمعدار کے علاوہ فوج کے چند اور افسر وہاں پہنچ چکے تھے اور ڈھونڈیا داغ رسی کی سیڑھی کے ساتھ فصیل پر چڑھ رہا تھا۔

بدرالزماں خاں کہاں ہیں؟ اس نے فصیل پر پہنچتے ہی سوال کیا۔

وہ آرہے ہیں۔ ایک افسر نے جواب دیا۔

میں ان کا انتظار نہیں کرسکتا۔ چلو مجھے ان کے پاس لے چلو، مجھے اسی وقت واپس جانا ہے۔

تمہیں انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی نے بُرج کی طرف سے نمودار ہو کر کہا۔

ڈھونڈیا داغ نے کہا۔ آپ بدرالزماں خاں ہیں؟

کہو کیا پیغام لائے ہو۔

جناب کل رات پچھلے پہر انور علی پانچ سو سپاہیوں اور رسد اور بارود کی ڈیڑھ سو گاڑیوں کے ساتھ یہاں پہنچ جائے گا۔ میں قلعے سے باہر دشمن کے تمام مورچوں کا جائزہ لے چکا ہوں۔ مرہٹے کافی دور ہیں اور ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ لیکن انگریزوں کے مورچے بہت قریب ہیں اور کمک کا راستہ صاف کرنے کے لیے انہیں پیچھے ہٹانا ضروری ہے۔ آپ کل سارا دن دشمن پر شدید گولہ باری کرتے رہیں تاکہ اس کی توجہ کسی اور طرف مبذول نہ ہو۔ اس کے بعد رات کے ٹھیک دو بجے آپ اس پر حملہ کر دیں۔ ہم مشرقی دروازے سے داخل ہوں گے اور ہمارے سوار دشمن کو آس پاس کے مورچوں سے پیچھے ہٹانے کے لیے آپ کا ساتھ دیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی رہنمائی کے لیے واپس پہنچنا ہے۔

بدرالزمان نے کہا۔ سلطان معظم دھاڑواڑ کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے صرف پانچ سو سپاہی بھیجے ہیں۔ اس قلعے کو بچانے کے لیے مجھے کم از کم دس ہزار سپاہیوں کی ضرورت ہے۔

ڈھونڈیا واغ نے جواب دیا۔ یہ بات سلطان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنگ میں کسی جگہ کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ انور علی آپ کو بتا دے گا کہ اس محاذ پر زیادہ فوج نہ بھیجنے کی وجوہات کیا ہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ سر دست آپ کو مزید کمک کی توقع نہیں رکھنی چاہیے اور سلطان معظم یہ چاہتے ہیں کہ آپ زیادہ سے زیادہ عرصہ دشمن کو اس محاذ پر مصروف رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ دوبارہ ملاقات پر ہم اس کے متعلق زیادہ اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔

بدالزمان نے خدا حافظ کہہ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ڈھونڈیا واغ مصافحہ کرنے کے بعد رسی کی سیڑھی کے ساتھ لٹک گیا۔

اگلی رات ایک پہرے دار نے مرہٹہ فوج کے سپہ سالار پرس رام بھاؤ کو گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا۔ سرکار ایک انگریز افسر خیمے کے باہر کھڑا ہے اور وہ اسی وقت آپ سے ملنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔

بھاؤ آنکھیں ملتا ہوا خیمہ سے باہر نکلا۔ ایک افسر گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور مرہٹہ سپاہی جوق در جوق اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

انگریز افسر نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ دشمن نے قلعے سے باہر نکل کر ہمارے کیمپ پر حملہ کر دیا ہے۔ آپ کی فوج کے جو دستے ہمارے ساتھ تھے وہ بھاگ گئے ہیں اور ہم پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

"تمہیں چوکس رہنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہارے کرنل کو یہ مشورہ دیا تھا کہ رات کے وقت قلعے کے قریب رہنا خطرناک ہے۔ لیکن تم کب کسی کی سنتے ہو!"

جب آپ کو صورت حال کا پتہ چلے گا تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ ہمارا فیصلہ صحیح تھا۔ آپ کی غلطی کی وجہ سے ہم دشمن کی ناکہ بندی میں کامیاب نہیں ہوئے اور وہ رسد اور بارود لا تعداد گاڑیاں لانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ لیکن کرنل صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اب بھی فوراً حملہ کر دیں تو ہم بہت سی گاڑیاں قلعے میں داخل ہونے سے روک سکتے ہیں۔

ایک ثانیہ کے لیے بھاؤ ایک سکتے کی حالت میں کھڑا رہا۔

انگریز افسر نے کہا۔ جناب اب سوچنے کا وقت نہیں۔ جو فوج آپ نے دشمن کی رسد اور کمک کے راستوں کی دیکھ بھال کے لیے متعین کی تھی وہ انتہائی ناکارہ ثابت ہوئی ہے لیکن ابھی اگر آپ جلدی کریں تو بہت حد تک اس کوتاہی کی تلافی ہو سکتی ہے۔

تمہیں اس بات کا علم ہے کہ جو فوج رسد کی گاڑیوں کے ساتھ آئی ہے۔ اس کی تعداد کتنی ہے؟

جناب رات کے وقت یہ اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن اُن کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی آپ جلدی کریں۔

میں ٹیپو جیسے دشمن کے معاملے میں جلد بازی کا قائل نہیں ہوں۔ تم اپنے دستے یہاں لے آؤ اور اپنے کرنال صاحب سے کہو کہ ہم صبح سے پہلے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

صبح کے وقت پرس رام بھاؤ کے خیمے میں چند انگریز اور مرہٹہ افسر جمع تھے۔ کرنل فریڈرک انتہائی غصے کی حالت میں پرس رام بھاؤ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ آپ کے سپاہی جنگ کو مذاق سمجھتے ہیں۔ اگر کمپنی کے سپاہی اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتے تو ہم انہیں گولیوں سے اڑا دیتے۔ یہ کتنے شرم اور افسوس کی بات ہے کہ دشمن کی رسد اور بارود کی گاڑیاں دھاڑواڑ کے قریب پہنچ چکی تھیں اور راستے میں آپ کی چوکیوں کے محافظ بے خبر تھے!

پرس رام نے جھنجھلا کر کہا۔ دیکھیے کرنل صاحب اب بحث سے کوئی فائدہ نہیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ لیکن اگر آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ ہم سے زیادہ باخبر تھے تو آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے کہ دشمن کی گاڑیاں آپ کے مورچوں کے سامنے سے گزر کر قلعے میں داخل ہوئیں اور پھر بھی آپ ہمیں یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کی صحیح تعداد کیا تھی۔

آپ کو معلوم ہے کہ رات کے وقت دشمن کا اچانک حملہ اس قدر شدید تھا کہ ہمیں مجبوراً قلعے کے آس پاس اپنے مورچے خالی کرنے پڑے لیکن اگر آپ ہماری

مدد کو پہنچ جاتے تو ہم انکی بیشتر گاڑیاں قلعے میں داخل ہونے سے روک سکتے تھے۔

پرس رام نے قدرے نرم ہوکر کہا۔کرنل صاحب اب آپس میں جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ راستے کی چوکیوں کے محافظوں کو سخت سزا دی جائے گی۔لیکن اس وقت ہمارے سامنے قلعہ فتح کرنے کا مسئلہ ہے۔

کرنل فریڈرک نے کہا جناب موجودہ حالات میں یہ قلعہ فتح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میں آپ کو یہ مشورہ دینے آیا ہوں کہ اب ہمیں کسی توقف کے بغیر جنوب کی طرف کوچ کر دینا چاہیے۔اگر دشمن کے چند سپاہی اس قلعے میں پڑے رہیں تو ہمارے لیئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ہم جنوب میں دشمن کی طاقت کچلنے کے بعد کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر واپس آ کر قلعہ فتح کرسکیں گے۔لیکن اگر آپ یہاں بیٹھے رہے تو ہمارے جنگی منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ ہمارے دشمن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ساری قوت مختلف محاذوں پر بٹی رہے اور ہم کسی ایک میدان میں جمع ہوکر اس پر فیصلہ کن ضرب نہ لگا سکیں۔

پرسراؤ بھاؤ نے کہا۔ہمارے لیے یہ قلعہ فتح کیے بغیر آگے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔دھاڑواڑ کو اس حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ بدرالزمان کو عقب سے ہمارے رسد اور کمک کے راستے کاٹنے کا موقع مل جائے۔مجھے جنرل میڈوز کی مشکلات کا احساس ہے لیکن ہمیں پیشوا اور نانا فرنویس کا حکم ہے کہ ہم آگے بڑھنے سے پہلے یہ اچھی طرح دیکھ لیں کہ ہمارا عقب کس حد تک محفوظ ہے، اگر آپ ہمت سے کام لیں تو ہم چند دنوں میں قلعہ فتح کر سکتے ہیں۔اس کے بعد مجھے آپ کی ہدایات پر عمل کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔

کرنل فریڈرک نے کہا۔ اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اب آپ کے سپاہی چوکس رہیں گے اور دشمن کو مزید کمک بھیجنے کا موقع نہیں ملے گا۔

میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اب دشمن کا ایک سپاہی بھی اس علاقے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ دشمن کس راستے سے یہاں پہنچا ہے اور آپ کی محافظ چوکیوں کے سپاہی کہاں تھے اگر رسد کی دو چار گاڑیاں ہوتیں تو علیحدہ بات تھی لیکن ہمارا اندازہ ہے کہ رات کے وقت جو گاڑیاں قلعے میں داخل ہوئی ہیں اُن کی تعداد سو سے زیادہ تھی اور ہماری نسبت قلعے کے محافظ اس قدر باخبر تھے کہ انہیں رسد اور کمک کی آمد کے صحیح وقت تک کا علم تھا۔

پرس رام بھاؤ نے کہا۔ کرنل صاحب اب اس مسئلے پر بحث کرنا بے سُود ہے کہ دشمن کس راستے سے یہاں پہنچا ہے۔ میں نے چند ہوشیار آدمیوں کا گاڑیوں کے نشان دیکھنے کے لیے بھیج دیا ہے اور ان کی تحقیقات کے بعد جن چوکیوں کے سپاہی مجرم ثابت ہوں گے انہیں بدترین سزائیں دی جائیں گی۔ میں اس بات کا بھی ذمہ لیتا ہوں کہ آئندہ بدرالزمان کی فوج باہر سے اناج کا ایک دانہ تک حاصل نہیں کر سکے گی۔ اب یہ قلعہ فتح کرنا ہماری عزت کا مسئلہ ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آج ہی اپنا پڑاؤ قلعے کے قریب لے جائیں تاکہ آپ کو بار بار یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم جنگ میں سنجیدہ نہیں ہیں۔

دھاڑواڑ کے محاصرے کو چھ ماہ گزر چکے تھے اور قلعے کے محافظ ایک غیر معلولی عزم و استقلال کے ساتھ دشمن کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔

انگریزوں اور مرہٹوں کو بمبئی اور پونا سے کسی دقت کے بغیر رسد اور کمک پہنچ رہی تھی لیکن بدرالزمان کو مستقبل قریب میں کسی بیرونی اعانت کی اُمید نہ تھی قلعے کے اندر رسد اور بارود کے گودام بتدریج خالی ہو رہے تھے۔ دشمن کی شدید ناکہ بندی نے اُجڑے ہوئے شہر کے کنوؤں کا تازہ پانی حاصل کرنا ناممکن بنادیا تھا اور قلعے کے اندر جو تالاب تھے وہ آہستہ آہستہ خالی ہو رہے تھے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ قلعے کے محافظوں کو مٹھی بھر اُبلے چاول یا جوار کی ایک سوکھی روٹی اور پانی کے ایک پیالے پر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ اور انتہائی ضرورت کے بغیر انہیں بارود استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تاہم وہ ڈٹے رہے اور قلعے کے باہر دشمن کی گولہ باری اور قلعے کے اندر بھوک پیاس اور بیماریاں ان جانبازوں کے حوصلے متزلزل نہ کرسکیں جنھوں نے سلطان فتح علی ٹیپو سے زندگی کی آخری آداب سیکھے تھے۔ وہ جن کے چہروں پر زندگی کا خون دوڑتا تھا اب ہڈیوں کے ڈھانچے نظر آتے تھے۔ انور علی جسے چند ہفتے قبل وہ صرف ایک بہادر اور فرض شناس افسر کی حیثیت سے جانتے تھے اب ان کی آنکھوں کا تارا بن چکا تھا۔ بدرالزماں سے لے کر ایک معمولی سپاہی تک اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ کبھی مریضوں کی تیمارداری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتا اور کبھی رات کے وقت قلعے سے باہر نکل کر دشمن کے کیمپ پر حملہ کرنے والے جانبازوں کی کمان سنبھال لیتا۔ وہ قلعے کی مسجد کے منبر پر کھڑا ہو جاتا اور اس کی رُوح پرور تقریروں سے قلعے کی شکستہ دیواروں کے اندر حوصلوں اور ولولوں کی ایک نئی دُنیا آباد ہو جاتی۔ ڈھونڈیا داغ سلطان کی ہدایات کے مطابق انور علی اور اس کے ساتھیوں کو قلعے میں پہنچانے کے بعد دوسرے محاذوں پر دکن اور پونا کی افواج کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے واپس جا چکا تھا۔

لیگرانڈ نے دھاڑواڑ پہنچنے کے بعد چند ہفتے انتہائی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا۔لیکن اب اس کی صحت پر مسلسل بھوک پیاس اور بے آرامی کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ دن بھر لے لیے پانی کی مقدار اب ایک کٹورے کی بجائے نصف کٹورا کردی گئی تھی ۔ایک دن اس نے اُبلے ہوئے چاول کے چند لقمے حلق سے اتارنے کے بعد اپنے حصے کا پانی پیا۔لیکن اس کی تشنگی دُور نہ ہوئی۔ خالی کٹورا نیچے رکھتے وقت اُسے اس بات کا احساس ہوا کہ ابھی پانی کی چند بوندیں باقی رہ گئی ہیں چنانچہ اس نے دوبارہ کٹورا اٹھا کر منہ سے لگالیا۔انورعلی اس سے چند قدم دور بیٹھا تھا۔وہ اپنا کٹورا اُٹھا کر جلدی سے آگے بڑھا اور مُسکراتا ہوا لیگرانڈ کے قریب بیٹھ گیا۔ جب لیگرانڈ نے پانی کا آخری قطرہ حلق میں اُنڈیلنے کے بعد کٹورا نیچے رکھ دیا تو انور علی نے اپنے حصے کے چند گھونٹ اس میں ڈال دیے۔لیگرانڈ نے اس کی طرف دیکھا اور پریشان سا ہو کر بولا۔ میرے دوست میں اپنے حصے کا پانی پی چکا ہوں اور آپ کے ہونٹ مجھ سے زیادہ خشک ہیں مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔

انورعلی نے اپنا کٹورا اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔میرے لیے یہ دو گھونٹ کافی ہیں اور تمہیں اس وقت زیادہ پانی کی ضرورت ہے۔

لیگرانڈ نے کہا آج میری طبیعت ٹھیک نہیں شاید مجھے بخار ہو رہا ہے۔

تم یہ پانی پی کر لیٹ جاؤ میں ابھی طبیب کو بُلاتا ہوں۔

لیگرانڈ نے تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر انور علی کی طرف دیکھا اور چند ثانیے تذبذب کے بعد کٹورا اُٹھالیا۔

دُوسرے محاذوں پر اتحادی فوج نے اپنے لامحدود جنگی وسائل کے باوجود کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کی تھی۔ جنوب کی طرف میر نظام علی کے لشکر کی پیش

قدمی نے سلطان ٹیپو کو منگلور کا محاصرہ اُٹھا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ سرنگا پٹم کی طرف دشمن کی متوقع یلغار کے پیش نظر تمام راستوں کی چوکیوں اور قلعوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لارڈ کارنوالس کو میسور کی سرزمین کے ایک ایک انچ پر شدید مزاحمت کی توقع تھی اور وہ اپنے ساتھ مرہٹہ لشکر کو شامل کیے بغیر آگے بڑھنا خطرناک سمجھتا تھا لیکن پرس رام بھاؤ کا لشکر دھاڑ واڑ میں پھنسا ہوا تھا۔ اور دوسرا مرہٹہ لشکر جس نے ہری پنت کی قیادت میں کرنول کی طرف پیش قدمی کی تھی قدم قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کر رہا تھا۔ ان کے متعلق ایک دن یہ خبر آتی کہ انہوں نے فلاں چوکی، فلاں شہر یا فلاں قلعے پر قبضہ کر لیا ہے تو اگلے دن یہ خبر سُنی جاتی کہ میسور کی فوج نے انہیں فلاں مقام پر شکست دے کر اتنے کوس پیچھے دھکیل دیا ہے۔

یہ صورت حالات لارڈ کارنوالس کے لیے غیر متوقع تھی تاہم وہ زیادہ پریشان نہ تھا۔ میر نظام علی اور مرہٹوں کے متعلق اس کا یہ خدشہ ہو چکا تھا کہ وہ کسی وقت بھی میدان میں تنہا چھوڑ کر جنگ سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔ دکن کا لشکر اس کے ساتھ مل ہو چکا تھا اور مرہٹوں کے متعلق بھی اسے یہ یقین تھا کہ دھاڑ واڑ کے محاذ سے فارغ ہوتے ہی پرس رام کی افواج ہری نپت کے لشکر سے آملیں گی۔ اور پھر یہ ٹڈی دل لشکر سرنگا پٹم کی طرف یلغار کر دے گا۔

لارڈ کارنوالس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے سلطان ٹیپو کی تیاریوں کا علم تھا لیکن اسے یہ بھی احساس تھا کہ موجودہ حالات میں جنگ کا طول کھینچنا اس کے لیے جس قدر نقصان دہ ہوسکتا ہے اس سے کہیں زیادہ سُلطان ٹیپو کے لیے نقصان دہ وہ سکتا ہے۔ میسور کی نسبت وہ بجا طور پر اپنے اور اپنے اتحادیوں کے وسائل کی برتری پر فخر

کر سکتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا بحری بیڑا بمبئی اور کلکتہ سے مشرق اور مغرب کے ساحلوں کی بندرگاہوں پر تازہ دم افواج اور جنگی سامان اتارنے میں مصروف تھا اور اس کے حلیف پونا اور حیدر آباد سے ایک لامحدود عرصہ کے لیے توپوں کا چارہ مہیا کر سکتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب وہ جنگ کے آنے والے دور کے متعلق سوچتا تو کبھی اس قسم کے سوالات اسے پریشان کرنے لگتے۔ ٹیپو اس وقت کیا سوچ رہا ہو گا؟ وہ کہاں حملہ کرے گا؟ وہ اتنا نادان نہیں کہ اُسے ہمارے جنگی وسائل کا علم نہ ہو۔ پھر وہ کس اُمید پر لڑ رہا ہے؟ ابھی تک اس کے حوصلے پست کیوں نہیں ہوئے؟

پھر جب اُسے اچانک کسی دن یہ اطلاع ملتی کہ میسور کے طوفانی دستوں نے کسی مقام پر حملہ کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی، نظام یا مرہٹوں کے اتنے سپاہی ہلاک کر دیے ہیں اور رسد اور بارود کی اتنی گاڑیاں چھین لی ہیں تو اُسے یہ احساس ہونے لگتا کہ تیز ہوا کے یہ اکا دکا جھونکے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں۔

لیگر انڈ چند دن سے بیماروں اور زخمیوں کے ساتھ قلعے کے ایک کشادہ کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ ایک دوپہر انور علی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے لیگر انڈ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آج آپ کی حالت بہتر معلوم ہوتی ہے!

ہاں میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا بخار اُتر رہا ہے۔ لیکن آج کیا بات ہے مجھے چند گھنٹوں سے دشمن کی توپوں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کیا ہو سکتا ہے کہ کل کے حملے میں شدید نقصان اٹھانے کے بعد انہوں نے اس محاذ سے منہ پھیر لیا ہو۔ میں کئی آدمیوں سے پوچھ چکا ہوں لیکن کسی نے مجھے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

انور علی نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نہیں یہ بات نہیں۔ دشمن کو ہمارے حالات کا بخوبی علم ہے اور اُسے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ وہ مزید نقصانات اٹھائے بغیر ہمیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ آج علی الصباح انہوں نے ہمارے کمانڈر کے پاس اپنے ایلچی بھیجے تھے اور بدر الزمان خاں بعض شرائط پر قلعہ خالی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے مزید گفتگو کے لیے چار افسر پرس رام بھاؤ کے ایلچیوں کے ساتھ روانہ کر دیے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صبح سے دشمن کا توپ خانہ خاموش ہے۔

لیگر انڈ نے مغموم لہجے میں کہا۔ میرا خیال تھا کہ قلعہ کے کمانڈنٹ آپ کے مشورہ پر عمل کریں گے۔

انور علی نے جواب دیا۔ مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں۔ اس سے قبل دشمن دو بار جنگ بند کرنے کی پیش کش کر چکا ہے اور بدر الزمان صرف میری مخالفت کے باعث قلعہ خالی کرنے کے متعلق اُن کی شرائط ٹھکرا چکے ہیں۔ لیکن اب حالات ایسے ہیں کہ اُن کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے انور علی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ آپ کو قلعہ دار صاحب بُلاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا وفد واپس آ گیا ہے۔ یہ کہہ کر انور علی اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ دو منٹ بعد وہ بدر الزمان کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں چند افسر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ بدر الزمان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ انور علی نے اس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر اُس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

بدر الزمان نے میز سے کاغذ اُٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیجیے یہ

پڑھ لیجیے۔آپ کے خدشات بالکل بے بنیاد تھے۔پرس رام بھاؤ نے میری تمام شرائط مان لی ہیں۔ ہمیں قلعہ چھوڑتے وقت اپنا اسلحہ اور تمام سرکاری روپیہ ساتھ لے جانے کی اجازت ہوگی اور جب تک ہم دریا کے پار نہیں پہنچ جاتے پرس رام بھاؤ کے خاص دستے ہماری حفاظت کریں گے۔دشمن کو اس بات پر اصرار ہے کہ ہم سات توپوں سے زیادہ اس قلعے سے باہر نہیں نکال سکتے لیکن ہمارے لیے یہ سودا مہنگا نہیں ہماری بیشتر توپیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔

انور علی معاہدے کی تحریر پڑھنے کے بعد بدرالزمان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔ موجودہ حالات میں آپ اس سے بہتر شرائط نہیں منوا سکتے تھے۔لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ انگریز اور مرہٹے ان شرائط کو پورا کریں گے اور جو دستے ہماری حفاظت کے لیے متعین کیے جائیں گے انہیں یہ ہدایت نہیں ہوگی کہ وہ قلعے سے باہر موقع پاتے ہی ہم پر ٹوٹ پڑیں۔

بدالزمان نے جواب دیا۔اس بات کی کوئی ضمانت نہیں لیکن موجودہ حالات میں ہمارے لیے دشمن کی شرافت اور نیک نیتی پر اعتماد کرنا ایک مجبوری ہے۔تم جانتے ہو کہ یہ معاہدہ میں نے اپنی جان بچانے کے لیے نہیں کیا۔میرے سامنے ان انسانوں کا مسئلہ ہے جنہیں قلعے کے اندر اب موت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ہماری رسد ختم ہو چکی ہے تالاب جن میں ہم نے گذشتہ بارش سے کچھ پانی جمع کیا تھا پھر خشک ہو رہے ہیں۔ میرے دس ہزار سپاہیوں کی تعداد اب تین ہزار تک پہنچ چکی ہے اور رسد اور پانی کا ذخیرہ ہمارے پاس موجد ہے وہ پانچ چھ دن سے زیادہ ان آدمیوں کو زندہ نہیں رکھ سکتا۔قلعے سے باہر نکلنے کی صورت میں اگر دشمن نے بد عہدی کی تو بھی اس بات کا امکان ہے کہ کچھ آدمی زندہ بچ کر نکل جائیں۔ لیکن چند دن

بعد قلعے کے اندر لاشوں کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ سُلطان معظم مجھے یہ نہیں کہیں گے کہ میں نے ان کی حکم عدولی کی ہے اور آپ میں سے بھی کوئی مجھے بے غیرتی یا بُزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ میں دُشمن کو یہ پیغام بھیج رہا ہوں کہ ہم پانچ دن کے اندر اندر قلعہ خالی کر دیں گے۔ اس معاہدے کی رُو سے ہم قلعہ خالی کرنے تک باہر سے اپنی ضروت کے مطابق پانی حاصل کر سکیں گے اور ہمیں دُشمن کے پڑاؤ سے اناج خریدنے کی بھی اجازت ہو گی۔ آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

انور علی نے بھرآئی ہوئی آواز میں کہا۔ نہیں، مجھ میں اب کچھ کہنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ قلعے سے باہر نکلنے کے بعد مرہٹوں کے متعلق چوکس رہیں۔

بدرالزمان خاں نے جواب دیا۔ قلعے سے باہر نکلنے کے بعد اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو کسی سپاہی یا افسر کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں اس کی کوئی مدد کر سکوں گا۔ ہمارا یہ فرض ہو گا کہ ہم اپنی اپنی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔ میں نے دشمن سے پانچ دن کی مہلت اس لیے مانگی ہے کہ پیاس اور فاقہ کشی کے باعث میرے ساتھی نڈھال ہو چکے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ قلعہ خالی کرنے سے پہلے وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں۔

انور علی نے دوبارہ کاغذ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن اس معاہدے کے مطابق تو آپ کو کل ہی قلعے سے باہر نکلنا پڑے گا۔

ہاں بھاؤ کو اس بات پر اصرار ہے کہ میں نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے کل ہی اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں۔ میں اپنے ساتھ صرف چند آدمی لے جاؤں گا اور میری غیر حاضری میں فوج کی کمان آپ کے سُپرد ہو گی۔ اگر دشمن نے میرے

ساتھ بد عہدی نہ کی تو تمہیں اطلاع مل جائے گی اور میرے طرف سے کوئی اطلاع نہ آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں دشمن کی قید میں ہوں یا قتل ہو چکا ہوں۔ پھر یہ سوچنا آپ کا کام ہوگا کہ آپ کو کاے راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

اگلے دن مرہٹہ فوج کے چند افسر قلعے سے باہر کھڑے تھے۔ بدرالزمان پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا۔ ایک افسر نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور کہا۔ مہاراج بھائی صاحب نے آپ کے لیے پالکی بھیجی ہے۔

بدرالزمان پیدل چلنا چاہتا تھا لیکن مرہٹہ افسر کے اصرار پر وہ پالی پر بیٹھ گیا۔ کہاروں نے پالکی اٹھائی اور یہ قافلہ مرہٹہ کیمپ کی طرف روانہ ہوا۔ مرہٹوں کے پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی سینکڑوں آدمی انتہائی جوش وخروش کی حالت میں نعرے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اور زمین سے مٹی اٹھا اٹھا کر بدر الزمان کی پالکی پر پھینکنے لگے۔ اس اشتعال انگیز ماحول میں میسور کے سپاہیوں کا ضبط وسکون قابلِ دید تھا۔ بعض مرہٹے اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے آگے بڑھتے اور اپنی تلواریں ان کی آنکھوں کے سامنے گھمانے لگتے بعض اپنے خنجر ان کی گردنوں پر رکھ دیتے اور بعض اپنی بندوقوں کی نالیاں ان کے سینوں تک لے جاتے۔ اچانک ایک طرف سے چند بندوقیں چلنے کی آواز آئی اور ہجوم اِدھر اُدھر سمٹنے لگا۔ پرس رام بھاؤ فوج کے چند سرداروں اور اپنے محافظ دستے کے ساتھ نمودار ہوا۔ کہاروں نے بدرالزمان کی پالکی نیچے رکھ دی۔ پرس رام نے آگے بڑھ کر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ انہیں بدترین سزائیں دی جائیں گی۔

بدرالزمان خاں اپنی قبا سے گرد جھاڑتا ہوا پالکی سے اترا اور بولا۔ مجھے ان

لوگوں سے کوئی شکایت نہیں۔ میرے ساتھ ان کی نفرت اس بات کا ثبوت ہے کہ میں سُلطان کا ایک وفادار سپاہی ہوں۔

لیکن ایک بہادر اور شریف دشمن کے ساتھ اس طرح پیش آنا انتہائی ذلالت ہے۔ میں نے آپ کا خیمہ اپنے قریب نصب کروایا ہے اور اب آپ کی حفاظت میرا ذمہ ہوگا۔

شکریہ لیکن مجھے اپنے پاس رکھ کر آپ کو اپنے سپاہیوں پر بہت سی پابندیاں عائد کرنی پڑے گی۔ اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے آپ کے پڑاؤ سے کچھ دُور ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔ میرا آپ کے پاس چلے آنا اس امر کی ضمانت ہے کہ میرے ساتھی معاہدے کی شرائط کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ تاہم آپ کو مجھ پر اعتماد نہ ہو تو میرے ساتھ اپنے چند سپاہی بھیج دیجیے۔

مجھے یہ بات منظور ہے۔

بدرالزماں نے کہا۔ قلعے کے اندر میرے ساتھی بھوکے اور پیاس سے مر رہے ہیں اور آپ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ میرے یہاں پہنچتے ہی آپ ان کے لیے رسد اور پانی کا انتظام کر دیں گے۔

پرس رام بھاؤ نے جواب دیا۔ میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔

کچھ دیر بعد بدرالزمان اور اس کے ساتھی مرہٹہ پڑاؤ سے دو میل کے فاصلے پر شموگہ کی طرف جانے والی سڑک کے کنارے ڈیرہ ڈال چکے تھے۔

سولھواں باب

پانچویں دن سہ پہر کے وقت انور علی اور اُس کے باقی ساتھی دھاڑواڑ کا قلعہ خالی کرر ہے تھے۔ سات توپیں اور خزانہ دو دن قبل بدرالزمان کے کیمپ مین پہنچایا جا چکا تھا۔ بیماروں اور زخمیوں کو کھاٹوں پر ڈال کر قلعے سے باہر نکالا گیا۔لیگر انڈ گزشتہ بیمار کے باعث کافی کمزور ہو چکا تھا۔لیکن وہ کھاٹ پر لیٹنے کی بجائے پیدل چلنے پر مصر تھا۔

جب یہ قافلہ قلعے سے باہر نکل کر اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو انگریز اور مرہٹہ سپاہیوں کے چند دستے دروازے کے قریب کھڑے تھے۔سواروں کا ایک دستہ قافلے کے ساتھ چل دیا اور باقی مسرت کے نعرے لگاتے ہوئے قلعے کے اندر داخل ہونے لگے کچھ دور چلنے کے بعد انور علی نے مڑ کر دیکھا تو قلعے میں تھوڑی دیر بعد پہلے جس جگہ میسور کا جھنڈا لہرا رہا تھا انگریزوں اور مرہٹوں کے جھنڈے نصب کیے جا رہے تھے۔اس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو گئے اور وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔میرے دوستو اپنی گردنیں اُونچی رکھو۔اگر خدا نے چاہا تو ہم بہت جلد واپس آئیں گے۔

رات کے وقت فوج کے چند افسر بدرالزمان کے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ اُن سے کہہ رہا تھا۔ مرہٹوں نے ہمارے ساتھ جنگ کے دوران میں پہلی بار انسانیت کا ثبوت دیا ہے۔

ایک افسر نے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا پرس رام بھاؤ ایک شریف دشمن ہے اور مجھے اس کی طرف سے کسی بدسلوکی کی توقع نہ تھی۔اور پھر کئی افسر کیے

بعد دیگرے پرس رام کے طرز عمل کے متعلق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔ انور علی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے کہا بھاؤ کا سلوک واقعی غیر متوقع ہے لیکن جب تک ہم کسی محفوظ جگہ نہیں پہنچ جاتے مجھے اس کی انسانیت یا شرافت کا یقین نہیں آئے گا۔ مرہٹوں کو ہمارے متعلق اپنے ارادے بدلنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس لیے میں پھر ایک بار آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کوچ کر دینا چاہیے۔

بدرالزمان خان نے کہا۔ بھاؤ نے مجھ یقین دلایا ہے کہ ضروری انتظامات کے بعد تین چار دن تک ہمیں یہاں سے روانہ ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

انور علی نے کہا۔ اگر یہ گستاخی نہ ہو تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ انتظامات کیا ہیں؟

ہم گاڑیوں کے لیے بیل حاصل کیے بغیر اپنا سامان اور اپنے زخمی اور بیمار ساتھیوں کو نہیں لے جا سکتے۔ بھاؤ نے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں یہاں سے بیلوں کے علاوہ چند گھوڑے بھی خریدنے کی اجازت ہو گی۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ انتظامات کل ہی مکمل ہو جائیں اور ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے کوچ کرنے کی اجازت مل جائے لیکن بھاؤ نے اگر ہمیں ایک دو دن اور یہاں ٹھہرانے پر اصرار کیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھاؤ کو یہ اندیشہ تھا کہ راستہ میں مرہٹہ چوکیوں کے سپاہی ہمیں پریشان کریں گے۔ چنانچہ ہمیں دھاڑواڑ کے علاقے سے گزارنے کے لیے اس نے ہمارے ساتھ اپنے سپاہی بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔

انور علی نے کہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بھاؤ کے یہ سپاہی ہمارے لیے راستے کی مرہٹہ چوکیوں کے سپاہیوں کی نسبت زیادہ خطرناک ثابت ہوں گے۔

بدرالزمان نے جواب دیا۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمہارے اندیشے بے بنیاد ہیں۔لیکن ان حالات میں ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔

ایک افسر نے کہا۔کاش ہم دریا کے آس پاس اپنی چوکیوں کو ان حالات سے باخبر کر سکتے۔ آج ہمیں ڈھونڈیا داغ کی ضرورت تھی۔

بدرالزمان نے کہا۔موجودہ حالات میں مرہٹوں کی اجازت کے بغیر ہمارے کسی آدمی کا یہاں سے نکلنا ممکن نہیں۔انہوں نے تمام راستوں کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی ہے اور میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ ہمارا ایلچی یہاں سے نکلتے ہی گرفتار ہو جائے اور مرہٹوں کو ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنے کا بہانہ مل جائے۔

انور علی نے کہا۔اگر ہم دریا تک پہنچ سکیں تو آگے ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

ہماری چوکیاں ہمارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں۔ میں انہیں اطلاع بھیج چکا ہوں۔

کب؟ بدرالزمان نے حیران سا ہو کر سوال کیا۔

آپ کے قلعہ خالی کرنے سے اگلی رات میں نے ایک ایلچی بھیج دیا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ تمہارا ایلچی پکڑا نہیں گیا۔

وہ ڈھونڈیا داغ کے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں میں سے تھا اور میں نے اس بات کے انتظامات کر لیے تھے کہ وہ پکڑا جائے تو مرہٹے یہ شبہ نہ کریں کہ وہ ہماری مرضی سے فرار ہوا ہے۔ میں نے اسے خزانے سے روپوں کی ایک تھیلی نکال کر دے دی تھی تا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے آپ کو ایک کامیاب چور ثابت کر سکے۔

اور تمہیں یقین ہے کہ وہ پکڑا نہیں گیا؟

ہاں لیکن اگر وہ پکڑا جاتا تو بھی ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مرہٹہ پہرے دار اسے گرفتار کر کے پرس رام سے شاباش حاصل کرنے کی بجائے چوری کے مال میں حصہ دار بننا زیادہ سُود مند سمجھیں گے۔

ایک افسر نے کہا۔ لیکن اس سے کیا فائدہ ہو گا جب تک ہم اس علاقے سے باہر نہیں نکلتے ہماری چوکیاں ہماری کیا مدد کر سکتی ہیں؟

انور علی نے جواب دیا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ہماری چوکیوں کے سپاہی اس علاقے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ راستے میں مرہٹوں کی نیت خراب ہو جائے تو شاید چند آدمی لڑتے بھڑتے دریا کی طرف نکل جائیں اور وہاں ہمارے سپاہیوں کی بروقت مداخلت سے ان کی جانیں بچ جائیں۔ بھاؤ کے سپاہی اگر ہمیں کسی خاص راستے پر لے جانے کے لیے مصر نہ ہوں تو ہمارے لیے جنگل اور پہاڑ کا راستہ اختیار کرنا بہتر ہو گا۔

---اختتام حصہ اول----------